فہمِ تفسیر سے متعلق سینکڑوں کتابوں کے مطالعہ کے بعد

166 اہم قواعد پر مشتمل اہل علم کے لیے نایاب تحفہ

قواعد التفسیر

مولانا محمد نعمان

فاضل جامعہ علوم اسلامیہ علامہ یوسف بنوری ٹاؤن کراچی

اُستاذ جامعہ انوار العلوم مہران ٹاؤن کورنگی کراچی

مکتبہ عمر فاروقؓ

فہمِ تفسیر سے متعلق سینکڑوں کتابوں کے مطالعہ کے بعد

166 اہم قواعد پر مشتمل اہلِ علم کے لیے نایاب تحفہ

مولانا محمد نعمان

فاضل جامعہ علوم اسلامیہ علامہ یوسف بنوری ٹاؤن کراچی

اُستاذ جامعہ انوار العلوم مہران ٹاؤن کورنگی کراچی

4/491 شاہ فیصل کالونی کراچی

Tel: 021-34594144 Cell: 0334-3432345
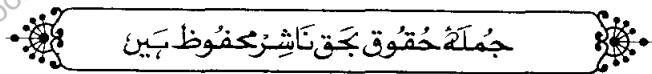
نام کتاب .... قواعد التفسیر

افادات .... مولانا محمد نعمان
فاضل جامعہ علوم اسلامیہ علامہ یوسف بنوری ٹاؤن کراچی

اشاعت اول .... جنوری 2012ء

تعداد 1100

طابع .... القادر پرنٹنگ پریس کراچی

ناشر .... مکتبہ عمر فاروق 4/491 شاہ فیصل کالونی کراچی
021-34594144 Cell: 0334-3432345

ای میل .... M farooq.12317@yaho.com

ملنے کے پتے

دار الاشاعت، اردو بازار کراچی
اسلامی کتب خانہ، علامہ بنوری ٹاؤن کراچی
قدیمی کتب خانہ، آرام باغ کراچی
ادارۃ الانور، علامہ بنوری ٹاؤن کراچی
مکتبہ رشیدیہ، سرکی روڈ کوئٹہ
کتب خانہ رشیدیہ، راجہ بازار راولپنڈی
مکتبہ العارفی، جامعہ امدادیہ ستیانہ روڈ فیصل آباد
مکتبہ رحمانیہ، اردو بازار لاہور
مکتبہ سید احمد شہید، اردو بازار لاہور
مکتبہ علمیہ، جی ٹی روڈ اکوڑہ خٹک ضلع نوشہرہ
وحیدی کتب خانہ، محلہ جنگی قصہ خوانی بازار پشاور

فہرست

انتساب

میں اپنی اس حقیر سے کاوش کو اپنی والدہ محترمہ کی طرف منسوب کرتا ہوں جنہیں خدا تعالیٰ نے چاند سے اس کا حسن، پھول کی پنکھڑی سے اس کی نزاکت، بلبل سے اس کی چہکار، پائل سے اس کی جھنکار، باغوں سے اس کی بہار، مور سے اس کی چال، قدرت سے اس کا پیار، ندیوں سے اس کا سکون، آبشاروں سے ان کا ترنم، فرشتوں سے اس کی محبت، ستاروں سے ان کی ٹھنڈک، چمن سے اس کی مہک، پہاڑوں سے ان کی سختی، سمندر سے اس کی وسعت، ہیرے سے اس کی چمک، قوس وقزح سے اس کا رنگ، موسموں سے ان کا تغیر، بارش سے اس کی نغمگی لے کر ان تمام چیزوں کو جب شفقت کے کھرل میں ڈال کر پیار و محبت کے دستے سے رگڑا جو مرکب حاصل ہوا، اس کو تخلیق کے مراحل سے گذارا یوں ماں کی تکمیل ہوئی۔

اور ان تمام اساتذہ کرام کے نام جن کی تعلیم وتربیت کی بدولت اللہ سبحانہ نے مجھے لکھنے کی توفیق عطا فرمائی۔

اور اپنے محسن بھائیوں کی طرف جنہوں نے زندگی کے ہر موڑ پر میری خصوصی معاونت فرمائی۔

والسلام

عرض مؤلف

اس قاعدہ کا کوئی بھی عقلمند انکار نہیں کرسکتا کہ زبان اور کلام کے سمجھنے کے لیے کچھ قاعدے اور ضابطے ہوتے ہیں اس کے بغیر وہ کلام سمجھا نہیں جا سکتا اور نہ ہی اس کا کوئی مفید مطلب نکل سکتا ہے۔ ایک بالکل سادہ سی مثال سمجھ لیجیے کہ ایک کے ہندسہ کے آگے ایک صفر لگا دینے سے دس اور دو لگانے سے سو (۱۰۰) اور اسی طرح کا عدد بڑھتا چلا ئے جائے گا (۱۰۰۰) لیکن اگر اس سے پہلے صفر لگا دیا جائے تو اس سے دس کا مفہوم اور معنی نہیں نکل سکتا (۰۰۰،۰۱) اس لیے کہ عدد بنانے والوں کے قانون کے خلاف ہے، اسی طرح ہر کلام اور بولی کے لیے قاعدے اور ضابطے ہیں جو اس زبان کا ادب گرائمر وغیرہ کہلاتے ہیں۔ یہی قاعدہ اور ضابطہ اللہ کے کلام کو سمجھنے کے لیے ہیں۔ آخر اللہ تعالیٰ کا کلام بندے کس طرح بلا کسی قاعدے اور ضابطے کے سمجھ سکتے ہیں۔ نصیحت اور وعظ کے لیے بلاشبہ قرآن مجید آسان ہے جیسا کہ فرمایا:

”وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ۝

(سورۃ القمر: ۱۷)

لیکن قرآنی آیات سے حکم نکالنا معارف اور نکات کا سمجھنا رموز اور فوائد مرتب کرنا اس کے لیے اس معیار کا سمجھنا ضروری ہے جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے اور جس کی تشریح جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمائی جن پر قرآن مجید نازل ہوا۔ اس کو قرآن مجید نے یوں ارشاد فرمایا:

''اَللّٰهُ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ وَالْمِیْزَانَ ط''

(سورۃ الشوریٰ:۱۷)

ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ ہی نے کتاب (قرآن مجید) اتارا اور اسی نے میزان بھی نازل فرمایا''۔

اس آیت کریمہ میں دو باتوں کو بیان فرمایا (۱) کتاب اللہ تعالیٰ ہی نے نازل فرمائی۔ (۲) جس طرح ہر کتاب کو سمجھنے کے لیے کچھ نہ کچھ قواعد وضوابط ہوتے ہیں۔

تاریخ کی کتاب کے لیے علیحدہ ضوابط، ریاضی، حساب کے لیے علیحدہ اور دوسرے مضامین کے لیے علیحدہ علیحد ضوابط اور علیحدہ علیحدہ اصطلاحات ہیں۔ حالانکہ ان اصطلاحات کا اگر لحاظ نہ رکھا گیا تو اس سے دین وایمان میں کوئی فرق نہیں آئے گا۔

مثلاً اگر آج یہ فارمولا بنایا جائے کہ بارہ انچ کا فٹ نہیں بلکہ دس انچ کا ہے اور جسے تم فٹ کہتے ہو اس کا نام آج سے انچ اور انچ کا نام آج سے فٹ ہے تو اس سے کوئی دینی اور ایمانی نقصان نہیں ہوگا۔ لیکن اگر خدانخواستہ آج یہ کہہ دیا جائے کہ لفظ ''ربوٰ'' سے مراد بیع اور لفظ ''زکوٰۃ'' سے مراد رشوت ہے تو بتائیں یہ بات کہاں تک پہنچ جائے گی اس لیے کتاب اللہ کو سمجھنے کے لیے جو قانون اور ضابطے ضروری ہے۔ وہ بھی اللہ تعالیٰ نے ہی نے نازل فرمائیں ہیں۔

چنانچہ قرآنی معارف اور مطالبہ کو سمجھنے کے لیے جن قواعد وضوابط کی ضرورت ہے علماء کرام نے خصوصی طور پر اس موضوع پر مستقل اور علیحدہ علیحدہ کتابیں لکھیں ان تمام کتابوں کے نام کتاب ھذا کے صفحہ ۲۷۔۲۸ پر ملاحظہ فرمائیں۔

یاد رہے کہ قرآن کریم کا سمجھنا ان قواعد پر موقوف نہیں ہے، البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ قرآن کریم کو بصیرت کے ساتھ سمجھنے کے لیے یہ قواعد نہایت معاون ومفید ہیں۔ یہ

تمام وہ قواعد ہیں جو سلف صالحین کی کتابوں سے مستخرج ہیں۔ ان میں بعض قواعد وہ بھی ہیں جن کو دورۂ تفسیر پڑھانے والے اہل علم حضرات تفسیر کے دوران نشان دہی کرواتے ہیں، ان میں بعض قواعد عام ہیں جو تفسیر، حدیث، فقہ دیگر علوم عربیہ سب کے لیے مفید ہیں لیکن اکثر قواعد کا تعلق فنِ تفسیر کے ساتھ ہے۔ قواعد کو حروف تہجی کے اعتبار سے جمع کیا تاکہ تلاش کرنے میں آسانی ہو۔

بندہ نے زیادہ تر استفادہ ان کتابوں سے کیا۔

تفسیر طبری، أضواء البیان فی إیضاح القرآن بالقرآن، التحریر و التنویر، روح المعانی، البرھان فی علوم القرآن، الإتقان فی علوم القرآن، الکلیات لأبی البقاء، بدائع الفوائد، قواعد الحسان لتفسیر القرآن، قواعد التفسیر، نشر العبیر فی منظومۃ قواعد التفسییر۔

اردو میں فن تفسیر سے متعلق درجنوں کتب ہونے کے باوجود تفسیر کے قواعد سے متعلق کوئی معتد بہ کتاب غالباً اب تک منظر عام پر نہیں آئی میری یہ خواہش تھی کہ اس موضوع پر تفصیلی کتاب ہونی چاہیے۔ زیر نظر تالیف اس سلسلہ کی ایک کڑی ہے ناچیز اپنی بے بضاعتی اور کم علمی کی وجہ سے اس اہم ترین موضوع سے متعلق جملہ قواعد کی مکمل تشریح کما حقہ کی نہ پہلے طاقت تھی اور نہ اب ہے۔

بندہ کی یہ دوسری تصنیف کاوش ہے اس سے پہلے تعوذ، تسمیہ اور سورۃ فاتحہ سے متعلق سو (۱۰۰) اہم عمدہ مباحث پر مشتمل معارف اُم القرآن لکھی اور اب سو (۱۰۰) اہم فقہی قواعد بمع ان کی تعریفات کے فقہی کتابوں سے یہ کام شروع کیا اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس کام کو اپنے خصوصی فضل و رحمت کے ساتھ پائے تکمیل تک پہنچائے۔

بندہ کے درس نظامی سے فراغت کے بعد چونکہ ابھی صرف ایک سال ہی کا عرصہ گذرا ہے۔ تصنیف و تالیف کے میدان کے لیے جس استعداد، فہم و فراست و تجربہ کی

ضرورت ہے بندہ اس سے نابلد ہے لیکن اپنی طرف سے اس بات کی مکمل کوشش رہی ہے کہ کوئی قاعدہ بغیر حوالہ کے نہ آئے ایک ایک قاعدے کی تلاش کے لیے سینکڑوں صفحات کی ورق گردانی پڑتی تب جا کر کوئی گوہر نایاب ہاتھ آتا۔

اہل علم بخوبی جانتے ہیں کہ ہر بات کو حوالہ کے ساتھ لکھنا یہ کتنا مشکل کام ہے کیونکہ بسا اوقات ایک حوالہ تلاش کرنے میں گھنٹوں گزر جاتے پھر جب مطلوبہ چیز میسر آتی تو خوشی کی انتہاء نہ رہتی۔ الحمد للہ پوری کتاب میں اس بات کا التزام کیا کہ کوئی بات بغیر حوالہ کے نہ آئے اگر مدارس میں طلبہ کو یہ قواعد زبانی یاد کروا کر امثلہ میں اجراء کروایا جائے تو یہ فہم تفسیر میں نہایت معاون ومفید ہوں گے۔

اپنی بساط کے مطابق بندہ نے اسے خوب سے خوب تر بنانے کی کوشش کی لیکن الانسان من النسیان کے پیش نظر اس بات کا بھی قوی امکان ہے کہ کئی قابل اصلاح امور رہ گئے ہوں۔

قارئین کرام سے گذارش ہے اگر کوئی بات قابل اصلاح نظر آئے تو اس کی نشاندہی فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

آخر میں مفتی عبدالحق عثمانی مدیر جامعہ انوار العلوم مہران ٹاؤن اور مفتی عبدالمتین صاحب کا نہایت ممنون ومشکور ہوں جنہوں نے میری اس کاوش میں بھرپور تعاون فرمایا۔

محمد نعمان احمد

فاضل جا العلوم الاسلامیۃ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

استاذ جامعہ انوار العلوم مہران ٹاؤن کورنگی

۲۲ ذوالحجہ ۱۴۳۳ھ

۰۳۳۲۲۵۵۷۶۷۵

مقدمہ

قاعدہ کا لغوی معنی:

قاعدہ لغت میں اساس اور بنیاد کو کہا جاتا ہے اور قاعدہ اس معنی میں قرآن کریم میں بھی استعمال ہوا ہے

''وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهِيْمُ الْقَوَاعِدَ اور فَأَتَى اللّٰهُ بُنْيَانَهُمْ مِنَ الْقَوَاعِدِ'' ہے۔

قاعدہ کی اصطلاحی تعریف:

علامہ سید شریف الجرجانی متوفی ۸۱۶ھ فرماتے ہیں:

''القاعدہ قضیة کلیة منطبقة علی جمیع جزئیاتها'' قاعدہ اس کلی اور جامع عبارت کا نام ہے جو اپنی تمام جزئیات کو محیط ہو۔

(ا یفات ص ۲۷ دارالکتب العلمیة)

تفسیر کی لغوی تعریف:

تفسیر کا لغوی معنی ہے واضح کرنا، روشن کرنا، کھولنا۔

علامہ عبدالعظیم زرقانی متوفی ۱۳۶۷ھ فرماتے ہیں:

''التفسیر فی اللغة الایضاح و التبیین''۔

(مناھل العرفان فی علوم القرآن ج ۲ ص ۴ دارالفکر)

اس کے ماخذ کے متعلق چند اقوال ہیں۔

(۱) یہ لفظ مشتق ہے ''فسر'' سے جس کا معنی ہے کشف و بیان۔

(۲) علامہ بدرالدین زرکشی متوفی ۷۹۴ھ فرماتے ہیں:

''کہ لفظ تفسیر مشتق ہے التفسرۃ سے یعنی طبیب کا پانی میں غور وفکر کرنا اور اس کے متعلق اپنی رائے قائم کرنا''۔

اما التفسير في اللغة فهو راجع إلى المعنى الإظهار و الكشف و أصله في اللغة من التفسرة و هي القليل من الماء الذي ينظر فيه الأطباء فكما أن الطبيب بالنظر فيه يكشف عن علة المريض فكذلك المفسر يكشف عن شأن الآية و قصصها۔

(البرہان فی علوم القرآن ج ر ۲ ص ر ۱۴۷ دارالمعرفۃ بیروت، الاتقان فی علوم القرآن ج ر ۴ ص ر ۲۶۰ دارالفکر)

(۳) یہ لفظ مشتق ہے ''سفرت المرأۃ'' سے یعنی عورت نے اپنا چہرہ نقاب سے باہر کیا۔

ان معانی ثلثہ کا حاصل کشف وایضاح ہے۔

تفسیر کی اصطلاحی تعریف:

هو علم يبحث فيه عن القرآن الكريم من حيث دلالته على مراد الله تعالى بقدر الطاقة البشرية۔ (مناہل العرفان فی علوم القرآن ج ر ۲ ص ر ۴ دارالفکر)

''علم تفسیر وہ علم ہے جس کے اندر مرادِ باری تعالیٰ کو جاننے کے لیے بقدرِ طاقت بشریہ قرآن عزیز کے احوال سے بحث کی جائے''۔

قواعد التفسیر کی تعریف:

هي الأحكام التي يتوصل بها إلى استنباط معاني القرآن العظيم و معرفة كيفية الإستفادة منها۔ (الخلاصۃ الجا لقواعد التفسیر النافعہ ج ر ۱ ص ر ۲)

قواعد التفسیر ان بنیادی اصولوں کو کہا جاتا ہے جن کے ذریعہ قرآن مجید کے معانی سمجھنے اور ان معانی سے استفادہ کی کیفیت کا علم ہو۔

موضوع:

اس علم کا موضوع ''قرآن مجید'' ہے۔

غرض وغایت:

مرادات قرآنیہ کو سمجھنا تاکہ عمل کر کے سعادت دارین حاصل کرسکیں۔

استمداد:

اس علم میں مندرجہ ذیل چیزوں سے مدد لی گئی ہے۔

(۱) قرآن مجید

(۲) سنۃ نبویہ (علی صاحبہا الصلوۃ والتحیۃ)

(۳) آثار صحابہ

(۴) اصولِ فقہ

(۵) لغت، بیان، نحو وصرف

(۶) کتبِ علوم القرآن اور مقدمات کتب تفسیر

شرف وفضیلت:

اس علم کی فضیلت کے کئی پہلو ہیں:

(۱) باعتبارِ موضوع (۲) باعتبارِ مقصود (۳) باعتبارِ ضرورت

باعتبار موضوع:

اس کا موضوع قرآن کریم ہے جو اشرف الکتب ہے تو وہ علم بھی اسی مقیاس پر اپنے دامن میں شرف وفضل سمیٹے ہوئے ہے۔

باعتبارِ مقصود:

ان قواعد سے مقصود مرادِ قرآنی کو سمجھ کر اس پر عمل کرنا ہے اور اس کی فضیلت و عظمت ظاہر ہے۔

باعتبارِ ضرورت:

ہر دینی و دنیوی کامیابی علوم شرعیہ سے وابستہ ہے اور علوم شرعیہ کا سرچشمہ قرآن ہے، پس اس اعتبار سے بھی ان قواعد کی اہمیت ظاہر ہے۔

(مناھل العرفان فی علوم القرآن ج ۲ ص ۷ دار الفکر)

بعض اہم مؤلفاتِ فن:

قواعد التفسیر کے فن میں علمائے امت نے بہت ہی اہم اور جامع کتابیں تحریر فرمائی ہیں جن میں سے چند اہم کتابیں یہ ہیں:

(۱) قواعد التفسیر:

(شیخ ابو عبداللہ محمد بن ابی القاسم حنبلی متوفی ۶۲۱ھ)

(۲) مقدمہ فی اصول التفسیر:

(شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ متوفی ۷۲۸ھ)

(۳) المنہج القویم فی قواعد تتعلق بالقرآن الکریم:

(علامہ شمس الدین ابن الصائغ حنفی متوفی ۷۷۷ھ)

(۴) البرھان فی علوم القرآن:

(علامہ بدر الدین زرکشی متوفی ۷۹۴ھ)

(۵) قواعد التفسیر:

(شیخ محمد بن ابراہیم المعروف ابن الوزیر الیمانی متوفی ۸۴۰ھ)

(۶)التیسیر فی قواعد علم التفسیر:

(علامہ محمد بن سلیمان الکافیجی متوفی ۸۷۹ھ)

(۷)الاتقان فی علوم القرآن:

(علامہ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ)

(۸)الکلیات:

(ایوب بن موسیٰ الحسینی المعروف ابوالبقاء متوفی ۱۰۹۴ھ)

(۹)قواعد التدبر الأمثل لکتاب اللہ عز وجل:

(علامہ عبدالرحمن میدانی)

(۱۰)الفوز الکبیر فی اصول التفسیر:

(احمد بن عبدالرحیم المعروف شاہ ولی اللہ دہلوی متوفی ۱۱۷۶ھ)

(۱۱)مناھل العرفان فی علوم القرآن:

(محمد بن عبدالعظیم الزرقانی متوفی ۱۳۶۷ھ)

(۱۲)القواعد الحسان فی التفسیر القرآن:

(شیخ عبدالرحمن بن ناصر السعدی متوفی ۱۳۷۶ھ)

(۱۳)فصول فی اصول التفسیر:

(علامہ مساعد بن سلیمان الطیار)

(۱۴)قواعد و فوائد لفقہ کتاب اللہ:

(علامہ عبداللہ بن محمد الجوعی)

(۱۵)اصول التفسیر و قواعدہ:

(علامہ خالد بن عبدالرحمن)

(۱۶) الاکسیر فی علم التفسیر:

(علامہ سلیمان بن عبدالقوی الصرصر البغدادی)

(۱۷) قواعد التفسیر:

(علامہ خالد بن عثمان ا   )

(۱۸) نشر العبیر فی منظومۃ قواعد التفسیر:

(علامہ ابوالفضل عمر بن مسعود)

چند فروق

قاعدہ اور ضابطہ کا فرق:

قاعدہ اور ضابطہ دونوں من وجہٍ متحد ہیں اور من وجہٍ مختلف ہیں۔ متحد بایں معنی کہ دونوں ایک عام قانون کلی کو کہا جاتا ہے جو اپنی جزئیات و افراد کو جامع ہوگئی ہے اور مختلف بایں معنی کہ قاعدہ مختلف ابواب کی جزئیات پر مشتمل ہوتا ہے اور ضابطہ کے تحت ایک ہی باب کی جزئیات پائی جاتی ہیں۔ علامہ ابن نجیم متوفی ۹۷۰ھ فرماتے ہیں:

''الفرق بین الضابط و القاعدۃ أن القاعدۃ تجمع فروعا من أبواب شتی، و الضابط یجمعھا من باب واحد، ھذا ھو الأصل''۔

(الاشباہ والنظائر ج ۱ ص ۱۶۶ دار الکتب العلمیۃ)

قواعد التفسیر اور علوم القرآن کا فرق:

دونوں کے درمیان فرق کل و جزو کا سا ہے۔ علوم القرآن ان تمام علوم کو کہا جاتا ہے جن کا کسی بھی نوع سے قرآن سے تعلق ہو اور قواعد التفسیر ان تمام علوم کا ایک جزو ہے کبھی کبھی مجازاً ''تسمیۃ الجزء باسم الکل'' کی قبیل سے قواعد التفسیر کو بھی علوم القرآن کہا جاتا ہے۔

قواعد التفسير جزءًا من أشرف و أهم العلوم القرآنية و النسبة بينهما في نسبة الجزء إلى الكل، هذا و قد تطلق قواعد التفسير على جملة القرآن، و هذا إما أن يكون من باب إطلاق الجزء على الكل۔

(نشر العبير فی منظومۃ قواعد التفسیر ج۱ ص۵۰)

تفسیر اور قواعد التفسیر کا فرق:

تفسیر کا حاصل ہے مرادِ قرآنی کو سمجھنا اور قواعد التفسیر وہ اصول کہلاتے ہیں جو مرادِ قرآنی کے سمجھنے میں معاون ومفید ثابت ہوں۔

قواعد التفسير هي ثوابت و موازين تضبط الفهم الكلام الله عز و جل، و تمنع المفسر من الخطأ في تفسيره۔

(نشر العبير فی منظومۃ قواعد التفسیر ج۱ ص۵۰)

تفسیر اور تاویل کا فرق:

قدیم زمانے میں ''تفسیر'' کے لیے ایک اور لفظ ''تاویل'' بھی بکثرت استعمال ہوتا تھا اور خود قرآن کریم نے بھی اپنی تفسیر کے لیے یہ لفظ استعمال فرمایا ہے:

''وما يعلم تاويله إلا الله'' اس لیے بعد کے علماء میں یہ بحث چھڑ گئی کہ آیا یہ دونوں لفظ بالکل ہم معنی ہیں یا ان میں کچھ فرق ہے؟

(۱) متقدمین کے ہاں یہ دونوں لفظ بالکل مترادف ہیں اور ان کے درمیان نسبت تساوی کی ہے۔

(۲) تفسیر اور تاویل کے درمیان نسبت عموم وخصوص مطلق کی ہے۔

(۳) ان کے درمیان نسبت تباین کی ہے تفسیر کہتے ہیں یقینی طور پر معلوم ہو کہ

یہی اللہ تعالیٰ کی مراد ہے۔

(۴) کسی لفظ کی وضاحت اگر روایت سے ہو تو تفسیر ہے اور اگر درایت سے ہو تو تاویل ہے۔

(۵) تفسیر ایک ایک لفظ کی انفرادی تشریح کا نام ہے اور تاویل جملے کی مجموعی تشریح کا نام ہے۔

(۶) تفسیر الفاظ کے ظاہری معنی بیان کرنے کو کہتے ہیں اور تاویل اصل مراد کی توضیح کو۔

(۷) تفسیر الفاظ کے مفہوم بیان کرنے کا نام ہے اور تاویل اس مفہوم سے نکلنے والے سبق اور نتائج کی توضیح کا نام ہے۔

علامہ عبد العظیم زرقانی متوفی ۱۳۶۷ھ فرماتے ہیں:

"أما التأويل في اصطلاح المفسرين فإنه يختلف معناه فبعضهم يرى أنه مرادف للتفسير و على هذا فالنسبة بينهما التساوى و يشيع هذا المعنى عند المتقدمين و منه قول مجاهد إن العلماء يعلمون تأويله يعني القرآن و قول ابن جرير في تفسيره القول في تأويل قوله تعالى: كذا و اختلف أهل التأويل في هذه الآية, و بعضهم يرى أن التفسير مباين للتاويل فالتفسير هو القطع بأن مراد الله كذا و التأويل ترجيح احد المحتملات بدون قطع و هذا هو القول الماتريدى أو التفسير بيان اللفظ عن طريق الرواية و التأويل بيان اللفظ عن طريق الدراية۔ (مناهل العرفان في علوم القرآن ج ۲ ص ۴ دار الفكر)

لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس معاملہ میں متقدمین ہی کی رائے درست معلوم ہوتی ہے کہ ان دونوں لفظوں میں استعمال کے لحاظ سے کوئی حقیقی فرق نہیں، جن حضرات نے فرق بیان کرنے کی کوشش کی ہے، ان کے شدید اختلاف و آرا پر غور کرنے سے یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ یہ کوئی معین اور اتفاقی اصطلاح نہیں بن سکی، اگر ان میں حقیقتاً فرق ہوتا تو ایسے شدید اختلاف کے کوئی معنی نہیں تھے، واقعہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بعض اہل علم نے "تفسیر"

اور ''تاویل'' کو الگ الگ اصطلاحات قرار دینے کی کوشش کی ہوگی، لیکن اس میں ایسا اختلاف رونما ہوا کہ کوئی بھی اصطلاح عالم گیر قبولیت حاصل نہ کر سکی، یہی وجہ ہے کہ قدیم زمانے سے لے کر آج تک کے مفسرین ان الفاظ کے ساتھ عموماً ہم معنی الفاظ کا سا معاملہ کرتے آئے ہیں اور ایک کو دوسرے کی جگہ بلا تکلف استعمال کیا جاتا رہا ہے۔

نزول القران وما یتعلق بہ

شانِ نزول:

نزول قرآن کی دو قسمیں ہیں۔(۱) سببی۔(۲) غیر سببی۔

سببی: اس سے مراد وہ نزول ہے جو کسی واقعہ یا سوال یا خاص ماحول کے سبب پیش آیا۔

غیر سببی: اس سے مراد وہ نزول ہے جو کسی سبب کے بغیر پیش آیا۔

شانِ نزول کی تعریف:

جس واقعہ یا سوال یا احوال و پس منظر کی وجہ سے آیت نازل ہوئی ہو، اس کو شانِ نزول یا سببِ نزول کہا جاتا ہے۔ مثلاً:

''وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ۚ وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ''۔ (سورۃ بقرۃ:۲۲۱)

ترجمہ: ''مشرک عورتوں سے نکاح نہ کرو جب تک وہ ایمان نہ لے آئیں اور بلاشبہ ایک مؤمن کنیز ایک مشرکہ سے بہتر ہے خواہ مشرکہ تمہیں پسند ہو۔''

یہ آیت ایک خاص واقعہ میں نازل ہوئی تھی زمانۂ جاہلیت میں حضرت مرثد بن ابی مرثد غنوی رضی اللہ عنہ کے عناق نامی ایک عورت سے تعلقات تھے، اسلام لانے کے

بعد یہ مدینہ طیبہ چلے آئے اور عورت مکہ مکرمہ میں رہ گئی۔ ایک مرتبہ کسی کام سے حضرت مرثد رضی اللہ عنہ مکہ مکرمہ تشریف لے گئے تو عناق نے انہیں گناہ کی دعوت دی، حضرت مرثد رضی اللہ عنہ نے صاف انکار کر کے فرمایا کہ اسلام میرے اور تمہارے درمیان حائل ہو چکا ہے، لیکن اگر تم چاہو تو میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت کے بعد تم سے نکاح کر سکتا ہوں۔ مدینہ منورہ تشریف لا کر حضرت مرثد رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح کی اجازت طلب کی اور اپنی پسندیدگی کا اظہار کیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور اس نے مشرک عورتوں سے نکاح کی ممانعت کردی۔

عن مقاتل بن حيان قال: نزلت في أبي مرثد الغنوي، استأذن النبي صلى الله عليه وسلم في عناق أن يتزوجها، وهي امرأة مسكينة من قريش، و كانت ذات حظ من جمال وهي مشركة وأبو مرثد مسلم، فقال يا نبي الله إنها لتعجبني، فانزل الله عزوجل ولا تنكحوا المشركات حتى يومن۔

(اسباب النزول للواحدی ج ۱ ص ۷۳ دار الاصلاح الدمام، معالم التنزیل للبغوی ج ۱ ص ۲۸۳ دار احیاء التراث العربی)

شانِ نزول کی اہمیت:

شانِ نزول کا جاننا قرآن مجید کی صحیح صحیح مراد تک پہنچنے کے لیے ایک انتہائی ضروری اور اہم امر ہے، علامہ ابن دقیق العید رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ معانیٔ قرآن کے سمجھنے میں ایک مضبوط ذریعہ شانِ نزول کی معرفت ہے۔

و قال ابن دقيق العيد بيان سبب النزول طريق قوي في فهم معاني القرآن۔ (الاتقان فی علوم ج ۱ ص ۵۹ قدیمی کتب خانہ)

شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ نے فرمایا کہ سببِ نزول کی معرفت آیات کے فہم

میں مددگار ہوتی ہے کیونکہ سبب سے مسبب کے علم میں سہولت ہونا امر ضروری ہے۔

وقال ابن تیمیة: معرفة سبب النزول یعین علی فهم الآیة، فإن العلم بالسبب یورث العلم بالمسبب۔ (الاتقان فی علوم ج۱/ص۵۹/ قدیمی کتب خانہ)

علامہ واحدی فرماتے ہیں کہ جب تک آیت کا سببِ نزول اور متعلق معلوم نہ ہو، اس وقت تک آیت کا مفہوم بیان کرنا ممکن نہیں۔

قال الواحدی: لایمکن معرفة التفسیر الآیة دون الوقوف علی قصتها و بیان سبب نزولها۔

(لباب النقول فی اسباب النزول ج۱/ص ۱۳ دار احیاء العلوم بیروت)

اقوال مذکورہ سے معلوم ہوا کہ ان لوگوں کا خیال درست نہیں جو یہ کہتے ہیں کہ قرآن بذات خود اتنا واضح ہے کہ اس کی تشریح کے لیے اسبابِ نزول جاننے کی ضروت نہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ قرآن کی تفسیر میں اسبابِ نزول کا علم ایک لازمی شرط کی حیثیت رکھتا ہے۔

شانِ نزول کے فوائد:

شانِ نزول کی معرفت کے بے شمار فوائد ہیں جن میں سے چند یہاں بیان کیے جاتے ہیں۔

(۱) اس سے احکام کی حکمتیں معلوم ہوتی ہیں اور یہ پتہ چلتا ہے کہ یہ حکم اللہ تعالیٰ نے کن حالات میں اور کیوں نازل فرمایا؟ مثلاً سورۂ نساء میں ارشاد ہے:

''یَاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُکٰرٰی''۔

''اے ایمان والو! تم نماز کے قریب ایسی حالت میں مت جاؤ کہ تم نشہ میں ہو''۔

اگر شانِ نزول کی روایات سامنے نہ ہوں تو قدرتی طور پر یہ سوال پیدا ہوسکتا ہے

کہ جب شراب از روئے قرآن بالکل حرام ہے تو کہنے کی ضرورت کیوں پیش آئی کہ نشے کی حالت میں نماز کے پاس نہ جاؤ، اس سوال کا جواب صرف شانِ نزول ہی سے مل سکتا ہے، چناں چہ اس کے سببِ نزول میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ شراب کے حرام ہونے سے پہلے حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے کچھ صحابہ رضی اللہ عنہم کو کھانے پر مدعو کیا، وہاں کھانے کے بعد شراب پی گئی اسی حالت میں نماز کا وقت آ گیا تو ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے امامت کی اور اس میں نشے کی وجہ سے قرآنی آیت کی تلاوت میں غلطی کر گئے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

"ان عبدالرحمن بن عوف صنع طعاما و شرابا، فدعا نفرا من أصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم فأکلوا وشربوا حتی ثمِلوا، فقدموا علیًا یصلی بھم المغرب، فقرا: قل یا ایھا الکافرون اعبد ما تعبدون، و أنتم عابدون ما اعبد [illegible] اللہ تبارک وتعالٰی ھذہ الآیة: لاتقربوا الصلوۃ وأنتم سکاری حتی تعلموا ماتقولون"۔

(تفسیر طبری ج ۸ ص ۶۰ [illegible] مؤسسة الرسالة، تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۲۷۸ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

(۲) بسا اوقات سببِ نزول کے بغیر آیت کا صحیح مفہوم ہی سمجھ میں نہیں آتا اور اگر سببِ نزول سامنے نہ ہو تو انسان آیت کا بالکل غلط مطلب سمجھ سکتا ہے یہ بات چند مثالوں سے واضح ہوگی۔

سورۂ بقرہ میں باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ"

(سورۃ بقرۃ: ۱۱۵)

"اور مشرق ومغرب اللہ ہی کی (مملوک) ہیں پس جدھر بھی تم رخ کرلو اُدھر ہی اللہ کا رُخ ہے۔"

اگر اس آیت کا شانِ نزول پیش نظر نہ ہو تو اس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ نماز

میں کسی خاص جہت کی طرف رخ کرنا ضروری نہیں مشرق و مغرب سب اللہ کی ملکیت میں ہیں اور وہ ہر سمت میں موجود ہے اس لیے جس طرف بھی رخ کرلیا جائے نماز ہوجائے گی، حالاں کہ یہ مفہوم بدیہی طور پر غلط ہے خود قرآن کریم نے دوسرے مقام پر کعبہ کی طرف رخ کرنے کو ضروری قرار دیا ہے۔

یہ عقدہ صرف شانِ نزول کو دیکھ کر ہی حل ہوتا ہے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب مسلمانوں کا قبلہ بیت المقدس سے کعبہ کی طرف تبدیل ہوا تو یہودیوں نے اعتراض کیا کہ اس تبدیلی کی کیا وجہ ہے؟ اس پر یہ آیت نازل ہوئی جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ہر سمت اللہ کی بنائی ہوئی ہے اور اللہ ہر طرف موجود ہے۔لہٰذا وہ جس طرف بھی رخ کرنے کا حکم دے دے ادھر رخ کرنا واجب ہے، اس میں قیاسات کو دخل دینے کی کوئی ضرورت نہیں۔

عن ابن عباس إن رسول اللہ لما هاجر إلى المدينة و كان أكثر أهلها اليهود أمر ان يستقبل بيت المقدس ففرحت اليهود فاستقبلها بضعة عشر شهراً و كان رسول اللہ يحب قبلة إبراهيم فلما صرفه الله تعالىٰ إليها ارتاب من ذلک اليهود و قالوا ما ولاهم عن قبلتهم اللتى كانوا عليها فانزل اللہ عز و جل فأينما تولوا فثم وجه الله۔

(العجاب فی بیان الاسباب ج/۱ص/۳۶۵ دار ابن الجوزی الدمام، لباب النقول فی اسباب النزول ج/۱ص/۱۷دار احیاء العلوم)

(۳) قرآن کریم بسا اوقات ایسے الفاظ استعمال فرماتا ہے جن کا شانِ نزول سے گہرا تعلق ہوتا ہے اور اگر ان کا صحیح پس منظر معلوم نہ ہو تو وہ الفاظ (معاذ اللہ) بے فائدہ اور بعض اوقات بے جوڑ معلوم ہونے لگتے ہیں، جس سے قرآن کریم کی فصاحت و بلاغت پر حرف آتا ہے۔مثلاً:

فَاِذَا قَضَیْتُمْ مَّنَاسِکَکُمْ فَاذْکُرُوا اللّٰہَ کَذِکْرِکُمْ اٰبَآءَکُمْ۔
(سورۃ بقرۃ:۲۰۰)

''پس جب تم افعالِ حج پورے کر چکو تو اللہ کو یاد کرو جیسے اپنے آباء کو یاد کرتے ہو''

اگر سببِ نزول سامنے نہ ہو تو اس آیت کا یہ حصہ کہ ''جیسے اپنے اباء کو یاد کرتے ہو'' بے جوڑ معلوم ہوتا ہے کیوں کہ یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ اس خاص مقام پر اللہ کی یاد کو آباء واجداد کی یاد سے تشبیہ دینے کا کیا مطلب ہے لیکن سببِ نزول سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے، بات یہ ہے کہ یہاں مزدلفہ کے وقوف کا ذکر ہورہا ہے اور مشرکینِ عرب کا معمول تھا کہ وہ ارکانِ حج سے فارغ ہونے کے بعد یہاں اپنے اپنے آباء واجداد کے مفاخر اور کارنامے بیان کیا کرتے تھے باری تعالیٰ نے فرمایا کہ اب یہاں باپ دادوں کی شیخیاں بگھارنے کی بجائے اللہ کا ذکر کیا کرو۔

کان القوم في جاهليتهم بعد فراغهم من حجهم و مناسكهم يجتمعون فيتفاخرون بمآثر آبائهم، فأمرهم الله في الإسلام ان يكون ذكرهم بالثناء و الشكر و التعظيم۔ (تفسیر طبری ج ر ۴ ص ر ۱۹۶ مؤسسۃ الرسالۃ)

(۴) بسا اوقات شانِ نزول کی وجہ سے قرآن کے مختصر ذکر کردہ واقعہ کی پوری تفصیل سامنے آجاتی ہے جس کے سبب آیت کی پوری مراد سمجھ میں آجاتی ہے۔ مثلاً:

''وَمَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی''۔ (سورۃ انفال:۱۷)

''اور جس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (خاک کی مٹھی) پھینکی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں پھینکی بل کہ اللہ نے پھینکی''۔

دراصل اس آیت میں غزوۂ بدر کے اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار کے نرغے کے وقت خاک کی ایک مٹھی ان کی طرف پھینکی تھی اور

اس کے بعد نرغہ ٹوٹ گیا تھا لیکن غور فرمائیے کہ اگر یہ سببِ نزول ذہن میں نہ ہوتو آیت کا مطلب کیسے سمجھا جا سکتا ہے۔

لما دنا القوم بعضهم من بعض، أخذ رسول الله صلى الله عليه وسلم قبضة من تراب، فرمى بها في وجوه القوم، وقال: "شاهت الوجوه"

"فدخلت في أعينهم كلهم، وأقبل اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم يقتلونهم ويأسرونهم، وكانت هزيمتهم في رمية رسول الله صلى الله عليه وسلم فانزل الله وما رميت اذ رميت ولكن الله رمى"۔

(تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۲۸۶ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

(۵) دفع توہم حصر یعنی کسی مضمون میں بظاہر حصر کا مفہوم نظر آتا ہے مگر حصر نہیں ہوتا اور یہ راز شانِ نزول کی معرفت سے ہی کھلتا ہے۔ مثلاً:

"قُلْ لَّآ اَجِدُ فِیْ مَآ اُوْحِیَ اِلَیَّ مُحَرَّمًا"۔ (سورۃ الانعام: ۱۴۵)

آپ کہہ دیجیے کہ جو کچھ احکام بذریعۂ وحی میرے پاس آئے ہیں ان میں تو میں حرام غذا نہیں پاتا۔

اس میں بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ حرام صرف وہی چیزیں ہیں، جن کو کفار نے حلال بنا رکھا ہے اور حلال صرف وہی اشیاء ہیں جن کو کفار نے حرام سمجھ لیا ہے، لیکن آیت کی یہ مراد نہیں ہے، بلکہ آیت کی مراد یہ ہے کہ جس وقت کفار نے خدا کی حلال بنائی ہوئی چیزوں کو حرام اور اس کی حرام کی ہوئی چیزوں کو حلال قرار دیا، اور وہ لوگ خواہ مخواہ ضد کی وجہ سے ایسا کرتے تھے، تو اس وقت یہ آیت ان کی غرض کی مناقضت کرنے کے لیے نازل کی گئی گویا کہ خداوند کریم نے فرمایا کہ جس چیز کو تم (مشرکین) نے حرام قرار دیا ہے، اس کے سوا کوئی حلال چیز اور جس چیز کو تم نے حلال قرار دیا ہے، اس کے ماسوا کوئی حرام شئ نہیں ہے، جیسے دو

مخالف شخصوں میں سے ایک شخص یہ کہے کہ میں آج میٹھا نہ کھاؤں گا اور دوسرا ضد پر آ کر کہہ اٹھے کہ میں تو آج میٹھا ہی کھاؤں گا، اسی طرح باری تعالیٰ کے اس قول سے ضد کے مقابلہ میں ضد کرنا مقصود ہے نہ یہ کہ درحقیقت نفی و اثبات مطلوب ہے، اس لیے گویا پروردگار عالم نے فرمایا کہ جن چیزوں (مردار، خون، سور کے گوشت اور غیر خدا کے نام پر ذبح کیے ہوئے جانوروں سے) کو تم نے حلال قرار دیا ہے، ان کے سوا کوئی چیز حرام ہی نہیں اور اس بات سے ان چیزوں کے ماسوا کا حلال ہونا مراد نہیں لیا، کیوں کہ یہاں تو محض حرمت ثابت کرنے کا قصد تھا نہ کہ حلت کا ثابت کرنا۔

إن الكفار لما حرموا ما أحل الله وأحلّوا ما حرّم الله و كانوا على المضادة والمحادّة فجاءت الآية مناقضة لغرضهم، فكأنه قال: لا حلال إلا ما حرّمتموه، و لا حرام إلا ما أحللتموه نازلا منزلة من يقول لا تأكل اليوم حلاوة، فتقول إلا اكل اليوم إلا الحلاوة، والغرض المضادة لا النفي و الإثبات على الحقيقة فكانه تعالىٰ قال: لا حرام إلا ما أحللتموه من الميتة و الدم و لحم الخنزير و ما أهل لغير الله به، و لم يقصد حلّ ما وراءه اذ القصد إثبات التحريم لا إثبات الحل۔

(البرهان فی علوم القرآن ج/۱ص/۲۳ دار احیاء الکتب العربیۃ، الاتقان فی علوم القرآن ج/۱ص/۶۰ قدیمی کتب خانہ)

اسبابِ نزول اور شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ:

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب ''الفوز الکبیر'' میں اسباب نزول پر جو محققانہ بحث کی ہے، بعض لوگ اسے پوری طرح سمجھ نہیں سکے، اس لیے انہوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے تفسیر میں اسبابِ نزول کو اہمیت نہیں دی، یا اس کی اہمیت کو کم کر دیا ہے، لیکن

درحقیقت یہ خیال حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کا مطلب نہ سمجھنے کا نتیجہ ہے، حقیقت یہ ہے کہ جمہورِ امت کی طرح وہ بھی اسباب نزول کے علم کو تفسیر کے لیے لازمی شرط قرار دیتے ہیں، لیکن انہوں نے جو بات لکھی ہے وہ یہ ہے:

”ويذكر المحدثون في ذيل آيات القرآن كثيراً من الأشياء ليست من قسم سبب النزول في الحقيقة مثل إستشهاد الصحابة في مناظراتهم بآية أو تلاوته صلى الله عليه وسلم آية للإستشهاد في كلامه الشريف أو رواية حديث وافق الآية في اصل الغرض أو تعيين موضع النزول أو تعيين أسماء المذكورين بطريق الإيهام أو بطريق التلفظ بكلمة قرانية أو فضل سور و آيات من القرآن أو صورة امتثاله صلى الله عليه وسلم يامر من أو امر القرآن و نحو ذلك وليس شئى من هذا في الحقيقة من أسباب النزول“۔

(الفوز الكبير في اصول التفسير ص ر ۶۱ المصباح اردو بازار لاہور)

اس کا خلاصہ یہ ہے کہ تفسیر کی کتابوں میں ایک ایک آیت کے تحت بعض اوقات دسیوں روایات لکھی ہوتی ہیں، یہ تمام روایات اسبابِ نزول سے متعلق نہیں ہوتیں بلکہ اس میں مندرجہ ذیل اشیاء شامل ہوجاتی ہیں:

(۱) بعض مرتبہ کسی علمی مباحثہ میں کسی صحابی نے وہ آیت بطور دلیل پیش کردی، پھر مفسرین یہ واقعہ یعنی مباحثہ اس آیت کے تحت ادنیٰ مناسبت سے ذکر کردیتے ہیں۔

(۲) بعض مرتبہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی موقعہ پر اس آیت سے استشہاد فرمایا مفسرین اسے بھی آیت کے تحت نقل کردیتے ہیں۔

(۳) جو بات کسی آیت میں بیان کی گئی ہے، بعض مرتبہ وہی بات کسی حدیث میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائی، تفسیر کی کتابوں میں وہ حدیث بھی اس آیت

کے تحت روایت کردی جاتی ہے۔

(۴) بعض مرتبہ مفسرین کوئی روایت محض یہ بتانے کے لیے نقل کرتے ہیں کہ آیت کس مقام پر نازل ہوئی، یہ روایت بھی تفسیر کے ذیل میں درج ہوجاتی ہے۔

(۵) بعض دفعہ قرآن کریم کچھ لوگوں کا ذکر مبہم طور پر فرماتا ہے اور ان کا نام ذکر نہیں کرتا، مفسرین روایتوں کے ذریعے ان لوگوں کے نام متعین کردیتے ہیں۔

(۶) بعض مرتبہ کسی روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم کے فلاں لفظ کا صحیح تلفظ کیا ہے؟ تفسیر کی کتابوں میں ایسی روایات بھی درج ہوتی ہیں۔

(۷) بعض احادیث اور آیات میں قرآن کریم کی مختلف سورتوں یا آیتوں کے فضائل بیان ہوئے ہیں مفسرین ان روایات کو بھی متعلقہ مقامات پر نقل کردیتے ہیں۔

(۸) بعض مقامات پر ایسی احادیث تفسیر کے ذیل میں منقول ہیں جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کے اس حکم پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کس طرح عمل فرمایا۔ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس قسم کی روایات نہ سببِ نزول کی تعریف میں داخل ہیں، اور نہ مفسر کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ اس قسم کی تمام روایات سے پوری طرح واقف ہو۔

البتہ جو روایات واقعتاً آیت کا سببِ نزول ہیں، ان کا جاننا مفسر کے لیے نہایت ضروری ہے، اور اس کے بغیر علم تفسیر میں دخل دینا جائز نہیں، چناں چہ خود حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ آگے لکھتے ہیں:

"وَ اِنَّمَا شَرْطُ المفسر أمران: الأول ما تعرض به الآيات من القصص فلا يتيسر فهم الإيماء بتلك الآيات الا بمعرفة تلك القصص، و الثاني ما يخصص العام من القصة أو مثل ذلك من وجوه صرف الكلام عن الظاهر فلا يتيسر فهم المقصود من الآيات بدونها"۔

(الفوز الکبیر فی اصول التفسیر ص ر ۶۲ المصباح اردو بازار لاہور)

''البتہ مفسر کے لیے دو باتوں کا جاننا لازمی شرط کی حیثیت رکھتا ہے۔(۱) ایک تو وہ واقعات جن کی طرف آیات میں اشارہ پایا جاتا ہے اور جب تک وہ قصے معلوم نہ ہوں آیات کے اشاروں کو سمجھنا آسان نہیں دوسرے کسی قصے وغیرہ میں بعض اوقات الفاظ عام ہوتے ہیں لیکن شانِ نزول سے اس میں تخصیص پیدا ہوتی ہے، یا کلام کا ظاہری مفہوم کچھ ہوتا ہے اور سببِ نزول کوئی دوسرا مفہوم متعین کرتا ہے، اس جیسی روایات کا علم حاصل کیے بغیر آیاتِ قرآنی کا سمجھنا مشکل ہے۔ (علوم القرآن ص ر۷۹ سے ۸۲ تک مکتبہ دار العلوم کراچی)

قاعدہ نمبر (۱)

اَلْأَصْلُ عَدَمُ تَکَرُّرِ النُّزُوْلِ۔

(فتح الباری شرح صحیح البخاری ج ر۸ ص ۵۰۸ دار المعرفۃ بیروت)

حاصل قاعدہ:

اصل یہ ہے کہ نزول مکرر نہ ہو۔

تشریح:

یعنی اصل یہ ہے کہ کسی آیت کا نزول ایک مرتبہ ہو مگر اس اصل سے کبھی عدول بھی کرنا پڑتا ہے۔مثلاً کسی آیت کے متعلق مختلف شانِ نزول (واقعات) منقول ہوں اور سب صحیح السند، صریح المتن ہوں، لیکن ان کے درمیان زمانہ کے اعتبار سے اتنا بعد ہو (یعنی دونوں واقعات کے درمیان کا وقفہ اتنا طویل ہو) کہ آیت کے نزول کو تکرار پر محمول کرنے کے سوا کوئی چارۂ کار نہ ہو تو کہا جائے گا یہ آیت سابقہ حکم کی تاکید وتذکیر کے لیے دوبارہ نازل ہوئی ہے۔

اور یہ کوئی قابلِ تعجب امر نہیں اس لیے کہ امت کا اجماعی عقیدہ ہے کہ قرآن مجید ایک سے زائد قراءات کے ساتھ نازل ہوا ہے، مکہ مکرمہ میں قرآن صرف قریش کی لغت

کے مطابق نازل ہوا تھا مدینہ منورہ میں دیگر قراءات کا نزول ہوا اس لحاظ سے تمام اختلافی قراءات کا نزول مکرر ہوا ہے۔

صورت مذکورہ جہاں پیش آئے یعنی جس آیت کے متعلق متعدد مختلف روایات و واقعات ہوں تو ایسے مواقع پر اب دو صورتیں ممکن ہیں۔

(۱) تطبیق۔ (۲) ترجیح۔

تطبیق کی صورت یہ ہوگی کہ دونوں واقعہ سے اس آیت کو متعلق قرار دیا جائے، اور آیت کے نزول کو مکرر مانا جائے اور ترجیح کا حاصل یہ ہوگا کہ ایک واقعہ کو کسی مرجح کی بناء پر شانِ نزول بنایا جائے اور دوسرے واقعہ کو اس سے غیر متعلق قرار دیا جائے اب ایسی صورت میں تطبیق (تکرار نزول پر محمول کرنا) ترجیح بین الروایات سے اولیٰ ہے، کیونکہ ترجیح کی صورت میں دیگر روایات کا ترک لازم آتا ہے اور تکرار پر محمول کرنے سے تمام روایات معمول بہا بن جاتی ہیں، کسی روایت کا ترک نہیں ہوتا "**إعمال الكلام اولى من إهماله متى امكن فان لم يمكن أهمل**"۔ (الاشباہ والنظائر لابن نجیم ج ۱ ص ۱۳۵ دار الکتب العلمیۃ)

تطبیق مثال:

الٓمّٓ ﴿۱﴾ غُلِبَتِ الرُّوْمُ ﴿۲﴾ فِيْٓ اَدْنَى الْاَرْضِ وَ هُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ ﴿۳﴾ فِيْ بِضْعِ سِنِيْنَ ۬ لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَ مِنْۢ بَعْدُ ؕ وَ يَوْمَئِذٍ يَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۴﴾ (سورۃ الروم: ۱۔۴)

ترجمہ: "الم، اہل روم ایک قریب کے موقع میں مغلوب ہو گئے، اور وہ اپنے مغلوب ہونے کے بعد عنقریب تین سال سے لے کر نو سال تک کے اندر اندر غالب آ جاویں گے، پہلے بھی اختیار اللہ ہی کو تھا اور بعد میں بھی اور اس روز مسلمان اللہ تعالیٰ کی اس امداد پر خوش ہوں گے"۔

اس کے شان نزول کے سلسلے میں دو مختلف روایتیں منقول ہیں اور دونوں روایتوں

کی تخریج امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کی ہے پہلی روایت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ بدر کے دن روم، فارس پر غالب آئے۔ روم اہل کتاب تھے اور فارس مجوسی تھے اس لیے مسلمانوں کورومیوں کی فتح پر خوشی ہوئی، اس وقت یہ آیتیں نازل ہوئیں:

”عن ابی سعید قال لما کان یوم ظهرت الروم علی فارس فأعجب ذلک المؤمنین فنزلت الم غلبت الروم إلی قوله یفرح المؤمنون بنصر الله قال ففرح المؤمنین بظهور الروم علی فارس“۔

(سنن ترمذی ج ۲ ص ۱۲۴ مکتبہ رحمانیہ لاہور)

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ آیات مدنی ہیں ہجرت کے بعد نازل ہوئی ہیں۔

مگر دوسری روایت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت مکی ہے، کیونکہ اس میں روم اور فارس کے مقابلے کے پس منظر میں حضرت ابوبکر اور مشرکین کے درمیان معاہدہ کا ایک مشہور واقعہ مذکور ہے اور ظاہر ہے کہ مشرکین کے ساتھ یہ معاملہ مکہ میں ہی ہوا تھا، جس کا حاصل یہ نکلتا ہے کہ یہ آیات قبل الہجرۃ مکہ میں نازل ہوئی ہیں اور یہ دونوں روایتیں سند کے اعتبار سے بھی صحیح ہیں متن بھی دونوں کا واضح اور صریح ہے، پس لامحالہ یہ کہنا ہوگا ان آیات کا نزول دومرتبہ ہوا ہے۔

عن ابن عباس فی قوله تعالیٰ الم غلبت الروم فی ادنی الارض قال غلبت و غلبت قال کان المشرکون یحبون أن یظهر أهل فارس علی الروم لأنهم و ایاهم اهل الاوثان المسلمون یحبون أن یظهر الروم علی فارس لأنهم أهل کتاب فذکره أبوبکر لرسول الله فقال أما إنهم سیغلبون فذکره أبوبکر لهم فقالوا اجعل بیننا و بینک أجلا فان ظهرنا کان لنا کذا و کذا و إن ظهرتم کان لکم کذا و کذا فجعل أجل خمس سنین فلم یظهروا فذکروا

ذلک النبی فقال ألاّ جعلته إلی دون قال أراه العشر قال سعید و البضع ما دون العشر۔ (سنن ترمذی ج ۲ ص ۱۲۴ مکتبہ رحمانیہ لاہور)

قاعدہ نمبر (۲)

اَلْاَمْرُ الْوَارِدُ بَعْدَ الْحَظْرِ یَعُوْدُ حُکْمُہٗ اِلیٰ حُکْمِہٖ قَبْلَ الْحَظْرِ۔

حاصل قاعدہ:

امر بعد المنع کا حکم امر قبل المنع کے مطابق ہوتا ہے۔

علامہ ابوحیان اندلسی متوفی ۷۴۵ھ نے اس قاعدے کو استعمال کیا ہے:

"و الأمر بالاصطیاد ھنا أمر إباحة بالإجماع، و لهذا قال الزمخشری: و إذا حللتم فلا جناح علیکم أن تصطادوا انتھی۔ و لما کان الاصطیاد مباحًا، و إنما منع منه الإحرام، و إذا ازال المانع عاد إلی اصله من الإباحة"۔

(تفسیر البحر المحیط ج ۳ ص ۴۳۶ دار الکتب العلمیة)

تشریح:

یہ بات معلوم ہو چکی ہے کہ امر اصلاً وجوب کے لیے آتا ہے، مگر قرینہ کی بناء پر دوسرے معنی پر بھی محمول ہو جاتا ہے اسی قرینہ کی قبیل سے یہ ایک جزئی قاعدہ ہے کہ ایک عمل پہلے مشروع تھا پھر کسی وجہ سے اس کی ممانعت وارد ہو گئی اور دوبارہ پھر اس کا حکم آیا تو یہ حکم کس درجہ میں ہوگا، واجب یا مباح؟ قاعدۂ مذکورہ سے معلوم ہوا کہ ممانعت سے قبل اس کی جو حیثیت تھی وہی حیثیت ممانعت کے بعد بھی قائم رہے گی۔

مثال: وَ اِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا۔ (سورۃ مائدہ: ۲)

ترجمہ: "اور جب احرام سے نکل جاؤ تو شکار کرو"۔

شکار کا یہ حکم اباحت کے لیے ہے کیونکہ احرام سے پہلے شکار صرف مباح تھا

واجب نہیں تھا جو احرام کی وجہ سے حرام کر دیا گیا تھا، پھر احرام کے بعد حلال کر دیا گیا تو پہلی حالت کی طرح مباح ہی ہوگا نہ کہ واجب۔

(۲) فَإِذَا انْسَلَخَ الْأَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوهُمْ وَ خُذُوهُمْ وَ احْصُرُوهُمْ وَ اقْعُدُوا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ ۚ فَإِنْ تَابُوا وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوا سَبِيْلَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۵﴾ (سورۃ توبہ:۵)

ترجمہ: ''جب اشہر حرم ختم ہو جائیں تو پھر مشرکین کو قتل کرو''۔

قتل مشرکین کا یہ حکم وجوب کے لیے ہے کیونکہ کہ اشہر حرم سے پہلے یہ حکم واجب تھا جو اشہر حرم کی عظمت کی وجہ سے ممنوع کر دیا گیا تھا پھر واپس اس حکم آیا تو پچھلے حکم کی طرح یہ بھی وجوب کے لیے ہی ہوگا۔

قاعدہ نمبر (۳)

اِذَا اتَّحَدَ الشَّرْطُ وَ الْجَزَاءُ لَفْظًا دَلَّ عَلَى الْفَخَامَةِ۔

(فتح الباری بشرح صحیح البخاری ج ر ۳ ص ر ۲۴۳ دار المعرفۃ، عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری ج ر ۸ ص ر ۲۰۹ دار احیاء التراث العربی، شرح الزرقانی ج ر ۲ ص ر ۱۱۴ دار الکتب العلمیۃ، شرح السیوطی سنن النسائی ج ر ۴ ص ر ۱۰۷ المطبوعات الاسلامیۃ حلب)

حاصل قاعدہ:

جب شرط و جزاء لفظاً متحد ہوں تو عظمتِ شان پر دال ہوتے ہیں۔

مثال: اَلْحَآقَّةُ ﴿۱﴾ مَا الْحَآقَّةُ ﴿۲﴾ (سورۃ الحاقۃ:۱،۲)

ترجمہ: ''وہ ہونے والی چیز کیسی کچھ ہے وہ ہونے والی چیز''۔

تشریح:

شرط وجزاء سے عام ومشہور معنی مراد نہیں ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ ایک کلمہ کے بعد دوسرا کلمہ ایسا وارد ہو جس کا تعلق پہلے کلمے کے ساتھ جواب جیسا ہو۔

دیگر امثلہ

(۱) اَلْقَارِعَةُ ۝ مَا الْقَارِعَةُ ۝ (سورۃ القارعۃ: ۱، ۲)

ترجمہ: ''وہ کھڑکھڑانے والی چیز کیسی ہے وہ کھڑکھڑانے والی چیز''۔

(۲) فَاَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ۙ مَآ اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ۝ وَ اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ ۙ مَآ اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ ۝ (سورۃ الواقعۃ: ۸، ۹)

ترجمہ: ''جو داہنے والے ہیں کیسے اچھے ہیں اور جو بائیں والے ہیں وہ بائیں والے کیسے برے ہیں''۔

(۳) اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ ۝ وَمَآ اَدْرٰكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ ۝ (سورۃ القدر: ۱، ۲)

ترجمہ: ''بیشک ہم نے قرآن کو شب قدر میں اتارا ہے اور آپ کو کچھ معلوم ہے کہ شب قدر کیسی چیز ہے''۔

قاعدہ نمبر (۴)

إِذَا تَعَدَّدَتِ الْمَرْوِيَّاتُ فِيْ سَبَبِ النُّزُوْلِ نُظِرَ إِلَى الثُّبُوْتِ، فَاقْتُصِرَ عَلَى الصَّحِيْحِ ثُمَّ الْعِبَارَةِ فَاقْتُصِرَ عَلَى الصَّرِيْحِ، فَإِنْ تَقَارَبَ الزَّمَانُ حُمِلَ عَلَى الْجَمِيْعِ، وَإِنْ تَبَاعَدَ حُكِمَ بِتَكْرَارِ النُّزُوْلِ أَوِ التَّرْجِيْحِ۔

(ماخوذ من الاتقان فی علوم القرآن ج ۱ ص ۶۴ سے ۶۹ تک قدیمی کتب خانہ)

حاصل قاعدہ:

اگر کسی آیت کے شان نزول کی بابت کئی ایک روایتیں منقول ہوں تو اولاً سند پر نظر کی جاوے گی جو واقعہ سند صحیح کے ساتھ منقول ہو اسے شانِ نزول قرار دیا جائے گا، بعدہٗ متن کو دیکھا جائے گا جس روایت میں سبب نزول ہونے کی صراحت ہوگی اُسی کو سبب نزول قرار دیا جائے گا اگر تمام واقعات کا زمانۂ وقوع قریب قریب ہو تو سب کو شانِ نزول قرار دیا جائے گا اور اگر ان میں طویل وقفہ ہو تو یا تو تکرار نزول پر محمول کیا جائے گا یا ترجیح پر۔

توضیح قاعدہ:

جس آیت کی تفسیر کے متعلق متعدد اسباب نزول منقول ہوں، اس میں مندرجہ ذیل امور کا لحاظ کیا جائے گا۔

(۱) سند کے اعتبار سے جو روایت صحیح ہو اور پایۂ ثبوت کو پہنچ جائے اس کو لیا جائے گا، دیگر روایات کو ترک کر دیا جائے گا۔

(۲) صحیح الاسناد روایات میں جس روایت کی عبارت میں سبب نزول ہونے کی صراحت ہو، اس کو سبب نزول قرار دیں گے دیگر روایات متروک ہوں گی۔

(۳) اور اگر کسی ایک روایت میں بھی سبب نزول ہونے کی صراحت نہ ہو تو سب کو تفسیر آیت کی قبیل سے شمار کیا جائے گا سبب نزول نہ مانا جائے گا۔

(۴) اگر تمام روایتیں صحیح الاسناد ہوں اور سب میں سبب نزول ہونے کی صراحت ہے تو ان سب کا زمانۂ وقوع دیکھا جائے اگر تمام وقائع متقارب الوقوع ہیں تو سب کو شانِ نزول قرار دیا جائے گا۔

(۵) اگر ان سب واقعات کے زمانۂ وقوع میں طویل وقفہ ہے تو تکرار نزول کا قول کیا جائے گا اور بقول بعض علما ترجیح کی راہ اختیار کی جائے گی اور ان کے یہاں درجہ

ذیل امور کو وجوہ ترجیح قرار دیا جاسکتا ہے۔

شاہد قصہ ہونا: یعنی روایات میں کوئی روایت ایسی ہے جس کا راوی واقعہ کے وقت حاضر رہا ہو تو اس روایت کو ترجیح ہوگی یعنی اسے ہی شانِ نزول شمار کیا جائے گا۔

روای کا مباشر واقعہ ہونا: یعنی روایات میں کوئی روایت ایسی ہے جس کا راوی خود مبتلائے واقعہ تھا ظاہری بات ہے وہ صورت حال سے سب سے زیادہ آگاہ ہوگا پس اس کی روایت راجح ہوگی، اس کے علاوہ اور بھی وجوہ ترجیح ہیں۔

ان دونوں صورتوں (تکرار نزول اور ترجیح روایات) میں پہلا طریقہ اولیٰ ہے کیوں اس میں تمام روایتوں کا اعمال ہے''والاعمال أولیٰ من الاھمال''۔

تطبیق امثلہ

مثال بر جزء اول:

(ایک روایت صحیح الاسناد ہو اور دیگر روایتیں غیر صحیح الاسناد ہوں)

وَالضُّحٰی وَالَّیلِ إِذَا سَجٰی مَا وَدَّعَکَ رَبُّکَ وَمَا قَلٰی

(سورۃ الضحیٰ: ۱ تا ۳)

اس آیت کے متعلق روایات میں متعدد اسباب نزول مذکور ہیں:

(الف) پہلا سبب نزول وہ واقعہ ہے جو صحیحین کی روایت میں وارد ہے۔

عن جندب بن سفیان رضي اللہ تعالیٰ عنه: اشتکی رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم فلم یقم لیلتین أو ثلاثا فجاءت امرآة فقالت: یا محمد! إني لأرجو أن یکون شیطانک قد ترکک لم أره قربک منذ لیلتین أو ثلاثا۔ فأنزل اللہ عز وجل والضحی واللیل اذا سجی ما ودعک رب وما قلیٰ۔

(صحیح بخاری ج/۲ ص/۷۴۸ قدیمی کتب خانہ، صحیح مسلم ج/۱ ص/۱۰۹ قدیمی کتب خانہ)

حضرت جندب بن سفیان رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہوئے جس کی بناء پر دو یا تین رات تہجد کے لیے بیدار نہ ہو سکے، ایک عورت آئی اور آ کر کہا، اے محمد! مجھے تو لگتا ہے کہ تیرے شیطان نے تجھے چھوڑ دیا ہے دو تین راتوں سے تیرے قریب نہیں آیا اس وقت یہ آیات نازل ہوئیں۔

یہ روایت صحیح السند ہے نیز اس میں فانزل اللہ تعالیٰ کے ذریعہ سبب نزول ہونے کی صراحت ہے، اس کے علاوہ دیگر روایات بھی ہیں مگر وہ سنداً صحیح نہیں ہیں نیز ان عبارات میں شانِ نزول ہونے کی صراحت بھی نہیں ہے۔

(ب): دوسرا سبب نزول اس سلسلے میں کتیا کے بچہ کا آپ کی چارپائی کے نیچے پڑے رہنے کا مشہور واقعہ ذکر کیا جاتا ہے۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ اس کے بارے میں فرماتے ہیں:

"وجدت الآن في الطبراني باسناد فيه من لا يعرف أن سبب نزولها، وجود جرو كلب تحت سريره صلى الله عليه وسلم ولم يشعر منه، فأبطأ عنه جبريل لذلک، و قصة إبطاء جبريل بسبب كون الكلب تحت سريره مشهورة، لكن كونها سبب نزول هذه الآية غريب بل شاذ مردود بما في الصحيح والله اعلم"۔

(فتح الباری شرح صحیح البخاری ج/۸ ص/۷۱۰ دار المعرفۃ)

ترجمہ: "طبرانی میں غیر معروف رواۃ کے حوالہ سے منقول ہے کہ ان آیات کا سبب نزول یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی چارپائی مبارک کے نیچے کتیا کا بچہ تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا علم نہ تھا، جبرئیل علیہ السلام اس کی وجہ سے تاخیر سے وحی لے کر آئے۔ یہ قصہ مشہور ہے۔

مگر اس کا شان نزول ہونا غریب ہے بلکہ صحیح روایات کی روشنی میں شاذ اور مردود

ہے، واللہ اعلم۔

(ج): تیسرا سبب نزول یہ بیان کیا گیا ہے۔

لما نزل علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم القرآن ابطأ عنہ جبریل أیاماً، فذلک، فقالوا ودعہ ربہ وقلاہ۔

(تفسیر طبری ج ۲۴ ص ۴۸۶ موسسۃ الرسالۃ)

ترجمہ: ''آپ علیہ ا ۃ والسلام پر جب وحی نازل ہوئی تو ابتداء زمانہ میں جبرئیل کئی دونوں تک نہیں آئے آپ علیہ ا ۃ السلام پر شاق گذرا اور مشرکین نے یوں کہنا شروع کیا اس کے رب نے اسے چھوڑ دیا ہے اور غضب ناک ہوا ہے۔''

آپ علیہ السلام پر بہت گرانی ہوئی یہاں تک کہ آپ یوں کہنے لگے:

''لقد خشیت أن یکون صاحبي قلاني'' مجھے ڈر لگ رہا ہے کہ میرا ساتھی کہیں ناراض نہ ہو گیا ہو اس وقت جبرئیل علیہ السلام یہ آیات لے کر نازل ہوئے۔

(ہ): پانچواں سبب یہ ذکر کیا گیا ہے کہ جب فترت وحی کا زمانہ آیا تو لوگوں نے یوں کہنا شروع کیا کہ اگر یہ کلام اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہوتا تو ہمیشہ اترتا رہتا مگر وہ ناراض ہو گیا اور کلام اتارنا بند کر دیا پس معلوم ہوا کہ اللہ کی طرف سے نہیں ہے، اس وقت یہ سورت اور سورۂ الم نشرح نازل ہوئی۔

روایاتِ مذکورہ خمسہ میں سے پہلی روایت کے علاوہ کوئی روایت سنداً ثابت نہیں ہے اور حقیقت یہ ہے کہ یہاں فترت وحی کا زمانہ مراد نہیں کیوں کہ فترت کا زمانہ طویل زمانہ تھا اور یہ مختصر سی مدت کا وقفہ ہے۔ اول الذکر روایت صحیح السند صریح المتن ہے پس اسی کو شانِ نزول مانا جائے گا۔ (البدایۃ والنہایۃ ج ۳ ص ۱۷ فتح الباری ج ۸ / ۷۱۰)

مثال بر جزء ثانی:

(بعض روایتیں صحیح صریح ہوں بعض صحیح غیر صریح ہوں)

وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ فَأَيْنَمَا تُوَلُّوا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ۔ (سورۃ التوبۃ: ۵)

اس کے سبب نزول میں متعدد روایات منقول ہیں۔

(۱): أخرج ابن جرير من طريق علي بن أبي طلحة عن ابن عباس قال كان أول مانسخ من القرآن القبلة، و ذلك أن رسول الله صلى الله عليه وسلم لما هاجر إلى المدينة، و كان اكثر اهلها اليهود، أمره الله عز و جل ان يستقبل بيت المقدس، ففرحت اليهود فاستقبلها رسول الله صلى الله عليه وسلم بضعة عشر شهراً، فكان رسول الله صلى الله عليه وسلم يحب قبلة ابراهيم عليه السلام، فكان يدعو و ينظر إلى السماء فأنزل الله تبارك و تعالى: (قد نرى تقلب وجهك في السماء) إلى قوله: (فولوا وجوهكم شطره) فارتاب من ذلك اليهود، وقالوا: ما ولاهم عن قبلتهم التي كانوا عليها فأنزل الله عز وجل قل لله المشرق والمغرب فاينما تولوا فثم وجه الله۔

(تفسیر طبری ج ر ۲ ص ر ۵۲۷ موسسۃ الرسالۃ)

ترجمہ: ''ابن جریر طبری رحمہ اللہ تعالیٰ نے علی بن ابی طلحہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے طریق سے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ قرآن میں سب سے پہلا نسخ تحویل قبلہ کے متعلق تھا، واقعہ یہ پیش آیا کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ ہجرت کر کے تشریف لے گئے تو مدینہ کے اکثر باشندے یہودی تھے، ان کی موانست کے لیے اللہ رب العزت نے بیت المقدس کی طرف رخ کرنے کا امر کیا، چنانچہ یہود خوش ہو گئے اور آپ نے سولہ، سترہ مہینے اس کی طرف رخ کر کے نمازیں پڑھی۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قبلۂ ابراہیمی محبوب تھا، اس لیے آپ تحویلِ قبلہ کی دعا کرتے تھے اور اس کے اشتیاق میں نظریں آسمان کی طرف اٹھاتے تھے۔ اس وقت اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی:

''قد نرى تقلب وجهك ۔۔ الخ'' اس وقت یہود شک میں مبتلا ہو گئے اور کہنے لگے: کس چیز نے ان کو اپنے قبلہ سے پھیر دیا اس وقت یہ آیت

نازل ہوئی قل للہ المشرق و المغرب۔

یہ روایت سنداً بھی صحیح ہے اور اس میں شان نزول کی صراحت بھی ہے۔

(۲): امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ نے عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی تخریج کی ہے۔

كنا مع النبي صلى الله عليه وسلم في سفر في ليلة مظلمة فلم ندر أين القبلة فصلى كل رجل منا على حياله فلما أصبحنا ذكرنا ذلك لرسول الله صلى الله عليه وسلم فنزلت فأينما تولوا فثم وجه الله۔

(سنن الترمذی ج ر ۵ ص ر ۲۰۵ دار احیاء التراث العربی)

ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر میں تھے، رات کی تاریکی تھی قبلہ کی جہت ہمیں معلوم نہیں تھی، ہر آدمی نے اپنے سامنے کی سمت پر رخ کر کے نماز پڑھی، صبح ہوئی تو ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس کا ذکر کیا اس وقت یہ آیت نازل ہوئی:

فأينما تولوا فثم وجه الله۔

یہ روایت بھی صحیح اور صریح ہے۔

(۳): تیسری روایت جو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں:

كان النبي صلى الله عليه وسلم يصلي على راحلته تطوعا حيث أينما توجهت به وهو جاء من مكة إلى المدينة ثم قرأ ابن عمر هذه الآية ولله المشرق والمغرب وقال ابن عمر: ففي هذه أنزلت هذه الآية۔

(سنن الترمذی ج ر ۵ ص ر ۲۰۵ دار احیاء التراث العربی)

آپ علیہ ا ة والسلام مکہ سے مدینہ آتے ہوئے اپنی سواری پر نفل نماز پڑھتے جس طرف سواری کا رخ ہوتا اسی سمت میں۔ پھر عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے یہ آیت پڑھی: وللہ المشرق والمغرب الخ اور فرمایا اس کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی۔

یہ روایت سنداً صحیح اور ثابت تو ہے مگر سبب نزول ہونے کی صراحت اس میں نہیں ہے۔

(۴): أخرج ابن جریر عن قتادة أن النبی صلی اللہ علیه وسلم قال إن أخاکم النجاشی قدمات فصلوا علیه، قالوا: نصلي علی رجل لیس بمسلم! قال فنزلت و ان من اهل الکتاب الا لیومنن به قال قتادة: فقالوا: إنه کان لایصلي إلی القبلة، فأنزل اللہ عز و جل: و للہ المشرق و المغرب۔

(تفسیر طبری ج ر ۷ ص ر ۴۹۷ موسسۃ الرسالۃ)

ابن جریر نے حضرت قتادۃ کے حوالہ سے روایت کی تخریج کی ہے وہ فرماتے ہیں: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تمہارا بھائی نجاشی انتقال کر چکا ہے تم اس کی نماز جنازہ پڑھ لو، لوگوں نے کہا ہم ایسے شخص کی نماز جنازہ کیسے پڑھیں جو مسلمان نہیں ہے اس وقت یہ آیت نازل ہوئی: ''و ان من اهل الکتاب۔۔۔الخ'' جس میں یہ ہے کہ اہل کتاب کا ہر فرد (قیامت سے پہلے) ایمان لائے گا۔ راوی (قتادۃ) کہتے ہیں کہ پھر لوگوں نے کہا وہ قبلہ کی طرف رخ کر کے نماز نہیں پڑھتا تھا تو اس وقت اللہ رب العزت نے یہ آیت نازل فرمائی: و للہ المشرق و المغرب۔۔۔الخ۔

یہ روایت صریح تو ہے یعنی اس میں سبب نزول کی صراحت تو ہے مگر سنداً ضعیف ہے نیز یہ روایت مرسل ہے۔

(۵) أخرج ابن جریر عن مجاهد لما نزلت: أُدْعُوْنِی اَسْتَجِبْ لَکُمْ قَالوا: إلی أین فنزلت: فاینما تولوا فثم وجه اللہ۔

امام ابن جریر نے امام التفسیر حضرت مجاہد کا قول نقل کیا ہے جب یہ آیت نازل ہوئی: ''ادعونی استجب لکم'' تو لوگوں نے کہا کس سمت رخ کر کے دعا کریں اس وقت آیت نازل ہوئی فاینما تولوا فثم وجه اللہ۔

یہ روایت بھی صریح ہے لیکن سنداً ضعیف ہے۔

ان پانچ روایتوں میں پہلی اور دوسری روایت صحیح اور صریح ہے، باقی روایتیں یا تو

غیر صحیح ہیں یا غیر صحیح اس لیے کہ تیسری روایت صحیح السند تو ہے لیکن غیر صحیح ہے۔ چوتھی اور پانچویں روایت صریح العبارت تو ہے لیکن ضعیف الاسناد ہے، اس لیے از روئے قاعدہ پہلی اور دوسری روایتوں کو ہی شان نزول قرار دیں گے۔ دیگر روایات متروک ہوں گی۔

مثال بر جزء ثالث:

(صحیح الاسناد، صریح العبارۃ، متقارب النزول واقعات)

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ اِلَّآ اَنْفُسُهُمْ

(سورۃ النور:۶)

ترجمہ: "اور جو لوگ اپنی (منکوحہ) بیبیوں کو (زنا کی) تہمت لگائیں اور ان کے پاس بجز اپنے (ہی دعویٰ کے) اور کوئی گواہ نہ ہوں (جن کا عدد چار ہونا چاہیے)۔

اس کے شان نزول کے سلسلہ میں دو واقعات مذکور ہیں۔

(۱): سهل بن سعد رضی الله عنه أن عويمرا أتى عاصم بن عدى و كان سيد بني عجلان، فقال كيف تقولون في رجل وجد مع امرأته رجلا أيقتله فتقتلونه أم كيف يصنع؟ سل لي رسول الله صلى الله عليه وسلم عن ذلك، فأتى عاصم النبى صلى الله عليه وسلم فقال يا رسول الله فكره رسول الله صلى الله عليه وسلم المسائل و عابها، فسأله عويمر فقال ان رسول الله صلى الله عليه وسلم كره المسائل و عابها قال عويمر و الله لا أنتهي حتى أسال رسول الله صلى الله عليه وسلم عن ذلك فجاء عويمر فقال يا رسول الله! رجل وجد مع امراته رجلاً أيقتله فتقتلونه أم كيف يصنع؟ فقال: رسول الله صلى الله عليه وسلم أنزل الله القرآن فيك و في صاحبك۔

(صحیح بخاری ج۲ ص۱۰۸۴ قدیمی کتب خانہ، صحیح ابن حبان ج۱ ص۲۹۹ موسسۃ الرسالۃ)

امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت کی تخریج کی

ہے کہ حضرت سہل فرماتے ہیں کہ عویمر عجلانی، عاصم بن عدی کے پاس آئے آپ بنو عجلان کے سردار تھے۔ آ کر کہا کہ ایک شخص اپنی حریم خانہ کے ساتھ کسی اور کو پائے اور اس کو قتل کر دے تو اس کے بدلے تم اس کو قتل کرو گے یا پھر وہ کیا کرے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی بابت پوچھیے، حضرت عاصم رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ علیہ الصلوۃ والسلام کی خدمت میں سوال عرض کیا آپ نے سوال کو ناپسند فرمایا عویمر نے عاصم، سے جواب کے متعلق پوچھا، تو انہوں نے کہا: ''اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے سوال کو ناپسند فرمایا عویمر نے کہا: میں اللہ کے رسول سے پوچھ کر رہوں گا چنانچہ وہ خدمت نبوی میں حاضر ہوئے اور عرض کیا۔

اے اللہ کے رسول! ایک آدمی اپنی بیوی کے ساتھ کسی اجنبی کو مشغول پائے، پس وہ شوہر اس کو قتل کر دے تو کا اس کے بدلے آپ اس کو قتل کر دیں گے یا پھر وہ کیا کرے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے اور تمہارے ساتھی کے متعلق آیت نازل ہوئی ہے۔

(۲) دوسری روایت کی تخریج بھی امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے کی ہے وہ روایت یہ ہے کہ

عن ابن عباس رضی اللہ عنهما أن هلال بن امیه قذف امرأته عند النبی صلی اللہ علیه وسلم بشریک بن سحماء فقال النبی صلی اللہ علیه وسلم: البینة أو حد في ظهرک، فقال یا رسول اللہ إذا رأی أحدنا علی امرأته رجلا ینطلق یلتمس البینة فجعل النبی صلی اللہ علیه وسلم یقول: البینة و الاحد في ظهرک، فقال هلال و الذی بعثک بالحق إني لصادق فلینزلن اللہ ما یبرئ ظهري من الحد فنزل جبریل و أنزل علیه: و الذین یرمنون ازواجهم۔۔۔ الآیة۔

(صحیح البخاری ج ر ۲ ص ر ۶۹۵ قدیمی کتب خانہ)

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ہلال بن امیہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم

کے دربار میں اپنے بیوی پر شریک بن سحماء کے ساتھ زنا کی تہمت لگائی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''گواہ پیش کرو ورنہ تمہاری پیٹھ پر حد کے کوڑے لگائے جائیں گے، ہلال بن امیہ نے کہا: اللہ کے رسول! کوئی شخص اپنی بیوی کے ساتھ کسی کو ملوث پائے تو کیا وہ گواہ تلاش کرنے جائے گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہی جملہ دہراتے رہے کہ گواہ لاؤ ورنہ تم پر حد نافذ کی جائے گی۔ ہلال بن امیہ نے کہا: ''اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا ہے، میں اپنی بات میں سچا ہوں اللہ ضرور کوئی ایسا حکم نازل کرے گا جس سے میری پیٹھ حد سے بری ہو جائے گی، اس وقت جبرئیل یہ آیت لے کر نازل ہوئے:

والذین یرمون ازواجھم۔۔۔ الخ

یہ دونوں روایتیں صحیح الاسناد ہیں، دونوں میں سبب نزول ہونے کی صراحت ہے، نیز دونوں واقعے قریب قریب زمانے کے ہیں پس ازروئے قاعدہ دونوں قصوں کو شان نزول قرار دیا جائے گا اور بقول بعض علماء دونوں میں سے ایک کو ترجیح دی جائے گی۔

مثال بر جزء رابع:

(متعدد واقعات صریح صحیح الاسناد متباعد الوقوع کی مثال)

وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ۔

(سورۃ الاسراء: ۸۵)

اس کے شان نزول کے سلسلے میں دو واقعات منقول ہیں۔

(۱) پہلا واقعہ وہ ہے جو صحیحین میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے حوالے سے مذکور ہے وہ فرماتے ہیں:

''كنت أمشي مع النبى صلى الله عليه وسلم في حرث بالمدينة، وهو يتوكأ على عسيب، فمر بنفر من اليهود فقال بعضهم سلوه عن الروح وقال بعضهم لا تسألوه، فانه يسمعكم ماتكرهون فقالوا: يا اباالقاسم حدثنا عن

الروح فقام النبی صلی اللہ علیہ وسلم ساعة و رفع رأسه إلی السماء فعرفت انه یوحی إلیه ثم قال: الروح من امر ربی۔"

(صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۸۶ قدیمی کتب خانہ، صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۵۲ دار احیاء التراث العربی)

میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مدینہ کے ایک کھیت میں کہیں جارہا تھا آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کھجور کی ایک ٹہنی کا سہارا لیے ہوئے تھے، یہودی کی ایک جماعت کے پاس سے آپ کا گذر ہوا تو ان میں سے کسی نے کہا ان سے کچھ پوچھا جائے، دوسرا نے کہا مت پوچھو، تمہیں وہ ایسی بات سنائیں گے جو تم ناپسند کرتے ہو۔ بالآخر انہوں نے کہا اے ابوالقاسم روح کے متعلق کچھ بیان کیجیے آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام تھوڑی دیر رکے رہے اور اپنا سر مبارک آسمان کی طرف اٹھایا میں سمجھ گیا کہ آپ پر وحی نازل ہو رہی ہے، پھر آپ نے فرمایا: الروح من امر ربی۔

— اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ یہ آیت مدینہ میں نازل ہوئی کیونکہ یہ واقعہ مدینہ میں پیش آیا تھا۔

(۲) دوسرا واقعہ سننِ ترمذی میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالہ سے مذکور ہے وہ فرماتے ہیں۔

"قالت قریش لیهود أعطونا شیئا نسأل هذا الرجل فقالوا: سلوه عن الروح فسألوه عن الروح فأنزل الله تعالیٰ ویسألونک عن الروح قل الروح من أمر ربي۔"

(سنن الترمذی ج ۵ ص ۳۰۴ دار احیاء التراث العربی)

قریش مکہ نے یہود سے کہا: "ہمیں کوئی سوال بتاؤ اس آدمی (محمد) سے پوچھیں گے تو یہود نے کہا: "روح کے بارے میں ان سے پوچھو۔" چنانچہ انہوں نے پوچھا، اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

"ویسئلونک عن الروح۔۔۔الخ"

یہ واقعہ مکہ میں پیش آیا۔

آیت مذکورہ کے متعلق دونوں واقعات صحیح الاسناد ہیں، نیز ان میں سبب نزول کی صراحت بھی موجود ہے، پس قاعدے کا مقتضا یہ ہے کہ دونوں کو سبب نزول قرار دیا جائے لیکن دونوں کے زمانۂ وقوع میں بہت بعد ہے، اس طور پر کہ پہلا قصہ مدنی ہے، دوسرا مکی، اس لیے کہا جائے گا کہ یہ آیت دومرتبہ نازل ہوئی اور تکرارِ نزول کا یہ قول ان مفسرین کرام کے خیال ومسلک کے مطابق ہے جو روایات کے درمیان تطبیق کے قائل ہیں۔

رہ گئے وہ علماء جن کے یہاں ترجیح کا طریقہ راجح ہے، ان کے یہاں پہلے واقعہ کو ترجیح دی جائے گی اور وجہ ترجیح یہ ہے کہ اس کے راوی (عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ) خود شاہد ہیں یعنی قصہ کے وقت موجود تھے۔

قاعدہ نمبر (۵)

اِذَا اجْتَمَعَ فِی الضَّمَائِرِ مُرَاعَاۃُ اللَّفْظِ وَ الْمَعْنیٰ بُدِیَٔ بِاللَّفْظِ ثُمَّ بِالْمَعْنیٰ۔

(الاتقان فی علوم القرآن ج ۱/ص ۸۳/ ۳ قدیمی کتب خانہ کراچی، الکلیات لابی البقاء ج ۱/ص ۷ ۴ موسسۃ الرسالۃ)

حاصل قاعدہ:

اگر ضمیر میں لفظ اور معنی دونوں کی رعایت ممکن ہو تو پہلے لفظ کے مطابق ضمیر لائیں گے پھر معنی کے مطابق۔

تشریح:

بسا اوقات ضمیر کا مرجع باعتبار لفظ کے بھی ہوتا ہے اور باعتبار معنی کے بھی، اگر کلام

میں کبھی ایسا موقع آ جائے تو پہلے باعتبار لفظ کے ضمیر لائیں گے پھر باعتبار معنی کے۔

تطبیق مثال:

وَمِنَ النَّاسِ مَن يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَ بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ مَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ (سورۂ بقرۃ:۸)

ترجمہ: ''اوران لوگوں میں سے بعضے ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں ہم ایمان لائے اللہ پر اور آخری دن پر حالانکہ وہ بالکل ایمان والے نہیں''۔

''یقول'' کے اندر ''ھو'' ضمیر کا مرجع لفظ ''من'' ہے جو مفرد ہے اور ''و ما ھم'' میں ''ھم'' کا مرجع معنی ''من'' جس سے مراد لوگوں کی ایک جماعت ہے تو لفظ ''من'' کا اعتبار کرتے ہوئے ''یقول'' صیغۂ واحد لائے پھر معنی ''من'' کا اعتبار کرتے ہوئے ''و ماھم بمؤمنین'' میں ضمیر جمع لائی گئی۔

دیگر امثلہ

(۱) وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ ۚ وَ جَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ؕ وَ اِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا ؕ حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوْكَ يُجَادِلُوْنَكَ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۲۵﴾ (سورۃ الانعام:۲۵)

ترجمہ: ''اوران میں سے بعضے ایسے ہیں کہ آپ کی طرف کان لگاتے ہیں اور ہم نے ان کے دلوں پر حجاب ڈال رکھے ہیں''۔

(۲) وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ ائْذَنْ لِّيْ وَ لَا تَفْتِنِّيْ ؕ اَلَا فِي الْفِتْنَةِ

سَقَطُوْا ؕ وَ اِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ۝ (سورۃ التوبۃ:۴۹)

ترجمہ: ''اور (ان منافقین متخلفین) میں بعضے شخص وہ ہے جو کہتا ہے کہ مجھ کو اجازت دے دیجیے اور مجھ کو خرابی میں نہ ڈالیے خوب سمجھ لو کہ یہ لوگ خرابی میں تو پڑ ہی چکے''۔

قاعدہ نمبر (٦)

اِذَا اَخْبَرَ اللہُ تَعَالٰی عَنْ نَفْسِهٖ بِلَفْظِ ''کیف'' فَهُوَ اِسْتِخْبَارٌ عَلٰی طَرِيْقِ التَّنْبِيْهِ لِلْمُخَاطَبِ أَوِ التَّوْبِيْخِ۔

(مفردات القرآن ج ۲ ص ۳۲۵ دار القلم دمشق، الاتقان فی علوم القرآن ج ۲ ص ۴۹۲ دار الفکر)

حاصل قاعدہ:

جب اللہ تعالیٰ اپنے متعلق لفظ ''کیف'' سے بصورت استفہام کوئی خبر دے تو وہاں مخاطب کی تنبیہ یا توبیخ مقصود ہوا کرتی ہے۔

مثال: '' كَيْفَ يَهْدِي اللّٰهُ قَوْمًا كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ وَ شَهِدُوْٓا اَنَّ الرَّسُوْلَ حَقٌّ وَّ جَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ؕ وَ اللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝۸۶ (سورۃ آل عمران:۸۶)

ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو کیسے ہدایت کریں گے جو کافر ہو گئے بعد ایمان لانے کے''۔

قاعدہ نمبر (۷)

اِذَا اسْتُدِلَّ بِالْفِعْلِ لِشَيْئَيْنِ وَ هُوَ فِي الْحَقِيْقَةِ لِاَحَدِهِمَا يُقَدَّرُ لِلْآخَرِ فِعْلٌ يُنَاسِبُهٗ عَلَى الْأَصَحِّ۔

(الکلیات لابی البقاء ج ۱ ص ۳۸۶ مؤسسۃ الرسالۃ)

حاصل قاعدہ:

اگر کسی ایک فعل کا حکم دو اسموں پر لگایا گیا ہو جب کہ وہ حکم ایک ہی پر صادق آتا ہے دوسرے پر نہیں تو دوسرے اسم کے لیے اس کے مناسب فعل مقدر مانا جائے گا راجح قول کے مطابق۔

علامہ بدر الدین زرکشی متوفی ۷۹۴ھ نے اس اصول کو ان الفاظ میں نقل کیا ہے:

''أن يستدل بالفعل لشيئين و هو في الحقيقة لأحدهما فيضمر للآخر فعل يناسبه كقوله تعالى: والذين تبوءوا الدار و الايمان اى واعتقدوا الإيمان۔'' (البرھان فی علوم القرآن ج ۳ ص ۱۲۴ دار المعرفۃ بیروت)

مثال: وَ الَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَ الْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَ لَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا وَ يُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَ لَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۫ وَ مَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۝ (سورۃ الحشر:۹)

ترجمہ: ''اور نیز ان لوگوں کا (بھی حق ہے) جو دار الاسلام (یعنی مدینہ) میں اور ایمان میں ان (مہاجرین) کے (آنے کے) قبل سے قرار پکڑے ہوئے ہیں''۔

''تَبَوَّؤُا''۔۔۔(ٹھکانہ بنانا) آیت مذکورہ میں تبوّ ؤ کی نسبت ''دار'' اور ''ایمان'' دونوں کی طرف ہے جب کہ دار کی طرف اس کی نسبت تو صحیح ہے مگر ایمان کی طرف درست نہیں لہٰذا یہاں ایمان کی مناسبت سے ایک دوسرا فعل مقدر مانا جائے گا مثلاً کہا جاوے گا۔

تبوؤا الدار و اعتقدوا الایمان۔

قاعدۂ مذکورہ کے سلسلہ میں اختلاف ہے کہ تقدیر بہتر ہے یا تضمین تقدیر کا مطلب یہ ہے کہ دوسرا فعل مقدر مانا جائے اور تضمین کا حاصل یہ ہے کہ اسی فعل مذکور کو کسی ایسے معنی پر محمول کیا جائے جو دونوں اسموں پر منطبق ہو جائے پس اس صورت میں اسم ثانی

اسم پر معطوف ہوگا، مثلاً آیت مذکورہ میں تقدیر اور تضمین دونوں محل درست ہیں۔

تقدیر کی تقریر تو اوپر ہو چکی اور تضمین کی صورت میں تبوؤا "لزموا" کے معنی میں ہوگا اور حاصل آیت ہوگا "لزموا الدار و الایمان" اور لزوم کا تعلق دار اور ایمان دونوں کے ساتھ صحیح ہے۔

قاعدہ نمبر (۸)

اِذَا تَعَاقَبَتِ الضَّمَائِرُ فَالْاَصْلُ اَنْ یَّتَّحِدَ مَرْجِعُهَا۔

حاصل قاعدہ:

جب ایک ہی ضمیر سلسلہ وار کئی مرتبہ آ جائے تو اصل یہ ہے کہ ان تمام کا مرجع ایک ہو۔

علامہ ابوالفضل عمر بن مسعود نے شعر میں اسی قاعدے کو بیان کیا ہے:

ثم التعاقب للضمائر حاصله　　　اصل اتحاد المرجع ما مجمله

(نشر العبیر فی منظومۃ قواعد التفسیر ج/۱ ص/۸۶)

تشریح:

یہ قاعدہ اس وقت ہے جب کہ مختلف مراجع کی جانب ضمیر لوٹانے میں کوئی قرینہ موجود نہ ہو اور ایک ہی مرجع کی جانب تمام ضمائر کو لوٹانے میں کلام کی فصاحت و بلاغت میں کوئی خلل نہ آتا ہو ورنہ مختلف مراجع کی جانب بھی ضمیریں لوٹ سکتی ہیں۔

تطبیق مثال:

وَ مَا قَتَلُوْهُ وَ مَا صَلَبُوْهُ وَ لٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ؕ وَ اِنَّ الَّذِیْنَ اخْتَلَفُوْا فِیْهِ لَفِیْ شَكٍّ مِّنْهُ ؕ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ۚ وَ مَا قَتَلُوْهُ یَقِیْنًا ﴿۱۵۷﴾۔ (سورۃ النساء: ۱۵۷)

ترجمہ: "حالانکہ انہوں نے نہ ان کو قتل کیا اور نہ ان کو سولی پر چڑھایا لیکن ان کو

ا ہ ہو گیا اور جو لوگ ان کے بارے میں اختلاف کرتے ہیں وہ غلط خیال میں مبتلا ہیں ان کے پاس اس پر کوئی (صحیح) دلیل (موجود) نہیں بجز تخمینی باتوں پر عمل کرنے کے اور انہوں نے ان کو یقینی بات ہے کہ قتل نہیں کیا بلکہ ان کو خدا تعالیٰ نے اپنی طرف اٹھالیا''۔

اس پوری آیت میں ضمیر غائب (جو آٹھ مرتبہ وارد ہے) کا مرجع عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔

مختلف مراجع کی جانب ضمیروں کے لوٹنے کی مثال:

(۱) ظَاهِرًا ۖ وَّلَا تَسْتَفْتِ فِيهِمْ مِّنْهُمْ اَحَدًا ﴿۲۲﴾ (سورۂ کہف:۲۲)

''فیھم'' کا مرجع اصحاب کہف ہیں اور ''منھم'' کا مرجع یہود ہیں۔

دیگر امثلہ

(۱) اَنِ اقْذِفِيْهِ فِي التَّابُوْتِ فَاقْذِفِيْهِ فِي الْيَمِّ فَلْيُلْقِهِ الْيَمُّ بِالسَّاحِلِ يَأْخُذْهُ عَدُوٌّ لِّيْ وَ عَدُوٌّ لَّهٗ ؕ وَ اَلْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِّنِّيْ ۚ وَ لِتُصْنَعَ عَلٰى عَيْنِيْ ﴿۳۹﴾۔ (سورۂ طٰہٰ:۳۹)

ترجمہ: ''(وہ) یہ کہ موسیٰ کو (جلادوں کے ہاتھوں سے بچانے کے لیے) ایک صندوق میں رکھو پھر ان کو (مع صندوق کے) دریا میں ڈال دو، پھر دریا ان کو (مع صندوق کے) کنارہ تک لے آئے گا''۔

(۲) لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ تُعَزِّرُوْهُ وَ تُوَقِّرُوْهُ ؕ وَ تُسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّ اَصِيْلًا ﴿۹﴾ (سورۃ الفتح:۹)

ترجمہ: ''تا کہ تم لوگ اللہ پر اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاؤ اور اس (کے دین) کی مدد کرو اور اس کی تعظیم کرو''۔

قاعدہ نمبر (۹)

اِذَا تَعَدَّدَتِ الْجُمَلُ وَ جَاءَ بَعْدَهَا ضَمِيْرُ جَمْعٍ فَهُوَ رَاجِعٌ اِلَىٰ جَمِيْعِهَا فَاِنْ كَانَ مُفْرَدًا اُخْتُصَّ بِالْأَخِيْرَةِ۔

(البحر المحیط فی اصول الفقہ ج۲ ص ۶۵ دار الکتب العلمیۃ)

حاصل قاعدہ:

متعدد جملوں کے بعد اگر ضمیر جمع آئے تو تمام جملے اس ضمیر کا مرجع بنیں گے اور اگر واحد کی ضمیر آئے تو آخری جملہ اس ضمیر کا مرجع بنے گا (الا یہ کہ کوئی ایسی دلیل قائم ہو جائے جو اخیر کے علاوہ کسی اور کے مرجع ہونے کی تعیین کرے تو ضمیر اسی متعین شدہ مرجع کی جانب لوٹے گی)۔

مثال: ''سَوَآءٌ مِّنْكُمْ مَّنْ اَسَرَّ الْقَوْلَ وَ مَنْ جَهَرَ بِهٖ وَ مَنْ هُوَ مُسْتَخْفٍۭ بِالَّيْلِ وَ سَارِبٌۢ بِالنَّهَارِ ۝ (سورۃ رعد:۱۰)

ترجمہ: ''تم میں سے جو شخص کوئی بات چپکے سے کہے اور جو پکار کر کہے اور جو شخص رات میں کہیں چھپ جاوے اور جو دن میں چلے پھرے یہ سب (خدا کے علم میں) برابر ہیں''۔

ہر شخص (کی حفاظت) کے لیے کچھ فرشتے (مقرر) ہیں جن کی بدلی ہوتی رہتی ہے کچھ اس کے آگے اور کچھ اس کے پیچھے کہ وہ بحکم خدا اس کی حفاظت کرتے ہیں۔

تطبیق:

اس میں ''له معقبت من بين يديه و من خلفه'' کی ضمیر مفرد ''ہ'' کا مرجع آخری جملہ میں ''مستخفٍ بالليل و سارب بالنهار'' ہے یعنی رات میں چھپنے والے اور دن میں چلنے والے ان سب کے لیے ملائکہ محافظ ہوتے ہیں۔

قاعدہ نمبر (۱۰)

"اِذَا جَاءَتْ "مِنْ" قَبلَ الْمُبْتَدَاءِ اَوِ الْفَاعِلِ اَوِ الْمَفْعُولِ فَهِيَ لِتَاكِيدِ النَّفْيِ وَ زِيَادَةِ التَّنْكِيرِ وَ التَّنْصِيصِ فِيْ الْعُمُوْمِ"۔

حاصل قاعدہ:

جب لفظ "من" متبدا یا فاعل یا مفعول پر داخل ہوتو اس سے تاکید فی النفی زیادۃ فی التنکیر اور صراحت فی العموم کا فائدہ ہوتا ہے۔

تشریح:

یعنی اس "من" کی وجہ سے وہ نفی موکد ہوجاتی ہے اور نکرہ کی نکارت میں اضافہ ہوجاتا ہے نیز وہاں پر پائے جانے والے عموم میں صراحت آجاتی ہے جس کے سبب اس مبتدا یا فاعل یا مفعول کے متعلق حکم میں مزید تاکید پیدا ہوجاتی ہے۔

(الف) مبتدا کی مثال: وَ مَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَ لَا طٰٓئِرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ ؕ مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ يُحْشَرُوْنَ﴿۳۸﴾ (سورہ انعام:۳۸)

(ب) فاعل کی مثال: اَنْ تَقُوْلُوْا مَا جَآءَنَا مِنْۢ بَشِيْرٍ وَّ لَا نَذِيْرٍ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَشِيْرٌ وَّ نَذِيْرٌ ؕ وَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴿۱۹﴾

(سورہ مائدہ:۱۹)

(ج) مفعول کی مثال: هَلْ تُحِسُّ مِنْهُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَوْ تَسْمَعُ لَهُمْ رِكْزًا﴿۹۸﴾ (سورہ مریم:۹۸)

ان تینوں مثالوں میں لفظ "من" کی وجہ سے تاکید فی النفی، زیادۃ فی التنکیر اور تنصیص فی العموم کا معنی شامل ہے۔

قاعدہ نمبر (۱۱)

اِذَا جَاءَ ذِكْرُ الطَّيِّبَاتِ فِيْ مَعْرِضِ الْاِنْعَامِ فَالْمَرَادُ الْمُسْتَلَذَّاتُ وَ اِذَا جَاءَ فِيْ مَعْرِضِ التَّحْلِيْلِ وَ التَّحْرِيْمِ فَالْمُرَادُ الْحَلَالُ وَ الْحَرَامُ۔

(التسہیل لعلوم التنزیل ج ر ۴ ص ر ۸ دار الکتاب العربی)

حاصل قاعدہ:

لفظ ''طیبات'' مقام امتنان میں وارد ہوتو ''لذیذ'' کے معنی میں ہوگا اور اگر مقام تحلیل وتحریم میں مستعمل ہوتو ''حلال یا حرام'' کے معنی میں ہوگا۔''

تشریح:

حلال یا حرام ہونے کا مفہوم یہ ہے کہ اگر لفظ ''طیبات'' کے ساتھ نفی یا نہی وارد ہے تو حرام کا معنی مراد ہوگا ورنہ حلال کے معنی میں ہوگا۔

مقام امتنان کی مثال:

(۱) اَللّٰهُ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّ السَّمَآءَ بِنَآءً وَّ صَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ وَ رَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ۚۖ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۶۴﴾ (سورۃ غافر: ۶۴)

ترجمہ: ''اللہ ہی ہے جس نے زمین کو قرار گاہ بنایا اور آسمان کو چھت بنایا اور تمہارا نقشہ بنایا سو عمدہ نقشہ بنایا اور تم عمدہ چیزیں کھانے کو دیں یہ اللہ ہے تمہارا رب سو تیرا عالی شان ہے اللہ جو سارے جہان کا پروردگار ہے''۔

مذکورہ آیت میں لفظ طیبات مقام امتنان میں وارد ہوا ہے پس لذیذ کے معنی میں ہوگا۔

(۲) فَاٰوٰىكُمْ وَ اَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ وَ رَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۲۶﴾ (سورۃ الانفال: ۲۶)

ترجمہ: ''سو اللہ تعالیٰ نے تم کو رہنے کی جگہ دی اور تم کو اپنی نصرت سے قوت دی

اور تم کو نفیس نفیس چیزیں عطا فرمائیں تا کہ تم شکر کرو''۔

آیت مذکورہ میں بھی لفظ ''طیبات'' معرض امتنان میں وارد ہوا ہے۔ لٰہذا لذیذ کے معنی میں ہو گا۔

معرض تحلیل وتحریم کی مثال:

(۱) يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَآ اُحِلَّ لَهُمْ ۭ قُلْ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ۙ وَمَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِيْنَ تُعَلِّمُوْنَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللّٰهُ ۡ فَكُلُوْا مِمَّآ اَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ ۠ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۝ (سورۃ المائدۃ: ۴)

ترجمہ: ''لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ کیا کیا جانور ان کے لیے حلال کیے گئے ہیں آپ فرما دیجیے تمہارے لے کل حلال جانور حلال رکھے گئے ہیں''۔

مذکورہ آیت میں ''طیبات'' کا مقام ورود تحلیل وتحریم ہے لٰہذا یہاں معنی حلال مراد ہو گا۔

(۲) قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ ۭ قُلْ هِىَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝ (سورۃ الاعراف: ۳۲)

ترجمہ: ''آپ فرما دیجیے کہ اللہ تعالیٰ کے پیدا کیے ہوئے کپڑوں کو جو اس نے اپنے بندوں کے واسطے بنائے ہیں اور کھانے پینے کی حلال چیزوں کو کس شخص نے حرام کیا''۔

اس آیت میں بھی تحلیل وتحریم کے موقع پر ''طیبات'' مذکور ہے لٰہذا حلال کے معنی میں ہو گا۔

قاعدہ نمبر (۱۲)

اِذَا اخْتَلَفَتِ الْاَلْفَاظُ وَكَانَ مَرْجِعُهَا اِلٰى اَمْرٍ وَاحِدٍ لَمْ يُوْجِبْ ذٰلِكَ اِخْتِلَافًا۔

(البرہان فی علوم القرآن ج ۲ ص ۶۴ دار المعرفۃ، کتاب الروح ج ۱ ص ۷۰ دار الکتب العلمیۃ)

حاصل قاعدہ:

اگر الفاظ میں اختلاف ہو اور مفہوم ایک ہی ہو تو اس کو اختلاف نہیں کہا جائے گا۔

تشریح:

قاعدہ کا حاصل یہ ہے کہ کبھی ایک ہی معنی اور مضمون کو مختلف الفاظ وتعبیرات میں بیان کیا جاتا ہے کیونکہ عربی زبان اپنے الفاظ وکلمات اور اسلوب بیان کے اعتبار سے بے پناہ وسعت کی حامل ہے اس لیے اگر ایک ہی مضمون مختلف اسلوب اور الگ الگ الفاظ کے ساتھ ذکر کیے جائیں تو اس کو ''اختلاف'' نہیں کہا جائے گا۔

تطبیق:

لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ۝۱ (سورۃ البلد: ۱)

اور اسی مضمون پر مشتمل سورۂ تین کی آیت ہے:

وَ هٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ۝۳ (سورۃ التین: ۳)

مگر اسلوب تعبیر دونوں کا بالکل جداگانہ ہے پہلی آیت کا ظاہر نفی ہے دوسری آیت کا ظاہر اثبات ہے جس سے بظاہر کسی کو دونوں آیتوں کے درمیان تعارض کا وہم ہوسکتا ہے کہ ایک طرف بلد امین کی قسم کی نفی کی گئی تو دوسری طرف اثبات ہے جب کہ حقیقت یہ ہے کہ دونوں آیتوں کا معنی ومفہوم ایک ہے، صرف طریقۂ تعبیر الگ الگ ہے اس لیے کہ اہل عرب ''لا اقسم'' بول کر قسم کی نفی نہیں کرتے بلکہ یہ ''لا'' تاکید قسم کے لیے بولتے ہیں اس لیے دونوں آیتوں میں کوئی اختلاف اور تناقض نہیں ہے۔

بعض مفسرین نے لا اقسم میں جواب یہ دیا ہے کہ یہ ''لا'' منکرین بعث پر رد کرنے کے لیے ہے اور ''اقسم'' کے ذریعہ قسم مقصود ہے اس صورت میں جملہ مثبت ہو جائے گا اور اب لفظ ومعنی دونوں میں کسی طرح کا اختلاف باقی نہ رہے گا۔

قاعدہ نمبر (۱۳)

اِذا دَخَلَ حَرْفُ الْإِسْتِفْهَامِ عَلٰی فِعْلِ التَّرَجِّیْ أَفَادَ تَقْرِیْرَ مَا هُوَ مُتَوَقَّعٌ وَ اَشْعَرَ بِاَنَّهُ كَائِنٌ (فتح القدیر للشوکانی ج ۱ / ص / ۲۶۴ دار الفکر)

حاصل قاعدہ:

ترجی اور امید پر دلالت کرنے والے افعال پر اگر حرف استفہام داخل ہو تو ترجی کا معنی مرتفع ہو کر "قطعیت" اور "یقین" کے معنی میں بدل جاتا ہے۔

فَهَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ وَ تُقَطِّعُوْٓا اَرْحَامَكُمْ ﴿۲۲﴾ (سورۃ محمد: ۲۲)

ترجمہ: "سو اگر تم کنارہ کش رہو تو آیا تم کو یہ احتمال بھی ہے کہ تم دنیا میں فساد مچادو اور آپس میں قطع قرابت کردو"۔

"فهل عسیتم" یہاں فعل ترجی "عسی" پر حرف استفہام "ھل" داخل ہے لہٰذا یہاں مطلب ہوگا کہ اگر تم کو حکومت مل جاوے تو ضرور فساد برپا کرو گے اور قطع رحمی کرو گے۔

قاعدہ نمبر (۱۴)

اِذَا دَخَلَتْ "اَلْاَلِفُ وَ اللَّامُ" عَلٰی اِسْمٍ مَوْصُوْفٍ اِقْتَضَتْ أَنَّهُ اَحَقُّ بِتِلْكَ الصِّفَةِ مِنْ غَيْرِهٖ۔

(بدائع الفوائد ج / ۲ ص / ۲۵۱ مکتبہ نزار مصطفی الباز)

حاصل قاعدہ:

جس اسم موصوف پر الف لام داخل ہو وہاں اشارہ ہوتا ہے کہ اس موصوف کا دوسروں کے مقابلہ میں اس صفت سے خاص تعلق ہے۔ (یعنی الف و لام) کی وجہ سے

خصوصیت زائدہ وہاں پیدا ہو جاتی ہے۔

مثال: اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ (سورہ الفاتحۃ:٦)

ترجمہ: ''بتلا دیجئے ہم کو راستہ سیدھا''۔

یہاں اگر ''صراطاً مستقیماً'' کہہ دیا جاتا تو مطلب ہوتا کہ علی الاطلاق کوئی بھی سیدھا راستہ مطلوب ہے مگر ''الف لام'' لانے میں اشارہ صراط کامل کی طرف ہے یعنی وہ راستہ جو اللہ تعالیٰ نے اپنی رضاء تک پہنچنے کے لیے منتخب فرمایا ہے۔

قاعدہ نمبر (١۵)

اِذَا دَخَلَتْ ''قَدْ'' عَلَی الْمُضَارِعِ الْمُسْنَدِ إِلَی اللهِ تَعَالیٰ فَهِيَ لِلتَّحْقِيْقِ دَائِمًا۔

(سلسلۃ التفسیر لمصطفی العدوی ج ر ۴ ص ۵۴ مکتبہ شبکۃ الاسلامیۃ)

علامہ ابو الفضل عمر بن مسعود نے شعر میں اسی قاعدے کو بیان کیا ہے۔

ثم المضارع ان سبق بالحرف قد   والمسند فعله الی الله الاحد

قل هی للتحقیق فاعلم دائما   للعلم و المعروف فانهض قائما

(نشر العبیر فی منظومۃ قواعد التفسیر ج ر ۱ ص ۸۵)

حاصل قاعدہ:

لفظ ''قد'' جب ایسے فعل مضارع پر داخل ہو جس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہو تو اس صورت میں ''قد'' ہمیشہ تحقیق کے لیے ہوگا۔

تشریح:

لغت عرب میں لفظ ''قد'' متعدد معانی کے لیے آتا ہے اس کے مدخول کے اعتبار سے اس کا معنی مختلف ہوتا رہتا ہے چنانچہ جب یہ فعل ماضی پر آتا ہے تو تحقیق کے لیے

ہوتا ہے، اور جب فعل مضارع پر آتا ہے تو عموماً تقلیل اور تشکیک کے لیے ہوتا ہے لیکن جب قرآن کریم میں فعل مضارع پر آتا ہے اور اس فعل مضارع کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہو تو ہمیشہ تحقیق کے لیے ہی ہوتا ہے۔

مثال: (۱) قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ ۚ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰهَا ۠ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۭ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ ۭ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۭ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ۝ (سورۃ بقرۃ: ۱۴۴)

ترجمہ: ''تحقیق ہم آپ کے منہ کا (یہ) بار بار آسمان کی طرف اٹھنا دیکھ رہے ہیں''۔

(۲) قَدْ يَعْلَمُ مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ ۭ وَيَوْمَ يُرْجَعُوْنَ اِلَيْهِ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ۭ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝ (سورۃ نور: ۶۴)

ترجمہ: ''تحقیق اللہ تعالیٰ اس کو جانتا ہے جس پر تم ہو اور اس دن کو بھی جس میں سب اس کے پاس لائیں جائیں گے''۔

قاعدہ نمبر (۱۶)

اذا دخلت همزة الاستفهام على ''رأيت'' امتنع ان تكون من رؤية البصر أو رؤية القلب و صار بمعنى ''اخبرني''۔

(الاتقان فی علوم القرآن ج ۲ ص ۲۷۴ دار الفکر، البرھان فی علوم القرآن ج ۴ ص ۱۷۸ دار المعرفۃ بیروت)

حاصل قاعدہ:

ہمزۂ استفہام اگر کلمہ ''رأیت'' پر داخل ہو تو وہاں رویت بصری و قلبی کا معنی درست نہیں ہوتا بلکہ ''اخبرنی'' کے معنی میں کر دیتا ہے۔

مثال: اَفَرَءَيْتَ الَّذِيْ كَفَرَ بِاٰيٰتِنَا وَقَالَ لَاُوْتَيَنَّ مَالًا وَّوَلَدًا ۝ (سورۃ مریم: ۷۷)

یہاں ''رأیت'' پر ہمزہ استفہام داخل ہے اس لیے یہ ''اخبرنی'' کے معنی میں ہے اسی لیے ترجمہ کیا گیا ہے

ترجمہ: ''بھلا آپ نے اس شخص (کی حالت) کو بھی دیکھا جو ہماری آیتوں کے ساتھ کفر کرتا ہے''۔

اشباہ ونظائر

(۱) اَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ ؕ اَفَاَنْتَ تَكُوْنُ عَلَيْهِ وَكِيْلًا ﴿۴۳﴾ (سورۃ فرقان:۴۳)

(۲) اَفَرَءَيْتَ اِنْ مَّتَّعْنٰهُمْ سِنِيْنَ ﴿۲۰۵﴾ (سورۃ شعراء:۲۰۵)

(۳) قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَخَذَ اللّٰهُ سَمْعَكُمْ وَ اَبْصَارَكُمْ وَ خَتَمَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ مَّنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِهٖ ؕ اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ هُمْ يَصْدِفُوْنَ ﴿۴۶﴾ (سورۃ انعام:۴۶)

قاعدہ نمبر (۱۷)

اِذَا رَتَّبَ الشَّارِعُ الْحُكْمَ عَلٰى وَصْفٍ مُنَاسِبٍ فَاِنَّ ذٰلِكَ يَدُلُّ عَلٰى اَنَّ ثُبُوْتَهٗ لِاَجْلِهٖ۔

حاصل قاعدہ:

جو حکم کسی وصف مناسب کے ساتھ مربوط ہو تو وہ وصف اس حکم کی علت ہوتا ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ فرماتے ہیں:

''ترتب الحكم على الوصف المناسب المشعر بالعلية''۔

(فتح الباری بشرح صحیح البخاری ج۱۱/ص۵۲/دار المعرفۃ بیروت، تفسیر کبیر ج۵/ص۱۶۸/دار الکتب العلمیۃ)

لان القاعدة ان ترتب الحکم علی الوصف یقتضی علیة ذلک الوصف لذلک الحکم۔

(انوار البروق فی انواع الفروق ج ۳ ص ۱۲۸ دار الکتب العلمیة)

علامہ عبد الرؤف مناوی متوفی ۱۰۳۱ھ فرماتے ہیں:

"ترتب الحکم علی الوصف المناسب المشعر بالعلیة"۔

(فیض القدیر شرح الجامع الصغیر ج ۴ ص ۳۷۴ المکتبة التجاریة الکبریٰ)

مثال: "وَ السَّارِقُ وَ السَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا جَزَآءً بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَ اللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝۳۸" (سورۃ المائدۃ: ۳۸)

ترجمہ: "اور جو مرد چوری کرے اور (اسی طرح) جو عورت چوری کرے سو ان دونوں کے داہنے ہاتھ گٹے تک کاٹ ڈالو"۔

یہاں "قطع ید" کو سارق اور سارقہ (یعنی صیغہ صفت) پر مرتب کیا گیا ہے پس اشارہ ہو گیا کہ سرقہ "قطع ید" کی علت ہے گو لفظاً اس کی صراحت نہیں کی گئی ہے۔

دیگر امثلہ

(۱) اَلزَّانِيَةُ وَ الزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ ۪ وَّ لَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۚ وَ لْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَآئِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝۲ (سورۃ النور: ۲)

ترجمہ: "زنا کرنے والی عورت اور زنا کرنے والا مرد (دونوں کا حکم یہ ہے کہ) ان میں سے ہر ایک کو سو کوڑے مارو"۔

(۲) اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِيْ نَعِيْمٍ ۝۱۳ وَ اِنَّ الْفُجَّارَ لَفِيْ جَحِيْمٍ ۝۱۴

(سورۃ الانفطار: ۱۳، ۱۴)

ترجمہ: "نیک لوگ بیشک آسائش میں ہوں گے اور بدکار (یعنی کافر) لوگ

بیشک دوزخ میں ہوں گے"۔

قاعدہ نمبر (۱۸)

اِذَا عُلِّقَ الْاَمْرُ عَلٰی شَرْطٍ اَوْ صِفَةٍ فَاِنَّهٗ يَقْتَضِیْ التَّكْرَارَ۔

حاصل قاعدہ:

امر جب کسی شرط یا صفت پر معلق ہو تو تکرار کا متقاضی ہوگا۔

علامہ ابن قدامہ حنبلی ۶۲۵ھ نے اس قاعدے کو ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا ہے:

"إن علق الأمر على شرط اقتضى التكرار و إلا فلا يقتضيه لأن تعليق الحكم بالشرط كتعلقه بالعلة ثم إن الحكم يتكرر بتكرر علته فكذلك يتكرر بتكرر شرطه الخ"۔

(روضة الناظر وجنة المناظر ج ۱ ص ۲۰۰ جا الامام محمد بن سعود الرياض)

شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ متوفی ۷۲۸ھ نے بھی اس قاعدے کو قدرے مختلف الفاظ کے ساتھ نقل کیا ہے: دیکھئے۔ (مجموع الفتاوی ج ۱۶ ص ۵۹۱ دار الوفاء)

تشریح:

امر اپنی ذات کے اعتبار سے تکرار کا تقاضا نہیں کرتا مثلاً:

''اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ''

(سورۃ بقرۃ: ۲۸۲)

یہاں دین کو لکھنے کا حکم ہے اس کا تقاضا یہ نہیں ہے کہ ایک ہی معاملہ کو بار بار لکھا جائے۔

البتہ کسی حکم میں تکرار دوسرے دلائل یا قرائن و اسباب کی وجہ سے ہوتا ہے، مثلاً: نماز کا ہر دن پانچ مرتبہ پڑھنا اس کے سبب (یعنی وقت) کی وجہ سے ہے اسی طرح اگر کوئی حکم معلق بالشرط یا معلق بالصفت ہو تو جب وہ شرط یا صفت پائی جائے گی، وہ حکم

بھی وہاں پایا جائے گا لیکن یہ تکرار نفس امر کی وجہ سے نہیں بلکہ اس شرط یا صفت کے قرینہ کی وجہ سے ہوگا۔

مذکورہ بالا بنیاد پر امر کی تین قسمیں ہیں:

اول: امر مربوط بقرینة التکرار (وہ امر جس میں تکرار کا قرینہ موجود نہ ہو) مثلاً امر کا کسی شرط وصفت پر معلق ہونا تکرار کا قرینہ ہے۔

دوم: امر مربوط بقرینة عدم التکرار (وہ امر جس میں تکرار کا قرینہ موجود ہو)۔

سوم: امر مجرد عن القرینة (وہ امر جس میں تکرار عدم تکرار کا کوئی قرینہ نہ ہو)۔

ان تینوں صورتوں کا حکم یہ ہے کہ قرینہ کی صورت میں قرینہ کے مطابق تکرار یا عدم تکرار کا اعتبار ہوگا اور قرینہ نہ ہونے کی صورت میں امر کو عدم تکرار پر محمول کیا جائیگا۔

مثال: وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ مِّنْهُ ؕ مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ۝ (سورۃ مائدۃ: ۶)

اس میں شرط (جنابت) قرینۂ تکرار ہے۔

(۲) اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ ۪ وَّلَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۚ وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَآئِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ۝ (سورۃ نور: ۲)

اس میں صفت (زنا) قرینۂ تکرار ہے۔

قاعدہ نمبر (۱۹)

اِذَا كَانَ ثُبُوْتُ شَيْءٍ اَوْ نَفْيُهٗ يَدُلُّ عَلٰى ثُبُوْتِ اٰخَرَ اَوْ نَفْيِهٖ

فَالاَوْلیٰ الاِقْتِصَارُ عَلیٰ الدَّالِ مِنهَا فَاِنْ ذُکِرَا فَالأَوْلیٰ تَأخِیرُ الدَّالِ۔

(البرھان فی علوم القرآن ج ر ۳ ص ۴۰۴ دار المعرفۃ بیروت)

حاصل قاعدہ:

جب ایک شیٔ دوسری شیٔ پر ثبوتاً یا نفیاً دلالت کر رہی ہو تو بہتر ہے کہ صرف دال پر اکتفاء کیا جائے اور اگر دال و مدلول دونوں کو ذکر کیا جائے تو دال کو مؤخر کرنا اولیٰ ہے۔

توضیح:

جب کسی چیز کے دو وصف ہوں اور ان میں کوئی وصف ایسا ہو جو دوسرے پر دال ہو تو اس دال پر اکتفا کرنا اولیٰ ہے، اور اگر دونوں وصف ذکر کر دیئے جائیں تو وصف دال کو مؤخر کرنا بہتر ہے۔

مثال: وَ سَارِعُوْٓا اِلٰی مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَ جَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَ الْاَرْضُ۔ (سورۃ آل عمران: ۱۳۳)

ترجمہ: ''اور دوڑو طرف مغفرت کے جو تمہارے پروردگار کی طرف سے (نصیب) ہو اور (دوڑو) طرف جنت کے جس کی وسعت ایسی ہے جیسے سب آسمان اور زمین''۔

تطبیق:

جنت کے دو وصف ہیں طول و عرض اور عرض طول پر دال ہے لہٰذا دال کے ذکر پر اکتفاء کیا گیا۔

قاعدہ نمبر (۲۰)

اِذَا کَانَ فِی الآیَةِ ضَمِیرٌ یَحْتَمِلُ عَوْدُهُ اِلیٰ اَکْثَرَ مِنْ مَذْکُورٍ وَ اَمْکَنَ الْحَمْلُ عَلیٰ الْجَمِیعِ حُمِلَ عَلَیْهِ۔

حاصل قاعدہ:

اکثر ضمیر کے اندر ایک سے زائد ممکن مراجع کا احتمال ہو تو ہر ایک کو مرجع بنانا درست ہے۔

علامہ ابوالفضل عمر بن مسعود نے شعر میں اسی قاعدے کو بیان کیا ہے:

إن كان في آي ضمير يَحْمَل عوده فَلِلأَ كثر لما يذكر فقل

إن أمكن أن يحملن حملاً على ما يجتمع فليحملن حَيًا هلا

(نثر العبیر فی منظومۃ قواعد التفسیر ج ۱ ص ۸۵)

تشریح:

قرآن کریم ایک کتاب معجز ہے جو بسا اوقات قلیل الفاظ کے ذریعہ کثیر معنی کو ادا کر دیتا ہے، اگر کسی آیت میں کوئی ایسی ضمیر آ جائے جس کا مرجع ایک سے زائد ہو اور ضمیر ہر ایک کی جانب لوٹنے کا احتمال رکھتی ہو اور کوئی مانع بھی موجود نہ ہو تو ضمیر کو ہر مرجع کی جانب لوٹایا جا سکتا ہے ہاں! اگر کوئی مانع موجود ہو تو پھر یہ حکم نہ ہو گا بلکہ مانع سے بچتے ہوئے جس کا مرجع بنا ممکن ہو گا وہی مرجع متعین ہو گا۔

تطبیق مثال:

يَاَيُّهَا الْاِنْسَانُ اِنَّكَ كَادِحٌ اِلٰى رَبِّكَ كَدْحًا فَمُلٰقِيْهِ ۝

(سورۃ الانشقاق:٦)

ترجمہ: ''اے انسان تو اپنے رب کے پاس پہنچنے تک (یعنی مرنے کے وقت تک) کام میں کوشش کر رہا ہے پھر (قیامت میں) اس (کام کی جزا) سے جا ملے گا''۔

''فملقیه'' میں ''ہ'' ضمیر دو چیزوں کی جانب لوٹ سکتی ہے۔ (۱) ربک۔ (۲) کدح (جس کے معنی ہے عمل) اور دونوں معنوں کی جانب ضمیر کے لوٹنے میں کوئی مانع بھی موجود نہیں ہے اس لیے کہ انسان جس طرح اپنے رب سے ملاقات کرے گا اسی طرح

اپنے اعمال کا بھی سامنا کرنے والا ہے۔

دیگر امثلہ

(۱) يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَ مَا خَلْفَهُمْ وَ لَا يُحِيْطُوْنَ بِهٖ عِلْمًا ۝ (سورۂ طٰہٰ: ۱۱۰)

ترجمہ: ''وہ (اللہ تعالیٰ) ان سب کے اگلے پچھلے احوال کو جانتا ہے اور اس کو ان کا علم احاطہ نہیں کرسکتا''۔

(۲) وَ لَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا شَآءَ ۚ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ ۚ وَ لَا يَئُوْدُهٗ حِفْظُهُمَا ۚ وَ هُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ ۝

(سورۂ بقرہ: ۲۵۵)

ترجمہ: ''اور وہ موجودات اس کی معلومات میں سے کسی چیز کو اپنے احاطۂ علمی میں نہیں لا سکتے مگر جس قدر چاہے، اسی کی کرسی نے سب آسمانوں اور زمین کو اپنے اندر لے رکھا ہے اللہ تعالیٰ کو ان دونوں کی حفاظت کچھ گراں نہیں گزرتی وہ علیشان عظیم الشان ہے''۔

قاعدہ نمبر (۲۱)

''اِذَا كَانَ لِلِاسْمِ الْوَاحِدِ عِدَّةُ مَعَانٍ حُمِلَ فِيْ كُلِّ مَوْضِعٍ مَا يَقْتَضِيْهِ ذٰلِكَ السِّيَاقُ''۔

(ماخوذ من فقہ اللغۃ للثعالبی ج ر اص ۸۷)

حاصل قاعدہ:

اگر کسی لفظ کے متعدد معانی ہوں تو ہر مقام پر مقتضائے سیاق کے مطابق معنی

متعین کیا جائے گا۔

تطبیق امثلہ

(الف) فَمَا كَانَ دَعْوٰىهُمْ اِذْ جَآءَهُمْ بَأْسُنَآ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ۝ (سورۃ الاعراف:۵)

(ب) وَّاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا ۝ (سورۃ الجن:۱۸)

(ج) قُلْ اِنَّمَآ اُنْذِرُكُمْ بِالْوَحْيِ ۖ وَلَا يَسْمَعُ الصُّمُّ الدُّعَآءَ اِذَا مَا يُنْذَرُوْنَ ۝ (سورۃ الانبیاء:۴۵)

(د) وَادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ (سورۃ یونس:۳۸)

(ھ) ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ ۚ لَئِنْ كَشَفْتَ عَنَّا الرِّجْزَ لَنُؤْمِنَنَّ لَكَ وَلَنُرْسِلَنَّ مَعَكَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۝ (سورۃ الاعراف:۱۳۴)

لفظ ''دعا'' مختلف معانی میں مستعمل ہے، عبادت، ندا، سوال، قول اور استعانت۔ مذکورہ آیت میں سیاق کی رو سے ہر جگہ ایک معنی متعین ہے۔ پہلی آیت میں قول کے معنی میں دوسری آیت میں دعا بمعنی ''عبادت'' تیسری آیت میں ''ندا'' اور پکار کے معنی میں ہے۔ چوتھی آیت میں استعانت کا معنی مراد ہے اور پانچویں آیت میں ''سوال'' کا معنی متعین ہے۔

(الف) وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۙ حُنَفَآءَ وَيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ وَذٰلِكَ دِيْنُ الْقَيِّمَةِ ۝ (سورۃ البینۃ:۵)

(ب) يَوْمَئِذٍ يُّوَفِّيْهِمُ اللّٰهُ دِيْنَهُمُ الْحَقَّ وَ يَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ الْمُبِيْنُ ﴿۲۵﴾ (سورۃ النور:۲۵)

(ج) مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ﴿۳﴾ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ﴿۴﴾ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ﴿۵﴾ (سورۃ الفاتحہ:۳)

دین متعدد معانی میں مشترک ہے چنانچہ پہلی آیت میں دین سے مراد ''عقیدہ اور مذہب'' ہے اور آخری دو آیتوں میں دین ''جزا وحساب'' کے معنی میں ہے۔

(الف) اَلَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَ هُمْ رٰكِعُوْنَ ﴿۵۵﴾ (سورۃ المائدۃ:۵۵)

(ب) اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ؕ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَ سَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ﴿۵۶﴾ (سورۃ الاحزاب:۵۶)

(ج) وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ؕ وَ اللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۰۳﴾ (سورۃ براءۃ:توبہ ۱۰۳)

پہلی آیت میں لفظ صلاۃ ''صلاۃ شرعی'' یعنی نماز کے معنی میں ہے دوسری آیت میں ''ثناء فی الملاء الاعلی'' (فرشتوں کے حضور میں تعریف) اور تیسری آیت میں ''استغفار'' کے معنی میں وارد ہے۔

(الف) اِنَّآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ كَمَآ اَوْحَيْنَآ اِلٰى نُوْحٍ وَّ النَّبِيّٖنَ مِنْۢ بَعْدِهٖ ۚ وَ اَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَ اِسْمٰعِيْلَ وَ اِسْحٰقَ وَ يَعْقُوْبَ وَ الْاَسْبَاطِ وَ عِيْسٰى وَ اَيُّوْبَ وَ يُوْنُسَ وَ هٰرُوْنَ وَ سُلَيْمٰنَ ۚ وَ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ﴿۱۶۳﴾

(سورۃ النساء:۱۶۳)

(ب) فَاَوْحٰٓى اِلَيْهِمْ اَنْ سَبِّحُوْا بُكْرَةً وَّ عَشِيًّا ﴿۱۱﴾

(سورۃ مریم:۱۱)

(ج) وَ اِذْ اَوْحَیْتُ اِلَى الْحَوَارِیّٖنَ اَنْ اٰمِنُوْا بِیْ وَ بِرَسُوْلِیْ قَالُوْۤا اٰمَنَّا وَ اشْهَدْ بِاَنَّنَا مُسْلِمُوْنَ (سورۃ المائدۃ:۱۱۱)

(د) بِاَنَّ رَبَّكَ اَوْحٰى لَهَا (سورۃ الزلزلۃ:۵)

(ہ) وَ لَا تَاْكُلُوْا مِمَّا لَمْ یُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَیْهِ وَ اِنَّهٗ لَفِسْقٌ وَ اِنَّ الشَّیٰطِیْنَ لَیُوْحُوْنَ اِلٰۤى اَوْلِیٰٓـٕهِمْ لِیُجَادِلُوْكُمْ وَ اِنْ اَطَعْتُمُوْهُمْ اِنَّكُمْ لَمُشْرِكُوْنَ (سورۃ الانعام:۱۲۱)

لفظ وحی: ارسال، اشارہ، الہام اور امر اور اعلام بالوسوسہ، ان تمام معانی کے درمیان مشترک ہے، آیت اولیٰ میں وحی ''ارسال'' کے معنی میں ہے۔ آیت ثانیہ میں ''اشارہ'' کے معنی میں ہے۔ آیت ثالثہ میں ''امر'' اور آیت رابعہ میں ''اعلام بالوسوسہ'' کے معنی میں ہے۔

قاعدہ نمبر (۲۲)

اِذَا كَانَ مُتَعَلِّقُ الْخِطَابِ مَقْدُوْراً حُمِلَ عَلَیْهِ وَ اِنْ كَانَ غَیْرَ ذٰلِكَ صُرِفَ الْخِطَابُ لِثَمَرَتِهٖ اَوْ سَبَبِهٖ۔

(انوار البروق فی انواع الفروق ج ۲ ص ۱۳۱ دار الکتب العلمیۃ)

حاصل قاعدہ:

جو مامور بہ مقدورا ہو اس کو حقیقت پر محمول کیا جاوے گا اور جو غیر مقدور ا ہو وہاں مامور بہ کا سبب یا نتیجہ مراد ہوگا۔

تشریح:

جن اعمال وافعال کا شریعت میں کرنا یا چھوڑنا مطلوب ہے، وہ دو حال سے خالی نہیں یا تو وہ مقدورا ہوں گے یعنی بعینہٖ اس مامور بہ (یعنی حکم) کو بجالانا ممکن ہوگا جیسے

صلوٰۃ وزکوٰۃ کا امر یا پھر اس کا بجالانا قدرت بشری سے خارج ہوگا جیسے جنت کی طرف سعی کرنا، حالت ایمان پر مرنا تو وہاں خود وہ حکم نہیں بلکہ اس کا سبب یا ثمرہ مراد ہوتا ہے۔

تطبیق

مطلوب الفعل مقدورا کی مثال:

(۱) وَ قُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا وَّ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ ؕ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْكُمْ وَ اَنْتُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۸۳﴾ (سورۃ البقرۃ: ۸۳)

ترجمہ: ''اور عام لوگوں سے بات اچھی طرح (خوش خلقی سے) کہنا اور پابندی رکھنا نماز کی اور ادا کرتے رہنا زکوٰۃ۔''

یہاں قول حسن، اقامت صلوٰۃ اور ایتاء زکوٰۃ کا امر ہے، جو مکلف کی قدرت سے خارج نہیں۔

مطلوب الترک مقدورا کی مثال:

زنا، خمر، فواحش، عقوق والدین، تجسس اور غیبت وغیرہ سے نہی سب اسی قبیل سے ہیں۔

غیر مقدورا مطلوب الفعل کی مثال:

(۱) وَ سَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ جَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَ الْاَرْضُ ۙ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۳۳﴾ (سورۃ آل عمران: ۱۳۳)

ترجمہ: ''اور دوڑو طرف مغفرت کے جو تمہارے پروردگار کی طرف سے ہے اور جنت کے''۔

یہاں اسباب مغفرت و جنت یعنی ایمان اور عمل صالح کی طرف مسارعت مطلوب ہے۔

اسی قسم میں وہ مامورات بھی داخل ہیں جن کی ادائیگی بعض اوقات میں متعذر ہوجاتی ہے اور بعض اوقات مقدور ہوتی ہے۔ مثلاً امر قتال کہ اگر قدرت قتال مسلمانوں کو

میسر نہ ہوتو اس کا سبب (اعداد للقتال یعنی جہاد کی تیاری کرنا) مطلوب ہوگا۔

غیر مقدور ا مطلوب الترک کی مثال جہاں سبب مطلوب ہے

يَآاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ

(سورۃ الحجرات: ۱۲)

ترجمہ: ''اے ایمان والو! بہت سے گمانوں سے بچا کرو''۔

یہاں اسباب ظن سے اجتناب مطلوب ہے کیونکہ ظنوں بلا اختیار پیش آتے ہیں۔

غیر مقدور ا مطلوب الترک کی مثال:

وَّ لَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۚ وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَآئِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝

(سورۃ النور: ۲)

ترجمہ: ''اور تم لوگوں کو ان دونوں پر اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں ذرا رحم نہ آنا چاہیے''۔

اس آیت میں حدود کے نافذ کرنے میں شفقت اور مروت کرنے سے روکا گیا ہے حالانکہ شفقت و مروت ایک امر غیر اختیاری شئی ہے اور غیر اختیاری کا جس طرح کرنا محال ہے اس طرح اس کا چھوڑنا بھی انسانی قدرت سے خارج ہے، پھر اس سے روکنے کا کیا مطلب؟ تو اس کا جواب قاعدہ مذکورہ کی رو سے یہ ہوگا کہ یہاں مروت و شفقت سے مراد اس کا ثمرہ ہے (یعنی ترک انفاذ حد) اب آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ ایسا نہ ہو کہ تم مروت کی وجہ سے حد کا نفاذ چھوڑ دو۔

قاعدہ نمبر (۲۳)

اِذَا وَرَدَ مُضَافٌ وَ مُضَافٌ اِلَيْهِ وَ جَاءَ بَعْدَهُمَا ضَمِيْرٌ فَالْاَصْلُ عَوْدُهٗ لِلْمُضَافِ۔

(الاتقان فی علوم القرآن ج ر ۲ ص ۵۴۹ دار الفکر، الکلیات لابی البقاء ج ر ۱ ص ۵۶۹ مؤسسۃ الرسالۃ)

حاصل قاعدہ:

اگر کوئی ضمیر مضاف اور مضاف الیہ کے بعد واقع ہو تو مضاف کو مرجع بنانا اصل ہے۔

تشریح:

یہ قاعدہ اس صورت میں ہے جب کہ مضاف الیہ کے مرجع ہونے پر کوئی قرینہ نہ ہو اگر کوئی قرینہ ہو تو مضاف الیہ کو مرجع بنایا جائے گا

تطبیق مثال:

قرینہ کے مطابق مضاف کی جانب ضمیر لوٹنے کی مثال:

وَ اِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ؕ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ ﴿۳۴﴾ (سورہ ابراہیم: ۳۴)

ترجمہ: ''اور اللہ تعالیٰ کی نعمتیں اگر (ان کو) شمار کرنے لگو تو شمار میں نہیں لا سکتے''۔

''لا تحصوھا'' میں ''ھا'' ضمیر کا مرجع ''نعمة اللہ'' میں ''نعمة'' ہے کیونکہ اولاً یہ اصل کے مطابق ہے ثانیاً یہ کہ ضمیر کا مؤنث ہونا قرینہ ہے کہ مرجع نعمت ہے نہ کہ لفظ اللہ۔

قرینہ کے مطابق مضاف الیہ کی جانب ضمیر لوٹنے کی مثال:

وَّ اشْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴿۱۱۴﴾

(سورہ النحل: ۱۱۴)

ترجمہ: ''اور اللہ کی نعمت کا شکر کرو اگر تم اسی کی عبادت کرتے ہو''۔

''ایاہ'' کی ''ہ'' ضمیر نعمة اللہ میں لفظ اللہ مضاف الیہ کی جانب لوٹ رہی ہے۔ ''ایاہ'' میں ضمیر کا مذکور ہونا قرینہ ہے کہ مرجع لفظ اللہ ہے نہ کہ نعمة

قاعدہ نمبر (۲۴)

اِذَا وَقَعَتِ النَّكِرَةُ فِيْ سِيَاقِ النَّفْيِ اَوِ النَّهْيِ اَوِ الشَّرْطِ اَوِ

الْاِسْتِفْهَامِ دَلَّتْ عَلَى الْعُمُوْمِ۔

(القواعد الحسان فی تفسیر القرآن ج/۱ص/ ۹ مکتبہ مشکاۃ الاسلامیۃ، الکلیات لابی البقاء ج/۱ص/ ۸۹۳، ۸۹۴ موسسۃ الرسالۃ)

حاصل قاعدہ:

نکرہ جب نفی، نہی، شرط، یا استفہام کے تحت واقع ہو تو عموم پر دلالت کرتا ہے۔

امثلہ

نکرہ تحت النفی کی مثال:

يَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَيْـًٔا ۖ وَالْاَمْرُ يَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ ﴿۱۹﴾

(سورۃ انفطار:۱۹)

ترجمہ: ''وہ دن ایسا ہے جس میں کسی شخص کے نفع کے لیے کچھ بس نہ چلے گا''۔

اس میں دونوں جگہ نفس میں عموم ہے اسی طرح ''شیئا'' میں بھی عموم ہے اور حاصل یہ ہے کہ اس دن کوئی بھی نفس کسی بھی نفس کا کسی قسم کا کچھ بھی اختیار نہیں رکھے گا۔

نکرہ تحت النہی کی مثال:

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرَا ﴿۳۶﴾

(سورۃ النساء:۳۶)

ترجمہ: ''اور تم اللہ کی عبادت اختیار کرو اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک مت کرو''۔

اس میں ''شیئا'' تحت النہی واقع ہے اور شرک کی تمام صورتوں کو شامل ہے۔

نکرہ تحت الشرط کی مثال:

''وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ''۔

ترجمہ: ''اور اگر کوئی شخص مشرکین میں سے آپ سے پناہ کا طالب ہو تو آپ اس کو پناہ دیجیے''۔

نکرہ تحت الاستفہام کی مثال:

هَلْ تَعْلَمُ لَهٗ سَمِيًّا ۝۶۵ (سورۃ مریم:۶۵)

ترجمہ: ''بھلا تو کسی کو اس کا ہم صفت جانتا ہے؟''

اس میں اللہ تعالیٰ سے ہر قسم کے ہم صفت کی نفی کی گئی ہے۔

اشباہ ونظائر

نفی سے متعلق:

(۱) وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ ۚ وَاِنْ يُّرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ ۭ يُصِيْبُ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۭ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝۱۰۷ (سورۃ یونس:۱۰۷)

ترجمہ: ''اگر تم کو اللہ تعالیٰ کوئی تکلیف پہنچادے تو بجز اس کے اور کوئی اس کا دور کرنے والا نہیں ہے''۔

(۲) تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا ۭ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ۝۸۳ (سورۃ القصص:۸۳)

ترجمہ: ''یہ عالم آخرت ہم ان ہی لوگوں کے لیے خاص کرتے ہیں [illegible]

برائی چاہتے ہیں اور نہ فساد کرنا''۔

(۳) فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۷﴾ (سورۃ سجدہ:۱۷)

ترجمہ: ''سو کسی شخص کو خبر نہیں جو آنکھوں کی ٹھنڈک کا سامان ایسے لوگوں کے لیے خزانہ غیب میں موجود ہے''۔

نہی سے متعلق:

فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۲﴾ (سورۃ بقرۃ:۲۲)

ترجمہ: ''تو اب مت ٹھہراؤ اللہ پاک کے مقابل اور تم جانتے بوجھتے ہو''۔

(۲) وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ وَّ امْضُوْا حَيْثُ تُؤْمَرُوْنَ ﴿۶۵﴾

(سورۃ حجر:۶۵)

ترجمہ: ''اور تم میں سے کوئی پیچھے پھر کر بھی نہ دیکھے''۔

(۳) وَ لَا تَقُوْلَنَّ لِشَايْءٍ اِنِّيْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا ﴿۲۳﴾ (سورۃ الکہف:۲۳)

ترجمہ: ''اور آپ کسی کام کی نسبت یوں نہ کہا کیجیے کہ میں اس کو کل کردوں گا''۔

شرط سے متعلق:

(۱) فَاِمَّا تَرَيِنَّ مِنَ الْبَشَرِ اَحَدًا ۙ فَقُوْلِيْٓ اِنِّيْ نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا فَلَنْ اُكَلِّمَ الْيَوْمَ اِنْسِيًّا ﴿۲۶﴾ (سورۃ مریم:۲۶)

ترجمہ: ''پھر اگر تم آدمیوں میں سے کسی کو بھی (اعتراض کرتا دیکھو تو) کہہ دینا۔۔۔الخ''

(۲) وَ مَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ثُمَّ اِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فَاِلَيْهِ تَجْـَٔرُوْنَ ﴿۵۳﴾ (سورۃ النحل:۵۳)

ترجمہ: ''اور تمہارے پاس جو کچھ بھی نعمتیں ہیں وہ سب اللہ کی طرف سے ہیں''۔

(۳) مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ وَ مَنْ اَسَآءَ فَعَلَيْهَا ؕ وَ مَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ۝ (سورۃ حٰم سجدۃ: ۴۶)

ترجمہ: ''جو شخص نیک عمل کرتا ہے وہ اپنے نفع کے لیے''۔

استفہام سے متعلق:

(۱) هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللّٰهِ يَرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ ؕ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۖ٘ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ۝ (سورۃ فاطر: ۳)

ترجمہ: ''کیا اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی خالق ہے جو تم کو آسمان وزمین سے رزق پہنچاتا ہو''۔

(۲) هَلْ تُحِسُّ مِنْهُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَوْ تَسْمَعُ لَهُمْ رِكْزًا ۝

(سورۃ مریم: ۹۸)

ترجمہ: ''کیا آپ ان میں سے کسی کو دیکھتے ہیں یا ان کی کوئی آہستہ آواز سنتے ہیں''۔

فائدہ:

جب نکرہ نفی کے تحت واقع ہو اور لائے نفی جنس کے لیے ہو یا اس اسم نکرہ پر ''من'' زائدہ داخل ہو تو اس سے عموم میں تاکید آجاتی ہے اور معنی عموم کا اثبات ہوجاتا ہے۔

نفی کے تحت میں آنے والے اسم نکرہ پر ''من'' زائدہ کے داخل ہونے کی تین صورتیں ہیں:

(۱) وہ اسم نکرہ فاعل واقع ہو جیسے ''ما اتاھم من نذیر'' میں ''نذیر'' فاعل ہے۔

(۲) وہ اسم نکرہ مفعول واقع ہو جیسے ''ما کان اللہ ان یتخذ من ولد'' میں ''ولد'' مفعول ہے اور جیسے ''وما ارسلنا من قبلک من رسول'' میں ''رسول'' مفعول ہے۔

(۳) وہ اسم نکرہ مبتداء واقع ہو جیسے ''مالکم من الہ غیرہ'' میں ''الہ'' مبتدا ہے۔

قاعدہ نمبر (۲۵)

إِسْتِفْهَامُ الْإِنْكَارِ يَكُوْنُ مُضَمِّنًا مَعْنَى النَّفْيِ۔

(البحر المحیط ج ر ۷ ص ر ۴۲ دار الکتب العلمیۃ)

حاصل قاعدہ:

استفہام انکاری نفی کے معنی کو شامل ہوتا ہے۔

مثال: ''وَ مَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَ عَمِلَ صَالِحًا وَّ قَالَ اِنَّنِىْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ۝۳۳ (سورۂ حٰم سجدہ: ۳۳)

ترجمہ: ''اور اس سے بہتر کس کی بات ہوسکتی ہے جو لوگوں کو اللہ کی طرف بلائے''۔

یہ استفہام انکاری ہے اس کا مطلب ہے لا احد احسن ممن دعا الی اللہ۔۔الخ

قاعدہ نمبر (۲۶)

إِعَادَةُ الظَّاهِرِ بِمَعْنَاهُ أَحْسَنُ مِنْ إِعَادَتِهٖ بِلَفْظِهٖ وَ إِعَادَتُهٗ ظَاهِرًا بَعْدَ الطُّوْلِ أَحْسَنُ مِنَ الْإِضْمَارِ۔

(الاتقان فی علوم القرآن ج ر ۲ ص ۱۴۳ قدیمی کتب خانہ کراچی)

حاصل قاعدہ:

عام حالات میں اعادہ باللفظ سے بہتر اعادہ بالمعنی ہے اور فصل طویل کی صورت میں اعادہ بالضمیر سے بہتر اعادہ باللفظ ہے۔

تشریح:

کسی اسم ظاہر کا اعادہ اس کے کسی ہم معنی لفظ کے ذریعہ کرنا بہتر ہے بمقابلہ اس کے کہ بعینہٖ وہی لفظ دوہرا دیا جائے اور طویل فاصلہ کے بعد اس ظاہر کا اعادہ کرنا اضمار سے بہتر ہے۔

مثال جزء اول:

وَ الَّذِيْنَ يُمَسِّكُوْنَ بِالْكِتٰبِ وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ ؕ اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ الْمُصْلِحِيْنَ ۝ (سورۂ اعراف:۱۷۰)

کہنا چاہیے تھا لا نضیع اجر الذین یمسکون بالکتب۔

ترجمہ: ”اور! (ان میں سے) جو لوگ کتاب (یعنی تورات) کے پابند ہیں اور نماز کی پابندی کرتے ہیں ہم ایسے لوگوں کا جو اپنی (اس طرح) اصلاح کریں ثواب ضائع نہ کریں گے“۔

مثال جزء ثانی:

ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ هَاجَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا فُتِنُوْا ثُمَّ جٰهَدُوْا وَ صَبَرُوْۤا ۙ اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ (سورۂ نحل:۱۱۰)

مثال واضح ہے۔

ترجمہ: ”پھر (اگر کفر کے بعد یہ لوگ ایمان لے آویں تو) بیشک آپ کا رب ایسے لوگوں کے لیے کہ جنہوں نے مبتلائے کفر ہونے کے بعد (ایمان لا کر) ہجرت کی تو آپ کا رب (ایسے لوگوں کے لیے) ان (اعمال) کے بعد بڑی مغفرت کرنے والا بڑی رحمت کرنے والا ہے“۔

قاعدہ نمبر (۲۷)

اَلْاِسْتِفْهَامُ عَقِيْبَ ذِكْرِ الْمَعَايِبِ أَبْلَغُ مِنَ الْاَمْرِ بِتَرْكِهَا۔

(املاء مامن بہ الرحمن من وجوہ الاعراب والقراءات ج ۱/ص ۲۲۵ المکتبۃ العلمیۃ لاہور)

حاصل قاعدہ:

کسی چیز کے قبائح کو ذکر کرنے کے بعد استفہامی انداز میں نہی کرنا صریح نہی سے زیادہ بلیغ ہے۔

مثال: اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَ الْبَغْضَآءَ فِي الْخَمْرِ وَ الْمَيْسِرِ وَ يَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَ عَنِ الصَّلٰوةِ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ﴿۹۱﴾ (سورۃ المائدۃ:۹۱)

ترجمہ: ''شیطان تو یوں چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعہ سے تمہارے آپس میں عداوت اور بغض واقع کردے''۔

آیت کریمہ میں شراب اور جوئے کی قباحت بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے کہا کہ ''فهل انتم منتهون''۔

یہ استفہامی انداز ''فانتهوا'' کے صریح انداز سے زیادہ بلیغ ہے۔

قاعدہ نمبر (۲۸)

اَلْاِسْمُ الْمَوْصُوْلُ يُفِيْدُ عِلِّيَّةَ الْحُكْمِ۔

علامہ ابوالفضل عمر بن مسعود نے شعر میں اسی قاعدے کو نقل کیا ہے:

والاسم الموصول هنا فى وصفه ذالكم يفد علية فى حكمه

(نشر العبیر فی منظومۃ قواعد التفسیر ج/۱ ص/۸۵)

حاصل قاعدہ:

اسم موصول سے مضمونِ کلام کی علت کا پتہ چلتا ہے۔

مثال: (۱) ثُمَّ قِيْلَ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ذُوْقُوْا عَذَابَ الْخُلْدِ ۚ هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ﴿۵۲﴾ وَ يَسْتَنْۢبِـُٔوْنَكَ اَحَقٌّ هُوَ ؕ قُلْ اِيْ وَ رَبِّيْۤ اِنَّهٗ لَحَقٌّ ۚؕ وَ مَاۤ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿۵۳﴾ (سورہ یونس: ۵۳)

(۲) قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَتُغْلَبُوْنَ وَ تُحْشَرُوْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ ؕ وَ

بِئۡسَ الۡمِهَادُ﴿۱۲﴾ (سورۂ آل عمران:۱۲)

پہلی آیت میں علت ظلم ہے اور دوسری آیت میں علت کفر ہے۔

قاعدہ نمبر (۲۹)

اَلۡاَصۡلُ اِبۡقَاءُ الۡمُطۡلَقِ عَلیٰ اِطۡلَاقِهٖ حَتّٰی یَرِدَ مَا یُقَیِّدُهٗ۔

(البحر المحیط فی اصول الفقہ ج ر ۳ص ر ۵ دار الکتب العلمیۃ، اللمع فی اصول الفقہ ج ر۱ص ر ۴۳ دار الکتب العلمیۃ)

حاصل قاعدہ:

مطلق اپنے اطلاق پر محمول ہوگا جب تک کوئی دلیل تقیید نہ پائی جائے۔

مثال: شهر رمضان الذين انزل فيه القرآن ۔۔۔الى قوله۔۔۔و من كان مريضاً او على سفر فعدة من ايام اخر''۔

اس میں رمضان کے روزہ کی قضاء کا وقت مطلق ایام کو بتلایا گیا ہے خواہ تتابع کے ساتھ ہو یا تفریق کے ساتھ لہٰذا تتابع یا تفریق کی قید لگانا درست نہیں ہوگی۔

قاعدہ نمبر (۳۰)

اَلۡاَصۡلُ اَنَّ الۡكَلَامَ یُؤَكَّدُ اِذَا كَانَ الۡمُخَاطَبُ مُنۡكِرًا اَوۡ مُتَرَدِّدًا وَ یَتَفَاوَتُ التَّاكِیۡدُ بِحَسۡبِ قُوَّةِ الۡاِنۡكَارِ وَ ضُعۡفِهٖ۔۔۔ وَ قَدۡ یُؤَكَّدُ وَ الۡمُخَاطَبُ غَیۡرُ مُنۡكِرٍ لِعَدَمِ جَرۡیِهٖ عَلیٰ مُقۡتَضیٰ اِقۡرَارِهٖ فَیُنَزَّلُ مَنۡزِلَةَ الۡمُنۡكِرِ۔۔۔۔ وَ قَدۡ یُتۡرَكُ التَّاكِیۡدُ مَعَ اِنۡكَارِ الۡمُخَاطَبِ لِوُجُوۡدِ اَدِلَّةٍ ظَاهِرَةٍ لَوۡ تَاَمَّلَهَا لَرَجَعَ عَنِ الۡاِنۡكَارِ۔

(الاتقان فی علوم القرآن ج ر ۲ ص ۴۳ ۷ دار الفکر، الکلیات لابی البقاء ج ر۱ص ۲۶۹ مؤسسۃ الرسالۃ)

حاصل قاعدہ:

مخاطب منکر یا متردد ہو تو کلام کو مؤکد پیش کیا جاتا ہے، نیز انکار کی قوت وضعف

کے اعتبار سے تاکید میں کمی اور زیادتی کی جاتی ہے۔

البتہ کبھی غیر منکر کو منکر کے درجہ میں اتار کر تاکید لائی جاتی ہے جب کہ مخاطب کا رویہ مقتضائے اقرار کے خلاف ہو۔

نیز بعض مواقع میں مخاطب کے انکار کے باوجود تاکید ترک کر دی جاتی ہے کیونکہ ان کے دلائل و براہین اتنے واضح اور مستحکم ہوتے ہیں کہ ادنیٰ تامل سے منکر کا انکار زائل ہو سکتا ہے۔

تطبیق امثلہ

(الف) انکار مخاطب کے ضعف و قوت کے لحاظ سے تفاوت تاکید کی مثال:

فَقَالُوْٓا اِنَّآ اِلَيْكُمْ مُّرْسَلُوْنَ ﴿۱۴﴾ (سورۃ یٰس: ۱۴)

یہاں صرف ایک تاکید لائی گئی مگر جب ان کا انکار بڑھا اور یوں بول اٹھے:

مَآ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۙ وَ مَآ اَنْزَلَ الرَّحْمٰنُ مِنْ شَيْءٍ ۙ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَكْذِبُوْنَ ﴿۱۵﴾ (سورۃ یٰس: ۱۵)

اس میں انہوں نے تین وجوہ انکار ذکر کی:

اول: مجانست: (یعنی تم اور ہم دونوں بشر ہیں)۔

دوم: ''ما انزل الرحمن'' اور (رحمن نے کچھ نازل نہیں کیا)۔

سوم: ''ان انتم الا تکذبون'' (تم تو صرف جھوٹ بول رہے ہو) تو اس کے رد میں پیغمبروں نے بھی تین وجوہِ تاکید استعمال کرتے ہوئے فرمایا:

''رَبُّنَا يَعْلَمُ اِنَّآ اِلَيْكُمْ لَمُرْسَلُوْنَ ﴿۱۶﴾''۔

اول: ''ربنا یعلم'' کیونکہ اس میں قسم کا معنی ہے اور قسم بھی تاکید کی ایک صورت ہے۔

دوم: ''انا الیکم لمرسلون'' اس میں ''ان'' اور ''لام'' دو تاکید ہے۔

سوم: ''وما علینا الا البلغ المبین'' اس میں صیغۂ حصر ہے اور یہ پورا مستقل

جملہ تاکید کے مترادف ہے۔

(ب) غیر منکر کو درجۂ منکر میں اتار کر تاکید لانے کی مثال:

ثُمَّ إِنَّكُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ لَمَيِّتُوْنَ (سورۃ المؤمنون:۱۵)

ترجمہ: ''پھر تم بعد اس (تمام قصۂ عجیبہ) کے ضرور ہی مرنے والے ہو''۔

یہاں موت کے اثبات کو دو تاکیدوں (ان اور لام) کے ذریعہ مؤکد کیا گیا ہے۔ جب کہ اس کا کوئی منکر نہیں ہے غیر منکر کو منکر کے درجہ میں اتار کر یعنی موت سے تمہاری غفلت اس درجہ کو پہنچ گئی گویا تم موت کے منکر ہو۔

(ج) انکار مخاطب کے باوجود ترکِ تاکید کی مثال:

ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تُبْعَثُوْنَ ﴿۱۶﴾ (سورۃ المؤمنون:۱۶)

ترجمہ: ''پھر تم قیامت کے روز دوبارہ زندہ کیے جاؤ گے''۔

اس سے پہلے کی آیت: ''انکم بعد ذلک لمیتون'' میں موت کے اثبات میں دو تاکید لائی گئی ہے جب کہ موت کا کوئی منکر نہیں، اور یہاں بعثت کے اثبات میں صرف ایک تاکید لائی گئی جب کہ بعثت کے منکرین بے شمار ہیں اور ان کا انکار اشد درجہ کا ہے اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ بعث وحشر کا وقوع اپنے دلائل و براہین کے وضوح واستحکام کی وجہ سے اتنا حق ہے کہ اس کے منکر کا انکار لا اعتبار ہے۔

اس کی نظیر یہ آیت ہے:

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۲﴾ (سورۃ البقرۃ:۲)

یہاں قرآن کی حقانیت کے اثبات میں ایک تاکید بھی نہیں لائی گئی جبکہ قرآن میں شک کرنے والوں کی تعداد بے شمار تھی اس لیے کہ قرآن کی حقانیت کے دلائل اتنے کھلے اور مضبوط تھے کہ اس کے ہوتے ہوئے انکار کوئی معنی نہیں رکھتا ہے۔

قاعدہ نمبر (۳۱)

اَلْأَصْلُ اَنَّ مَا اُبْهِمَ فِیْ الْقُرْآنِ فَلَا طَائِلَ فِیْ مَعْرِفَتِهٖ۔

حاصل قاعدہ:

جس شی کو قرآن میں مبہم رکھا گیا اس کی معرفت حاصل کرنے میں کوئی فائدہ نہیں۔

علامہ محمد امین الشنقیطی متوفی ۱۳۹۳ھ فرماتے ہیں:

"و معلوم أن تعيين البحرين من النوع الذی قدمنا أنه لا دليل عليه من كتابٍ و لا سنةٍ، و ليس فی معرفة فائدةٍ، فالبحث عنه تعب لا طائل تحته، و ليس عليه دليل يجب الرجوع اليه"۔

(اضواء البیان فی ایضاح القرآن بالقرآن ج ر ۳ ص ر ۳۲۲ دار الفکر)

تشریح:

اللہ رب العزت نے قرآن عزیز کو اپنی مخلوق کی ہدایت و رہبری کے لیے نازل فرمایا پس مخلوق کی ہدایت کے متعلق جتنی چیزوں کی ضرورت تھی اللہ نے اس کو کھول کھول کر بیان کر دیا ہے، اسی اعتبار سے قرآن کو "تبیانا لکل شئی" کہا گیا ہے البتہ جن جزئیات وتفصیلات کے متعلق بندوں کا کوئی فائدہ وابستہ نہیں تھا اللہ نے ان کو بیان نہیں کیا جیسے اصحاب کہف کے اسماء کی توضیح، اسی طرح عصائے موسیٰ کی تحقیق کہ وہ کس درخت سے تھا اس کا طول وعرض کتنا تھا، اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جن چار پرندوں کو ذبح کیا تھا ان کی تعیین وتفصیل وغیرہ یہ ایسے امور ہیں کہ ان میں بندوں کا کوئی فائدہ نہیں ایسے ہی امور کے متعلق کہا گیا ہے:

فَلَا تُمَارِ فِیْهِمْ اِلَّا مِرَاءً ظَاهِرًا وَّ لَا تَسْتَفْتِ فِیْهِمْ مِّنْهُمْ اَحَدًا

ہاں اگر اس مبہم کے ابہام کو رفع کرنے کی ضرورت ہو مثلاً ابہام دور نہ کیا جائے تو

کسی پر تہمت آتی ہو تو رفع تہمت کے لیے رفع ابہام ایک امر ضروری ہوگا۔

تنبیہ:

اس قاعدے لایبحث عن مبهم اخبر الله باستئشاره بعلمه اور اس مذکورہ قاعدہ کے مابین فرق یہ ہے کہ پہلا قاعدہ ان مبہمات کے متعلق ہے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے اختصاص کی صراحت کردی ہے اور یہ قاعدہ ان مبہمات کے متعلق ہے جس میں اس طرح کی تصریح نہیں ہے۔

فائدہ:

مذکورہ قاعدہ میں یہ قید ملحوظ ہے کہ مبہمات سے وہ مبہمات مراد ہیں جن کو اللہ رب العزت نے مبہم رکھا ہے البتہ جن مبہمات کی توضیح خود حق جل مجدہ نے کردی ہے یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمادی ہے وہ اس قاعدہ سے خارج ہیں کیونکہ ان مبہمات کی معرفت میں فائدہ مضمر ہے۔

تطبیق:

مثال جز و اول: (جہاں مبہم کی معرفت مفید ہو)

وَ الَّذِیْ قَالَ لِوَالِدَیْهِ اُفٍّ لَّكُمَاۤ اَتَعِدٰنِنِیْۤ اَنْ اُخْرَجَ وَ قَدْ خَلَتِ الْقُرُوْنُ مِنْ قَبْلِیْ ۚ وَ هُمَا یَسْتَغِیْثٰنِ اللّٰهَ وَیْلَكَ اٰمِنْ ۖۗ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ ۚۖ فَیَقُوْلُ مَا هٰذَاۤ اِلَّاۤ اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ ﴿۱۷﴾ (سورۃ الاحقاف: ۱۷)

مثال جز و ثانی: (جہاں مبہم کی معرفت مفید نہ ہو)

وَ كَلْبُهُمْ بَاسِطٌ ذِرَاعَیْهِ بِالْوَصِیْدِ ؕ لَوِ اطَّلَعْتَ عَلَیْهِمْ لَوَلَّیْتَ مِنْهُمْ فِرَارًا وَّ لَمُلِئْتَ مِنْهُمْ رُعْبًا ﴿۱۸﴾ (سورۃ الکہف: ۱۸)

ترجمہ: ''اور ان کا کتا دہلیز پر اپنے دونوں ہاتھ پھیلائے ہوئے تھا''۔

یہاں بعض مفسرین نے اس کتے کے نام کے بارے میں تحقیق کی ہے چنانچہ

اس تحقیق کے پیچھے کوئی فائدہ نہیں لہٰذا اسے لغو قرار دیا جائے گا۔

قاعدہ نمبر (۳۲)

اَلْاَصْلُ حَمْلُ نُصُوْصِ الْوَحْیِ عَلٰی ظَوَاهِرِهَا اِلَّا لِدَلِيْلٍ۔

(اضواء البیان فی ایضاح القرآن بالقرآن ج ر ۲ ص ر ۲۳۸ دار الفکر)

حاصل قاعدہ:

کتاب وسنت کی نصوص میں اصل یہ ہے کہ ان کے ظاہر پر محمول کیا جائے الا یہ کہ خلاف ظاہر پر دلیل قائم ہو۔

تشریح:

کتاب وسنت کی نصوص میں اصل یہ ہے کہ ان کے ظاہر پر انہیں محمول کیا جائے، اور یہ اعتقاد کیا جائے کہ یہی مراد متکلم ہے خصوصاً ایمانیات اور اصول دین کے باب میں۔

ظاہر معنی اس معنی کو کہا جائے گا جس کی طرف ذہن سیاق و سباق پر نظر کرتے ہوئے مبادرت کرے۔ لہٰذا کبھی ایک ہی لفظ کا ظاہر کسی سیاق میں کچھ ہوتا ہے اور کسی سیاق میں کچھ اور ہوتا ہے۔

اس قاعدے میں بہت سے فرقوں پر رد ہے جیسے باطنیہ جن کا یہ عقیدہ ہے کہ قرآن کا ایک باطن ہے جس کو خاص لوگ ہی جان سکتے ہیں۔ جہمیہ پر جن کا صفات باری تعالیٰ کے متعلق ایک الگ ہی نقطۂ نظر ہے، اسی طرح مرجئہ پر جو عصاۃ مؤمنین کی تعذیب پر مشتمل آیات کو ترہیب محض پر محمول کرتے ہیں، ان تمام فرق باطلہ کے خیالات ونظریات کا اس قاعدہ میں جواب ہے۔

قاعدہ کے آخر میں ''الا لدلیل'' کی قید مذکور ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ بعض احوال میں نصوص کو خلاف ظاہر پر محمول کرنا ناگزیر ہوتا ہے۔

ذیل میں ہم ان مواقع کو ذکر کرتے ہیں۔

(۱) جب مخالفت اجماع لازم آئے۔

(۲) جب کہ کوئی معنی نص قطعی یا ظنی کے درجہ میں طے ہو تو وہاں ظاہر لفظ کے مقابلہ میں وہ طے شدہ معنی راجح ہوگا، اس لیے کہ معنی کبھی لفظ سے عام اور جامع ہوتا ہے اور کبھی لفظ سے خاص اور محدود ہوتا ہے اور جب معنی طے ہو تو الفاظ کا اعتبار نہیں ہوتا ہے۔

(۳) جب ظاہر پر محمول کرنے میں تعارض لازم آتا ہو۔

(۴) کبھی ظاہر کے مراد نہ ہونے پر اجماع ہوتا ہے یا کبھی شان نزول کی وجہ سے خلاف ظاہر معنی طے ہو جاتا ہے۔

مثال مع تطبیق:

وَ سَخَّرْنَا مَعَ دَاوٗدَ الْجِبَالَ يُسَبِّحْنَ وَ الطَّيْرَ ۭ وَ كُنَّا فٰعِلِيْنَ ۝

(سورۃ الانبیاء:۷۹)

ترجمہ: ''اور ہم نے داؤد کے ساتھ تابع کر دیا تھا پہاڑوں کو کہ (ان کی تسبیح کے ساتھ) وہ تسبیح کیا کرتے تھے اور پرندوں کو بھی''۔

یہاں حضرت داؤد علیہ السلام کے ساتھ پرندوں اور پہاڑوں کی تسبیح کا ذکر ہے یہاں بھی قاعدہ مذکورہ کی رو سے تسبیح کو ظاہر پر یعنی تسبیح حقیقی پر محمول کیا جائے کیونکہ اللہ رب العزت ان کے اندر ایسا ادراک پیدا کرنے پر قادر ہے جس سے وہ حقیقی تسبیح بجالائیں اور کتاب وسنت میں ہر شئی میں شعور وادراک کا ہونا مذکور ہے۔ مثلاً:

(الف) وَ اِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَ لٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا ۝ (سورۃ الاسراء:۴۴)

ترجمہ: ''اور کوئی چیز ایسی نہیں جو تعریف کے ساتھ اس کی پاکی بیان نہ کرتی ہو

لیکن تم لوگ ان کی پاکی بیان کرنے کو سمجھتے نہیں ہو''۔

(ب) وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ ؕ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَآءُ ؕ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۷۴﴾ (سورۃ البقرۃ: ۷۴)

ترجمہ ''اور بعضے پتھر تو ایسے ہیں جن سے (بڑی بڑی) نہریں پھوٹ کر چلتی ہیں اور انہی پتھروں میں بعضے ایسے ہیں کہ جو شق ہو جاتے ہیں پھر ان سے (اگر زیادہ نہیں تو تھوڑا ہی) پانی نکل آتا ہے اور انہی پتھروں میں بعض ایسے ہیں جو خدا تعالیٰ کے خوف سے اوپر سے نیچے لڑھک آتے ہیں''۔

(ج) اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ الْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَ اَشْفَقْنَ مِنْهَا وَ حَمَلَهَا الْاِنْسَانُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا ﴿۷۲﴾ (سورۃ الاحزاب: ۷۲)

ترجمہ: ''ہم نے یہ امانت (یعنی احکام جو لہ امانت کے ہیں) آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں کے سامنے پیش کی تھی سوانہوں نے اس کی ذمہ داری سے انکار کر دیا اور اس سے ڈر گئے''۔

(د) اسی طرح بخاری کی روایت میں ہے کہ کھجور کا تنا جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے ٹیک لگانا چھوڑ دیا تو وہ رونے لگا حتی کہ صحابۂ کرام نے بھی رونے کی آواز سنی۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۸۱ قدیمی کتب خانہ)

(ہ) نیز مسلم کی روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

قال رسول الله صلی الله عليه وسلم انی لأعرف حجرا بمكة كان يسلم علیّ قبل أن أبعث إني لأعرفه الآن۔

(صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۴۵ قدیمی کتب خانہ)

میں اس پتھر کو پہچانتا ہوں جو مکہ میں مجھ کو سلام کیا کرتا تھا۔

ان آیات و روایات سے معلوم ہوا کہ جمادات میں بھی ایک طرح کی حیات ہے جس کی وجہ سے خشیت و بکا تسبیح و سجود کی صفات ان میں پائی جاتی ہے، لہٰذا آیت مذکورہ میں بھی تسبیح اپنے حقیقی معنی پر محمول کی جائے گی۔

دیگر امثلہ

(۱) وَ نَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْـًٔا ؕ وَ اِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَيْنَا بِهَا ؕ وَ كَفٰى بِنَا حٰسِبِيْنَ۝ (سورۃ الانبیاء: ۴۷)

ترجمہ: ''اور (وہاں) قیامت کے روز ہم میزان عدل قائم کریں گے (اور سب کے اعمال کا وزن کریں گے)''۔

موازین جمع وارد ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت کے دن متعدد میزانیں رکھی جائیں گی ہر میزان میں ایک نوع کے اعمال تولے جائیں گے اس کی تائید اس آیت سے بھی ہوتی ہے۔

''فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۝ وَ مَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فِيْ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ۝
(سورۃ المؤمنون: ۱۰۲، ۱۰۳)

دونوں جگہ موازین جمع ہے لہٰذا جمع کو اس کے ظاہر یعنی جمع پر ہی قاعدہ مذکورہ کی رو سے رکھا جائے۔

(۲) وَ لِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ طَوْعًا وَّ كَرْهًا وَّ ظِلٰلُهُمْ بِالْغُدُوِّ وَ الْاٰصَالِ۝ (سورۃ رعد: ۱۵)

ترجمہ: ''اور اللہ ہی کے سامنے سب سرخم کیے ہوئے ہیں جتنے آسمانوں میں ہیں اور جتنے زمین میں ہیں خوشی سے اور مجبوری سے اور ان کے سائے بھی صبح اور شام کے وقتوں میں''۔

(۳) وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ ﴿۴۵﴾ (سورۃ البقرۃ:۴۵)

''ہاء'' ضمیر کے سلسلہ میں دو احتمال ہیں:

اول: یہ کہ اس کا مرجع صلاۃ اپنے معنی میں ہے۔

دوم: یہ کہ اس کا مرجع صلوۃ ہی ہے مگر معنی ہے اجابۃ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) مگر اول معنی ظاہر ہے دوسرا خلاف ظاہر ہے۔

قاعدہ نمبر (۳۳)

اَلْأَصْلُ فِيْ صِفَاتِ الْمَدْحِ اَنْ يُنْتَقَلَ فِيْهَا مِنَ الْاَدْنٰى اِلَى الْاَعْلٰى وَ صِفَاتُ الذَّمِّ بِعَكْسِ ذٰلِكَ۔

(البرھان فی علوم القرآن ج/۳ ص/۴۰۶ دار المعرفۃ)

حاصل قاعدہ:

صفات مدح میں اصل یہ ہے کہ ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف انتقال کیا جائے اور صفات ذم میں اس کے برعکس یعنی اعلیٰ سے ادنیٰ کی طرف انتقال کیا جاوے۔

تشریح:

مقام مدح میں صفت کو ذکر کرنے سے مقصد مدح میں تاکید وترقی اور اضافہ کو بتلانا ہوا کرتا ہے، اور اعلیٰ چونکہ ادنیٰ کو متضمن ہوتا ہے اس لیے اگر پہلے اعلیٰ کو ذکر کر دیا جائے تو بعد میں ادنیٰ کو لانے کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا، مثلاً ایک شخص کے تعارف میں پہلے ''رجل علامہ'' کہہ دیا جائے پھر اس کو ''رجل عالم'' کہا جائے تو اس سے کوئی جدید فائدہ حاصل نہ ہوگا

اس کے برعکس اگر پہلے عالم کہا جائے پھر علامہ تو یقیناً زیادتیٔ علم کی طرف اشارہ ہوگا۔

اور مقام ذم میں پہلے اعلیٰ اور شدید صفت کو ذکر کرتے ہیں پھر ادنیٰ اور خفیف کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

تطبیق مثال مدح:

قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ صَفْرَآءُ ۙ فَاقِعٌ لَّوْنُهَا تَسُرُّ النّٰظِرِيْنَ ﴿٦٩﴾ (سورۃ البقرۃ:۶۹)

ترجمہ: ''آپ نے فرمایا کہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ وہ ایک زرد رنگ کا بیل ہو جس کا رنگ تیز زرد ہو کہ ناظرین کو فرحت بخش ہو''۔

یہاں اولاً ''صفراء'' صفت لائی گئی جو ادنیٰ ہے پھر ''فاقع لونہا'' اعلیٰ صفت کو ذکر کیا گیا۔

تطبیق مثال ذم:

قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ لَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ لَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ وَ لَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّ هُمْ صٰغِرُوْنَ ﴿٢٩﴾

(سورۃ التوبۃ:۲۹)

ترجمہ: ''اہل کتاب جو کہ نہ خدا پر (پورا پورا) ایمان رکھتے ہیں اور نہ قیامت کے دن پر اور نہ ان چیزوں کو حرام سمجھتے ہیں جن کو خدا تعالیٰ اور اس کے رسول نے حرام بتلایا ہے اور نہ سچے دین (اسلام) کو قبول کرتے ہیں ان سے یہاں تک لڑو کہ وہ ماتحت ہو کر اور رعیت بن کر جزیہ دینا منظور کریں''۔

یہاں سب سے پہلی صفت لایؤمنون باللہ ولا بالیوم الآخر لائی گئی جو اشد ہے پھر اس کے بعد جو صفات ذکر کی گئیں وہ اپنے ماقبل سے ادنیٰ اور اخف ہیں۔

انتقال من الادنیٰ الی الاعلیٰ:

(۱)لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ وَ مَا بَيْنَهُمَا وَ مَا تَحْتَ الثَّرٰى ۝ وَاِنْ تَجْهَرْ بِالْقَوْلِ فَاِنَّهٗ يَعْلَمُ السِّرَّ وَاَخْفٰى ۝

(سورۃ طٰہٰ:۷)

ترجمہ:''اور(اس کے علم کی یہ شان ہے کہ)اگرتم پکار کر بات کہو تو وہ چپکے سے کہی ہوئی بات کو اور اس سے بھی زیادہ خفی بات کو جانتا ہے''۔

(۲)فَوَقٰهُمُ اللّٰهُ شَرَّ ذٰلِكَ الْيَوْمِ وَ لَقّٰهُمْ نَضْرَةً وَّ سُرُوْرًا ۝

(سورۃ الدھر:۱۱)

ترجمہ:''سو اللہ تعالیٰ ان کو (اس اطاعت واخلاص کی برکت سے) اس دن کی سختی سے محفوظ رکھے گا اور ان کو تازگی اور خوشی عطا فرماوے گا (یعنی چہروں پر تازگی اور خوشی دے گا)''۔

انتقال من الاعلیٰ الی الادنیٰ کی مثال:

(۱)قَالُوْا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ ۝ وَ لَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِيْنَ ۝ وَ كُنَّا نَخُوْضُ مَعَ الْخَآئِضِيْنَ ۝ وَ كُنَّا نُكَذِّبُ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ۝

(سورۃ المدثر:۴۳،۴۴،۴۵)

ترجمہ:''وہ کہیں گے ہم نہ تو نماز پڑھا کرتے تھے اور نہ غریب کو (جس کا حق واجب تھا) کھانا کھلایا کرتے تھے اور (جو لوگ دین حق کے ابطال کے مشغلہ میں رہتے تھے ان) مشغلہ میں رہنے والوں کے ساتھ ہم بھی (اس) مشغلہ (ابطال دین) میں رہا کرتے تھے''۔

قاعدہ نمبر (۳۴)

اَلْاِطْلَاقُ يَقْتَضِيْ الْمُسَاوَاةَ۔

(فتح الباری بشرح صحیح البخاری ج ۴ ص ۲۲۰ دار المعرفۃ بیروت)

حاصل قاعدہ:

اطلاق مساواۃ کا مقتضی ہوتا ہے۔

تشریح:

کسی شئی پر کوئی مطلق حکم لگایا جائے تو یہ حکم مطلق ہی رہے گا اور اس کے ہر ہر فرد پر بغیر کسی دلیل کے یکساں صادق آئے گا تخصیص وتقیید نہیں کی جائے گی۔

امثلہ

مثال: فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ ؕ ذٰلِكَ كَفَّارَةُ اَيْمَانِكُمْ اِذَا حَلَفْتُمْ ؕ وَ احْفَظُوْٓا اَيْمَانَكُمْ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۸۹﴾

(سورۃ مائدہ: ۸۹)

یہ آیت کفارہ یمین سے متعلق ہے اس میں ثلثہ ایام مطلق ہے لہٰذا مہینہ کے اوائل، اواسط اور اواخر تمام دنوں کو یکساں شامل ہوگا۔

مثال: فَاِطْعَامُ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا۔ (سورۃ مجادلہ: ۴)

اس میں مسکین مطلق ہے جو رجال، نساء اور صغار و کبار ہر ایک پر برابر صادق آتا ہے۔

مثال: فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ۔ (سورۃ النساء: ۹۲)

اس میں بھی مطلق رقبہ مراد ہے رقبہ کی ہر نوع کا حکم یکساں ہے، البتہ حدیث سے یہ ضرور معلوم ہوتا ہے کہ سب سے بہتر اور قیمتی غلام آزاد کرنا افضل ہے تو یہ تعیین نفس آیت کی وجہ سے نہیں بلکہ حدیث پاک کے ذریعہ ہوئی ہے۔

قاعدہ نمبر (۳۵)

اَلْاِقْتِرَانُ الْوَارِدُ فِي الْقُرْآنِ بَيْنَ بَعْضِ الْأَسْمَاءِ الْحُسْنٰى يَدُلُّ

عَلٰی مَزِیْدٍ مِنَ الْکَمَالَاتِ۔

حاصل قاعدہ:

اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ میں سے ایک سے زائد کا ایک جگہ ہو جانا ایک مزید معنی پیدا کرتا ہے۔

علامہ ابوالفضل عمر بن مسعود نے شعر میں اسی قاعدے کو نقل کیا ہے:

الاقتران الوارد ما بینھا　　اسماؤہُ الحسنی باي منھا

یُوخذ دلیلاً یُثْبَتَن زیادۃً　　وصف الکمالات الجلیلۃ عادۃً

(نشر العبیر فی منظومۃ قواعد التفسیر ج ۱/ص ۹۶)

تشریح:

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ہر کام جدا جدا مستقلاً اپنی فضیلت رکھتا ہے لیکن جب دو نام ایک ساتھ لائے جائے ہیں تو دونوں کے اجتماع سے ایک تیسرا معنی کمال مزید پر مشتمل وہاں پیدا ہو جاتا ہے۔

مثال: وھو العزیز الحکیم　(مختلف مقامات پر)

یہ آیت قرآن عزیز میں بار بار وارد ہوئی ہے اس لفظ عزیز سے اللہ تعالیٰ کے لیے قوت وغلبہ کا علم ہوا اور حکیم سے اس کی حکمت کا مگر ان دونوں کے ایک ساتھ مستعمل ہونے سے ایک زائد معنی یہ حاصل ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی قوت اس کی حکمت کے ساتھ مربوط ہے اور اس کی حکمت اس کی قوت وعزت (غلبہ) کے ساتھ جڑی ہوئی ہے یعنی جس طرح اہلِ قوت وغلبہ اپنی قوت کے نشہ میں جور وستم کے مرتکب ہو جایا کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ ایسے نہیں کیونکہ وہ حکیم ہے حکمت سے کام لیتا ہے اور اسی طرح مخلوق کا حال یہ ہے کہ وہ اپنی بعض مصالح کے پیش نظر اپنی عزت وشرافت کا سودا کر بیٹھتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ کی ذات ایسی نہیں وہ جہاں حکمت کا

معاملہ کرتا ہے وہاں بھی اس کی شان عزت وشرف علی حالہ باقی رہتی ہے۔

دیگر امثلہ

(۱) وَاللّٰہُ غَنِیٌّ حَمِیْدٌ (۲) وَاللّٰہُ عَلِیْمٌ حَکِیْمٌ

(۳) فَاِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَفُوًّا قَدِیْرًا (۴) وَاللّٰہُ عَلِیْمٌ حَلِیْمٌ

قاعدہ نمبر (۳۶)

اَلْاَمْرُ الْمُطْلَقُ یَقْتَضِیْ الْوُجُوْبَ اِلَّا لِصَارِفٍ۔

حاصل قاعدہ:

امر مطلق وجوب کا مقتضی ہوتا ہے الا یہ کہ کوئی قرینۂ صارفہ پایا جاوے۔

علامہ محمد امین الشنقیطی متوفی ۱۳۹۳ھ فرماتے ہیں:

"ان الامر یقتضی الوجوب الا لدلیل صارف عنه"۔

(اضواء البیان فی ایضاح القرآن بالقرآن ج/ ۵ ص ۱۵ دار الفکر)

علامہ بدر الدین عینی متوفی ۸۵۵ھ فرماتے ہیں:

"صیغة أمر یقتضي الوجوب لیس ذلک علی إطلاقه و إنما الأمر یقتضی الوجوب بصیغة إذا تجرد عن القرائن"۔

(عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری ج/ ۱۶ ص/ ۴۵ دار احیاء التراث العربی)

تشریح:

وجوب اور لزوم کے بہت سے قرائن وعلامات ہیں جن میں "امر مطلق" بھی داخل ہے، امر مطلق کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ امر وجوب یا عدم وجوب کے قرینہ سے خالی ہو ایسے امر کو وجوب پر ہی محمول کیا جائے گا، جب تک کہ وجوب سے ہٹانے والا کوئی قرینہ نہ پایا جائے۔

ہاں اگر وجوب کے علاوہ کسی اور معنی مثلاً ''ندب و اباحت'' پر دلالت کرنے والا کوئی قرینہ پایا جائے تو قرینہ کے مطابق معنی مراد ہوگا۔

تطبیق:

مجرد عن القرینہ کی مثالیں:

(۱) وَ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۵۶﴾ (سورۃ النور:۵۶)

(۲) وَ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَ لَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا وَّ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّ بِذِی الْقُرْبٰى وَ الْيَتٰمٰى وَ الْمَسٰكِيْنِ وَ الْجَارِ ذِی الْقُرْبٰى وَ الْجَارِ الْجُنُبِ وَ الصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَ ابْنِ السَّبِيْلِ ۙ وَ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرَا ﴿۳۶﴾ (سورۃ النساء:۳۶)

صارف عن الوجوب پر مشتمل امر کی مثالیں:

(۱) وَ اِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا ؕ۔

(۲) فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِی الْاَرْضِ وَ ابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَ اذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۱۰﴾ (سورۃ الجمعۃ:۱۰)

یہ دونوں امر اباحت کے لیے ہیں۔

(۳) وَ اَشْهِدُوْۤا اِذَا تَبَايَعْتُمْ ۪ وَ لَا يُضَآرَّ كَاتِبٌ وَّ لَا شَهِيْدٌ ؕ۬ وَ اِنْ تَفْعَلُوْا فَاِنَّهٗ فُسُوْقٌۢ بِكُمْ ؕ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ وَ يُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ ؕ وَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۲۸۲﴾ (سورۃ البقرۃ:۲۸۲)

یہ امر ارشاد کے لیے ہے۔

(۴) اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ ۙ اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۴۰﴾

(سورۃ فصلت: حم سجدہ فتح ۴۰)

یہاں امر برائے تہدید ہے۔

(۵) فَأْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ (سورۃ یونس:۳۸)

یہاں امر برائے تعجیز ہے۔

قاعدہ نمبر (۳۷)

اَلْاَمْرُ الْمُعَلَّقُ عَلٰی اِسْمٍ هَلْ يَقْتَضِي الْاِقْتِصَارَ عَلٰی اَوَّلِهٖ۔

(التمہید فی تخریج الفروع علی الاصول ج/۱ ص ۲۶۳، موسسۃ الرسالۃ بیروت، انوار البروق فی انواع الفروق ج/۲ ص ۶۷، التیسیر بشرح الجامع الصغیر ج/۱ ص ۱۸۶ مکتبۃ الامام الشافعی الریاض)

حاصل قاعدہ:

مامور بہ کی ادائیگی کیا ادنی فرد سے کافی ہوگی؟

تشریح:

قاعدہ کا حاصل یہ ہے کہ کوئی امر معنی کلی پر مشتمل ہو جس کے بہت سے افراد ہوں بعض ادنیٰ بعض اعلیٰ، بعض قلیل اور بعض کثیر ایسی صورت میں آیا ادنیٰ پر اکتفاء سے مامور بہ کا امتثال ہو جائے گا یا پھر اختیار کی راہ اختیار کرتے ہوئے اعلیٰ پر محمول کیا جائے گا۔

تو معلوم ہونا چاہیے کہ اس کی تین قسمیں ہیں:
(۱) قسم اول۔ (۲) قسم ثانی۔ (۳) قسم ثالث۔

(۱) قسم اول:

وہ ہے جس میں اعلیٰ کا امتثال بالاجماع ہے یہ قسم توحید اور اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات سے متعلق ہے، یعنی اس میں حتی المقدور اعلیٰ کا امتثال لازم ہوگا اس پر اس حدیث سے روشنی پڑتی ہے: "لا أحصي ثناء عليك أنت كما أثنيت على نفسك"۔

(صحیح ابن حبان ج/۵ ص/۲۸۵ موسسۃ الرسالۃ)

کہ آپ علیہ السلام یہ سمجھ رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی تعریف کا اعلیٰ سے اعلیٰ فرد مجھے بجالانا چاہیے مگر میں اس پر قادر نہیں ہوں اس لیے فرمایا انت کما اثنیت علی نفسک۔

(۲) قسم دوم:

جس میں فرد ادنی پر محمول کیا جائے گا یہ قسم ''اقاریر'' سے متعلق ہے یعنی اگر کوئی اقرار کرے کہ ''له عندی دنانیر'' تو اقل پر یعنی تین درہم پر محمول کیا جائے گا۔ کیونکہ یہاں اصل ذمہ سے براءت اور سبکدوشی ہے۔ لہٰذا ادنیٰ پر محمول کیا جائے جب تک کوئی قرینہ نہ ہو اور سابقہ قاعدہ چونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات سے متعلق ہے اس میں اصل ذات ربوبیت کی تعظیم اور مبالغہ ہے اس لیے وہاں اعلیٰ فرد پر محمول کیا گیا۔

(۳) قسم ثالث:

اس کی مختلف صورتیں ہیں بعض میں ادنی کا امتثال کافی ہے بعض میں اعلیٰ کا امتثال واجب ہے قاعدۂ مذکورہ پہلی شق (جس میں ادنیٰ کا امتثال کافی ہے) کے متعلق ہے دوسری شق کے متعلق اگلا قاعدہ آ رہا ہے۔

تطبیق:

فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ

یہاں ادنی پر اکتفاء درست ہے اس لیے کہ کفار میں نابالغ عورت اور کافر غلام کو آزاد کرنے سے کفارادا ہو جائے گا یہ جنس رقبہ کے ادنی افراد ہیں۔

دیگر امثلہ

(۱) وَ السَّارِقُ وَ السَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا

نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَ اللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝ (سورۃ المائدۃ:۳۸)

(۱) یہاں بھی ادنی پر اکتفاء صحیح ہے، یعنی اگر اقل نصاب سرقہ (دس درھم) بھی چوری کرے تو ہاتھ کاٹا جائے گا۔

(۲) فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا۔ (سورۃ النساء:۴۳)

یہاں بھی اکتفاء علی الادنیٰ درست ہے پس کل ما کان من جنس الارض سے تیمم صحیح ہوگا، یعنی ہر وہ شئ جو جنس ارض سے ہے اس پر تیمم کی اجازت ہوگی۔

قاعدہ نمبر (۳۸)

اَلْاَمْرُ بِالشَّیْءِ یَسْتَلْزِمُ النَّهْیَ عَنْ ضِدِّهٖ۔

(تفسیر بیضاوی ج/۵ ص ۳۴۸ دارالفکر)

علامہ فخر الدین رازی متوفی ۶۰۶ھ فرماتے ہیں:

"لان الامر بالفعل یستلزم النھی عن الترک"۔

(تفسیر کبیر ج/۲۰ ص/۸۶ دارالکتب العلمیۃ)

علامہ بدر الدین عینی متوفی ۸۵۵ھ فرماتے ہیں:

"ان الامر بالشئی یستلزم النھی عن ضدہ"۔

(عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری ج/۱ ص ۹۶ دار احیاء التراث العربی)

حاصل قاعدہ:

مامور بہ کی ضد منہی عنہ ہوگی۔

تشریح:

جب کسی کام کے کرنے کا حکم دیا جائے تو اس کا لازمی مطلب یہی ہوتا ہے کہ اس کی ضد سے بچا جائے کیونکہ کسی امر کی بجا آوری اس کی ضد کے ترک کے بغیر ممکن نہیں مثلاً

''اُسکُنْ'' میں امرِ سکون ہے جو نہی عن الحرکۃ کو مستلزم ہے، اس لیے کہ سکون کا تحقق حرکت کے انتفاء کے بغیر ممکن نہیں ہوسکتا، پس سکون کا امر نہی عن الحرکت پر مشتمل ہے مگر یہ نہی لزوم عقلی کے طور پر ثابت ہوتی ہے قصداً امر کے طور پر نہیں۔

تطبیق:

اللہ رب العزت نے قرآن عزیز میں ''توحید، نماز، زکوٰۃ، صوم، حج، بروالدین، صلہ رحمی اور عدل واحسان کا'' امر کیا ہے پس ان کے ضمن میں شرک، ترک صلوۃ، ترک زکوٰۃ، ترک صوم، ترک حج، قطع رحمی، والدین کے ساتھ بدسلوکی اور ظلم اور بدخلقی سے نہی بھی آ گئی۔

اسی طرح جہاں صبر وشکر، انابت ومحبت کا امر ہے وہیں جزع وسخط، کفران نعمت، جزع وفزع، اعراض عن اللہ سے نہی بھی مطلوب ہے۔

قاعدہ نمبر (۳۹)

اَلْاَمْرُ بِوَاحِدٍ مُبْهَمٍ مِنْ أَشْيَاءَ مُخْتَلِفَةٍ مُعَيَّنَةٍ هَلْ يُوْجِبُ وَاحِدًا مِنْهَا عَلَىٰ اِسْتِوَاءٍ۔

حاصل قاعدہ:

مختلف متعین چیزوں میں مبہم طور پر کسی ایک چیز کا امر کیا گیا ہو وہ تمام چیزیں وجوب میں مستوی ہوں گی۔

تشریح:

یعنی جہاں شریعت نے مختلف چیزوں کا امر کیا مگر مطلوب ان تمام مامورات میں کوئی ایک شئی لاعلی التعیین ہو ایسی صورت میں مامور بہ کا ہر فرد وجوب میں دوسرے فرد کے برابر ہوگا۔ یا ان کے وجوب میں تفاوت ہوگا؟

صحیح قول کے بہ موجب اگر ''کل اور جز یا اقل اور اکثر کے درمیان ہو تو تمام اشیاء کا وجوب باہم متفاوت ہوگا۔

مگر یہ قاعدہ اس وقت ہے، جب کہ تساوی یا تفاضل پر کوئی قرینہ ہو اگر قرینہ موجود ہو تو قرینے کے مطابق وجوب کا درجہ متعین ہوگا۔

تطبیق:

مثال جزء اول:

(اشیاء متباینہ کے درمیان)

فَكَفَّارَتُهٗٓ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ ؕ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ ؕ ذٰلِكَ كَفَّارَةُ اَيْمَانِكُمْ اِذَا حَلَفْتُمْ ؕ وَاحْفَظُوْٓا اَيْمَانَكُمْ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۸۹﴾ (سورۃ المائدۃ:۸۹)

ترجمہ: ''سو اس کا کفارہ دس محتاجوں کو کھانا دینا اوسط درجہ کا جو اپنے گھر والوں کو کھانے کو دیا کرتے ہو یا ان کو کپڑے دینا یا ایک گردن (یعنی ایک غلام یا لونڈی) آزاد کرنا''۔

یہاں کفارہ کے تعلق سے مختلف چیزوں کے درمیان اختیار دیا گیا ''اطعام مساکین، کسوۃ، تحریر رقبۃ'' اور یہ تینوں چیزیں ایک دوسرے سے الگ اور متباین ہیں پس ان سب میں کسی بھی ایک کا وجوب مساوی طور پر ہے۔

مثال جزء ثانی:

(اقل و اکثر کے مابین)

يٰٓاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ۙ﴿۱﴾ قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا ۙ﴿۲﴾ نِّصْفَهٗٓ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيْلًا ۙ﴿۳﴾ اَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا ؕ﴿۴﴾ (سورۃ مزمل:۱ تا ۴)

ترجمہ: ''اے کپڑوں میں لپٹنے والے رات کو (نماز میں) کھڑے رہا کرو مگر تھوڑی سی رات یعنی نصف رات (کہ اس میں قیام نہ کرو بلکہ آرام کرو) یا اس نصف سے کسی قدر کم کردو یا نصف سے کچھ بڑھادو اور قرآن کو خوب صاف صاف پڑھو (کہ ایک ایک حرف الگ الگ ہو)''۔

یہاں ثلث نصف اور ثلثین کے درمیان اختیار دیا گیا ہے ''انقص منه'' میں ثلث اور ''زد علیه'' میں ثلثین کا امر ہے اور یہ تینوں ایک دوسرے کے مقابلہ میں اقل و اکثر ہیں۔ پس ثلث آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حق میں واجب ہوگا کیوں کہ وہ ادنی فرد ہے اور اس سے اوپر جو ہے یعنی نصف اور ثلثین یہ درجۂ استحباب میں ہوں گے۔

قاعدہ نمبر (۴۰)

اَلْاَمْرُ لِجَمَاعَةٍ يَقْتَضِىْ وُجُوْبَهٗ عَلٰى كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمْ اِلَّا لِدَلِيْلٍ۔

(روضة الناظر و جنة المناظر ج۱/ص۲۰۷ جا الامام محمد بن مسعود الریاض، المسودة ج۱/ص۲۷ مکتبہ المدنی قاہرۃ)

حاصل قاعدہ:

جماعت کو کیا گیا امر ہر فرد پر وجوب کا متقاضی ہے اِلّا یہ کہ اختصاص پر کوئی دلیل ہو۔

تشریح:

کسی جماعت کو کیا گیا امر یا تو ایسے لفظ سے ہوگا جو عموم کا مقتضی ہے یا ایسے لفظ سے ہوگا جو مقتضیٔ عموم نہیں ہے۔

صورت اولیٰ: یعنی لفظ اگر مقتضیٔ عموم ہے تو دو حال سے خالی نہیں ہے یا تو اختصاص پر کوئی دلیل موجود ہوگی یعنی کوئی ایسی دلیل پائی جاتی ہوگی جس سے یہ معلوم ہو کہ

یہ خطاب بعض کے ساتھ خاص ہے جماعت کے ہر فرد سے متعلق نہیں ہے یا اس طرح کی دلیل نہ ہوگی پس اس صورت (یعنی لفظ مقتضی عموم اور تخصیص کی کوئی دلیل نہ ہو) کے متعلق یہ قاعدہ ہے کہ امر کا وجوب جماعت کے ہر فرد پر ہوگا کوئی اس سے مستثنیٰ نہ ہوگا کیونکہ ''افعلوا'' کا واؤ ''زیدون'' کے واؤ کی طرح ہے تعدد اشخاص پر دلالت کرنے میں گویا یوں کہا گیا ہر ہر فرد کو الگ الگ کہ ''افعل انت، و انت، و انت، و انت''۔

اور اگر عموم سے پھیرنے کے لیے کوئی دلیل موجود ہو تو وہ دلیل دو طرح کی ہوگی یا تو بعضے معین افراد کو خارج کرے گی یا غیر معین افراد کو خارج کرے گی صورت اولیٰ ہی کو عام مخصوص منہ البعض کہا جاتا ہے خواہ یہ تخصیص نام کی تعیین کے ذریعہ ہو جیسے:

اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمٍ مُّجْرِمِيْنَ ﴿۵۸﴾ اِلَّآ اٰلَ لُوْطٍ ۭ اِنَّا لَمُنَجُّوْهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۵۹﴾ (سورۃ الحجر: ۵۸، ۵۹)

ترجمہ: ''ہم ایک مجرم قوم کی طرف بھیجے گئے (مراد قوم لوط) مگر لوط (علیہ السلام) کا خاندان''۔

یا صفت کے ذریعہ ہو جیسے:

اَلْاَخِلَّاۗءُ يَوْمَىِٕذٍۢ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِيْنَ ﴿۶۷﴾

(سورۃ الزخرف: ۶۷)

ترجمہ: ''تمام (دنیوی) دوست اس روز ایک دوسرے کے دشمن ہو جائیں گے بجز خدا سے ڈرنے والوں کے''۔

پہلی آیت میں ''قوم مجرمین'' کے عموم میں تخصیص پیدا کرنے والا لفظ ''الا ال لوط'' ہے اور دوسری آیت میں ''الا المتقین'' ہے۔

اور اگر بعضے افراد غیر معینہ کو خارج کرے یا پھر خطاب ایسے لفظ سے ہو جو تعمیم کا مقتضی نہ ہو تو اس امر کا وجوب بر سبیل کفایہ ہوگا۔

مثال: خطاب بصیغۂ عموم دلیل اختصاص نہ ہونے کی صورت میں:

''وَ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ۝۵۶'' (سورۃ النور:۵۶)

ترجمہ: ''اور (اے مسلمانو) نماز کی پابندی رکھو اور زکوٰۃ دیا کرو''۔

یہاں صیغۂ عموم (جمع) کے ساتھ جماعۃ المسلمین کو خطاب ہے اور اختصاص پر کوئی دلیل نہیں ہے پس صلاۃ وزکوٰۃ کا امر ہر فرد جماعت کی طرف متوجہ ہوگا۔

مثال: خطاب بصیغۂ غیر عامہ:

''وَ لْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ يَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۝''

(سورۃ آل عمران:۱۰۴)

ترجمہ: ''اور تم میں ایک جماعت ایسی ہونا ضروری ہے کہ خیر کی طرف بلایا کریں اور نیک کام کرنے کو کہا کریں اور برے کاموں سے روکا کریں''۔

یہاں منکم سے تعیین ہوگئی کہ دعوت کا حکم ہر فرد جماعت پر نہیں بلکہ پوری جماعت پر علی سبیل الکفایۃ فرض ہے۔

قاعدہ نمبر (۴۱)

اَلْأَوْصَافُ الْمُخْتَصَّةُ بِالْإِنَاثِ اِنْ أُرِيْدَ بِهَا الْفِعْلُ لَحِقَهَا ''اَلتَّاءُ'' وَاِنْ أُرِيْدَ بِهَا الْقُوَّةُ جُرِّدَتْ مِنَ التَّاءِ۔

(اضواء البیان فی ایضاح القرآن بالقرآن ج/۴ ص/۲۵۵ دار الفکر)

حاصل قاعدہ:

صفات مختصہ بالاناث کا اگر بالفعل معنی مراد ہو تو اس پر تاء داخل ہوتی ہے اور اگر

بالقوۃ معنی مراد ہو تو تاء نہیں داخل ہوتی۔

تشریح:

جو صفات عورتوں کے ساتھ خاص ہیں ان کے متعلق ضابطہ یہ ہے کہ اگر وہ صفت بالفعل پائی جاتی ہو بالفعل کا مطلب یہ ہے کہ عورت میں ایک صفت ہے اور کسی وقت میں وہ عورت اسی صفت والا کام کر رہی ہے تو اس وقت کی کیفیت کو بتلانے کے لیے تائے تانیث کے ساتھ وہ صفت لائی جائے گی، اور اگر عورت میں وہ صفت بالفعل نہیں صرف بالقوۃ ہے یعنی عورت میں اس صفت کی اہلیت تو ہے مگر اس وقت اس صفت والا کام نہیں کر رہی ہے تو اس صورت میں یہ صفت تائے تانیث کے بغیر (مذکر کی شکل میں) لائی جائے گی۔

مثال: يَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّآ أَرْضَعَتْ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَتَرَى النَّاسَ سُكٰرٰى وَمَا هُمْ بِسُكٰرٰى وَلٰكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِيْدٌ ۝ (سورۃ الحج: ۲)

ترجمہ: ''جس روز تم لوگ اس (زلزلہ) کو دیکھو گے (اس روز) تمام دودھ پلانے والیاں (مارے ہیبت کے) اپنے دودھ پیتے بچے کو بھول جائیں گی''۔

تطبیق:

یہاں مرضعہ بالفعل مراد ہے اس لیے مرضع کی بجائے مرضعہ ''تا'' کے ساتھ ذکر کیا گیا۔

قاعدہ مذکورہ کی رو سے آیت کا مفہوم یہ ہوگا کہ قیامت کا منظر ایسا ہولناک ہوگا کہ ایک ماں اپنے بچہ کو دودھ پلا رہی ہوگی اور اسی دودھ پلانے کی حالت میں دہشت و ہیبت کے غلبہ کے سبب وہ اپنے دودھ پیتے بچہ کو بھول جاوے گی۔ آیت کریمہ کی بلاغت پر غور کیجیے کہ ایک عورت ہے جو دودھ پلانے کے قابل ہے مگر اس وقت وہ دودھ پلانے میں مشغول نہیں ہے وہ اپنے بچہ کو بھول جائے تو زیادہ قابل تعجب نہیں مگر وہ عورت جو بالفعل

اپنے بچے کو دودھ پلا رہی ہے اسی دودھ پلانے کی حالت میں دہشت و ہیبت کے غلبہ کے سبب وہ اپنے دودھ پیتے بچے کو بھول جائے گی اور کس قدر قیامت کی ہولنا کی کو ظاہر کرنے والی بات ہے اور یہاں پر یہی مفہوم مقصود ہے۔

قاعدہ نمبر (۴۲)

اَلآيَاتُ الَّتِي تُوهِمُ التَّعارُضَ يُحْمَلُ كُلُّ نَوْعٍ مِنْهَا عَلَى مَا يَلِيقُ بِهٖ وَ يُنَاسِبُ الْمَقَامَ، كُلٌّ بِحَسْبِهٖ۔

(القواعد الحسان فی تفسیر القرآن ج ۱/ ص ۲۵ مکتبہ مشکاۃ الاسلامیۃ)

حاصل قاعدہ:

جن دو آیتوں کے مابین تعارض کا وہم ہو ان میں سے ہر ایک کو مقام کے مقتضی کے اعتبار سے جدا جدا محمل پر رکھا جائے۔

تطبیق:

فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُسْـَٔلُ عَنْ ذَنْۢبِهٖۤ اِنْسٌ وَّلَا جَآنٌّ ﴿۳۹﴾

(سورۃ الرحمن: ۳۹)

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ جن وانس سے گناہوں کے متعلق سوال نہ ہوگا جب کہ دوسری آیتوں سے سوال کا اثبات ہوتا ہے۔ مثلاً:

وَقِفُوْهُمْ اِنَّهُمْ مَّسْـُٔوْلُوْنَ ﴿۲۴﴾ (سورۃ الصافات: ۲۴)

وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ فَيَقُوْلُ مَاذَآ اَجَبْتُمُ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۶۵﴾

(سورۃ القصص: ۶۵)

اَيْنَمَا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ ﴿۹۲﴾ (سورۃ الشعراء: ۹۲)

ان آیتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ سوال ہوگا اب دونوں کا محمل جدا جدا متعین کیا جائے پس جہاں سوال کا اثبات ہے وہاں سوال تہویل وتقریع مراد ہے اور جہاں سوال کی

نفی ہے، وہاں مراد سوال استعلام ہے۔

دیگر امثلہ

(۱) بعض آیات میں آیا ہے کہ کفار قیامت کے دن تکلم نہیں کریں گے اور بعض آیات میں ہے کہ تکلم کریں گے پس اس کو اختلاف احوال، اختلافِ اوقات اور اختلاف مواقف پر محمول کر کے تعارض کو دفع کیا جائے گا۔

(۲) بعض آیات میں خدا کے کفار سے ہم کلام ہونے کی نفی وارد ہے جب کہ دیگر آیات میں اثبات ہے پس کلام منفی کو کلام رضا (خوشی اور رضامندی کا کلام) پر محمول کیا جائے اور کلام مثبت کو کلام تفریع وتوبیخ پر محمول کیا جائے۔

(۳) بعض آیات میں آیا کہ قیامت کے روز لوگوں میں آپس میں حسب ونسب باقی نہیں رہے گا جیسے سورۂ مؤمنون میں ہے:

فَاِذَا نُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَلَآ اَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَّ لَا يَتَسَآءَلُوْنَ ﴿۱۰۱﴾ (سورۃ مؤمنون:۱۰۱)

جب کہ سورۂ عبس کی آیات سے نسب کا اثبات ہوتا ہے"

يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِيْهِ ﴿۳۴﴾ وَ اُمِّهٖ وَ اَبِيْهِ ﴿۳۵﴾ وَ صَاحِبَتِهٖ وَ بَنِيْهِ ﴿۳۶﴾ (سورۃ عبس:۳۴تا۳۶)

پس دونوں کو اس طرح دفع کیا جائے کہ نسب کے اثبات کو حقیقت پر محمول کیا جائے اور نفی نسب کو انتفاع پر محمول کیا جائے یعنی نسب تو ہوں گے مگر ان سے کوئی فائدہ نہ ہوگا۔

قاعدہ نمبر (۴۳)

اَلْاِیْمَانُ بِظَاهِرِ التَّنْزِیْلِ فَرْضٌ وَ مَاعَدَاهُ فَمَوْضُوْعٌ عَنَّا تَکَلُّف

عَمَلَهٖ اِذَا لَمْ تَأْتِ بِالْبَيَانِ عَنْهُ دَلَالَةٌ مِنْ كِتَابٍ اَوْ خَبَرٍ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

حاصل قاعدہ:

قرآن مجید کے ظاہر پر ایمان لانا فرض ہے اور جن مبہمات کی توضیح کتاب و سنت میں نہیں آئی ہے ان کو جاننا دائرۂ تکلیف سے خارج ہے۔

علامہ ابن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ فرماتے ہیں:

"و الایمان بظاهر التنزیل فرض و ما عداه فموضوع عنا تکلف علمه"۔ (تفسیر طبری ج/۱۵ ص/۱۶ موسسۃ الرسالۃ بیروت)

تشریح:

ایک بندہ پر قرآن مجید کے تعلق سے یہ اعتقاد رکھنا کہ پورا قرآن حق ہے فرض ہے، نیز قرآن مجید کے جن احکام وتعلیمات سے بندوں کی منفعت وابستہ ہے ان کو بھی سیکھنے اور معلوم کرنے پر بندوں کو مامور اور مکلف کیا گیا ہے البتہ جن امور کو اللہ تعالیٰ نے پردۂ خفا میں رکھا ہے۔ مثلاً امور غیبیہ یا گذشتہ اقوام کے وقائع کی تفصیل وجزئیات ان کو معلوم کرنے کے درپے ہونا اشتغال بالعبث ہے، پس قرآن نے جن باتوں کو بیان کر دیا ہے ہم ان پر ایمان رکھتے ہیں اور جن باتوں کو مبہم رکھا ہے ہم اس سلسلہ میں توقف کریں اور اس کا علم اللہ کے حوالہ کر دیں۔

تطبیق مع امثال:

وَ شَرَوْهُ بِثَمَنٍۭ بَخْسٍ دَرَاهِمَ مَعْدُوْدَةٍ ۚ وَ كَانُوْا فِيْهِ مِنَ الزّٰهِدِيْنَ۝۲۰ (سورۃ یوسف:۲۰)

ترجمہ: "اور (یہ کہہ کر) ان کو بہت ہی کم قیمت میں بیچ ڈالا (یعنی گنتی کے چند

دراہم کے عوض)''۔

قرآن عزیز نے ثمن یوسف کی مقدار کو مبہم رکھا ہے، بعض مفسرین نے اس کی تحقیق وجستجو کر کے متعدد اقوال بتائے ہیں کسی نے بیس کہا کسی نے کہا بائیس درہم تھے کسی نے کہا چالیس درہم تھے وغیرہ۔ اس کے درپے ہونا لایعنی اور عبث ہے اتنا ہمیں ایمان رکھنا ہے کہ وہ دراہم عددی تھے یعنی ان کا تبادلہ کیا جاتا تھا وزنا نہیں۔

اشباہ ونظائر

(۱) وَ لَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗۤ اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّ عِلْمًا ؕ وَ كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِيْنَ۝۲۲ (سورۃ یوسف:۲۲)

ترجمہ:''اور جب وہ اپنی جوانی کو پہنچے ہم نے ان کو حکمت اور علم عطا فرمایا''۔

''اشد'' کی تفسیر میں متعدد اقوال ذکر کیے گئے ہیں کسی نے کہا اشد عمر ۲۳ سال کی عمر ہے۔ بعض نے کہا بیس سال، بعض نے اٹھارہ سال بتایا ہے، کتاب وسنت میں اس کی تحدید وتعیین نہیں آئی ہے۔ آیت سے اتنا معلوم ہوتا کہ'' قوت وشباب کے عروج کا زمانہ'' مراد ہے اب وہ اٹھارہ سال بھی ہوسکتا ہے، بیس بھی اور تیس بھی پس اس کی تعیین کے پیچھے پڑھنا ایک غیر ضروری امر ہے۔

قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَاۤ اَنْزِلْ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ۔ (سورۃ مائدۃ:۱۱۴)

ترجمہ:''عیسیٰ ابن مریم نے دعا کی کہ اے اللہ ہمارے پروردگار ہم پر آسمان سے کھانا نازل فرمایئے''۔

اس مائدہ میں کیا تھا؟ مفسرین نے اسکے سلسلہ میں مختلف اقوال ذکر کیے ہیں:
کسی نے کہا کہ ماکول شئی تھی کسی نے کہا مچھلی اور روٹی تھی، کسی نے کہا جنت کے

پھلوں میں سے کوئی پھل تھا قرآن وسنت میں کہیں اس کی تعیین نہیں آئی ہے پس اس کے در پے ہونا عبث ہے کیونکہ اس کے علم میں کوئی فائدہ نہیں اور اس کی جہالت مضر نہیں۔

قاعدہ نمبر (۴۴)

اَلتَّعَجُّب كَمَا يَدُلُّ عَلىٰ مَحَبَّةِ اللهِ الْفِعلَ فَإِنَّهٗ قَدْ يَدُلُّ عَلىٰ بُغْضِهٖ أَوْ اِمْتِنَاعِهٖ وَ عَدَمِ حُسْنِهٖ أَوْ يَدُلُّ عَلىٰ حُسْنِ الْمَنْعِ مِنْهُ وَ أَنَّهٗ لَا يَلِيْقُ فِعْلُهٗ۔

(تیسیر الکریم الرحمن فی تفسیر کلام المنان ج ۱ ص ۳۳ موسسۃ الرسالۃ، البرھان فی علوم القرآن ج ۲ ص ۱۴ دار المعرفۃ، بدائع الفوائد ج ۴ ص ۸۱۴ مکتبہ نزار مصطفی الباز)

حاصل قاعدہ:

کسی امر پر تعجب جس طرح محبوبیت عنداللہ کو بتلاتا ہے اسی طرح مبغوضیت عنداللہ وممنوعیت اور اس کے غیر مستحسن ہونے پر بھی دلالت کرتا ہے۔ نیز حسن منع کے طور پر اس امر کے قابل ترک ہونے پر دال ہوتا ہے۔

تعجب دال علی البغض کی مثال:

(۱) وَ اِنْ تَعْجَبْ فَعَجَبٌ قَوْلُهُمْ ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا ءَاِنَّا لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ۬ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ ۚ وَ اُولٰٓئِكَ الْاَغْلٰلُ فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ ۚ وَ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ۝۵ (سورۃ الرعد: ۵)

ترجمہ: "اور (اے محمد) اگر آپ کو تعجب ہو تو (واقعی) ان کا یہ قول تعجب کے لائق ہے"۔

تعجب دال بر امتناع حکم کی مثال:

كَيْفَ يَكُوْنُ لِلْمُشْرِكِيْنَ عَهْدٌ عِنْدَ اللهِ وَ عِنْدَ رَسُوْلِهٖٓ اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ فَمَا اسْتَقَامُوْا لَكُمْ فَاسْتَقِيْمُوْا لَهُمْ ؕ اِنَّ

اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ۞ (سورۃ التوبۃ:۷)

ترجمہ: ''ان مشرکین (قریش) کا عہد اللہ تعالیٰ کے نزدیک اور اس کے رسول کے نزدیک کیسے (قابل رعایت) رہے گا''۔

تعجب دال پر نا قابل عمل کی مثال:

كَيْفَ يَهْدِى اللّٰهُ قَوْمًا كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ وَ شَهِدُوْٓا اَنَّ الرَّسُوْلَ حَقٌّ وَّ جَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۞

(سورۃ آل عمران:۸۶)

ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو کیسے ہدایت کریں گے جو کافر ہو گئے بعد اپنے ایمان لانے کے''۔

قاعدہ نمبر (۴۵)

اَلتَّعْقِيْبُ بِالْمَصْدَرِ يُفِيْدُ التَّعْظِيْمَ اَوِ الذَّمَّ۔

علامہ ابوالفضل عمر بن مسعود نے شعر میں اسی قاعدے کو بیان کیا ہے:

تعقيبه بالمصدر ذاكم يُفِدْ و صفا يُعظَم او يُذمَن فَاستَفِدْ

(نشر العبیر فی منظومۃ قواعد التفسیر ج ۱ ص ۷۹)

حاصل قاعدہ:

فعل کو حذف کر کے مصدر کو اس کے قائم مقام کر دینا تعظیم یا مذمت کا فائدہ دیتا ہے۔

تعظیم کی مثال:

صِبْغَةَ اللّٰهِ ۚ وَ مَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً ۫ وَّ نَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ ۞ (سورۃ البقرۃ:۱۳۸)

ترجمہ: ''ہم (دین کی) اس حالت پر ہیں جس میں (ہم کو) اللہ تعالیٰ نے رنگ دیا ہے''۔

ذم کی مثال:

کسی آدمی کے عیوب کو بیان کر کے یہ کہنا کہ ''صنع الشیطان'' ای صنع صنع الشیطان۔

دیگر امثلہ

(۱) صُنْعَ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اَتْقَنَ كُلَّ شَيْءٍ ۭ اِنَّهٗ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَفْعَلُوْنَ ﴿٨٨﴾

اَیْ اُنْظُرُوْا صُنْعَ اللّٰہِ۔ (سورۃ نمل: ۸۸)

(۲) فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ۭ لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ڎ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٣٠﴾

اَیْ اِلْزِمُوْا دِیْنَ اللّٰہِ۔ (سورۃ روم: ۳۰)

(۳) وَعْدَ اللّٰهِ ۭ لَا يُخْلِفُ اللّٰهُ وَعْدَهٗ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٦﴾

اَیْ اِرْتَقِبُوْا وَعْدَ اللّٰہِ۔ (سورۃ روم: ۶)

قاعدہ نمبر (۴۶)

اَلتَّفْسِیْرُ اِمَّا بِنَقْلٍ ثَابِتٍ اَوْ رَأْیٍ صَائِبٍ وَ مَا سِوَاھُمَا فَبَاطِلٌ۔

حاصل قاعدہ:

تفسیر کا ماخذ نقل صحیح ہے یا عقل سلیم اس سے ہٹ کر جو تفسیر کی جائے وہ مردود اور ناقابل قبول ہوگی۔

علامہ ابن تیمیہ متوفی ۷۲۸ھ فرماتے ہیں:

"و مثل هذا لا يجوز أن تبنى عليه الشريعة و لا يحتج به في الدين باتفاق المسلمين، فإن هذا من جنس الإسرائيليات و نحوها اللتي لا تعلم صحتها إلا بنقل ثابت عن النبي صلى الله عليه وسلم و هذه لو نقلها مثل كعب الأحبار و وهب ابن منبه و أمثالهما ممن ينقل أخبار المبتدأ و قصص المتقدمين عن أهل الكتاب لم يجز أن يحتج بها عن دين المسلمين باتفاق المسلمين"۔ (التوسل والوسیلۃ ج ۱ / ص ۸۷ المکتب الاسلامی بیروت)

علامہ ابوالفضل عمر بن مسعود نے شعر میں اسی قاعدے کو بیان کیا ہے:

الاصل في التفسير نقل حاصل أو صائب رأى سواه الباطل

(نشر العبیر فی منظومۃ قواعد التفسیر ج ۱ / ص ۷۴)

تشریح:

قرآن مجید کی تفسیر کے بنیادی مآخذ دو ہیں۔ نقل صحیح، عقل سلیم، پھر نقل صحیح کے تحت درج ذیل مآخذ داخل ہیں۔

(۱) کتاب اللہ۔ (۲) سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

(۳) اقوال صحابہ۔ (۴) اقوال تابعین۔ (۵) لغت۔

قاعدہ نمبر (۴۷)

اَلتَّفسِيرُ بَعْدَ الإِبْهَامِ يَدُلُّ عَلَى التَّهوِيلِ وَ التَّعْظِيمِ۔

(التسہیل لعلوم التنزیل ج ۴ / ص ۲۱۶ دار الکتاب العربی لبنان)

حاصل قاعدہ:

ابہام کے بعد تفسیر، تہویل اور تعظیم پر دلالت کرتی ہے۔

تشریح:

قرآن مجید ایک بات کو اولاً مبہم انداز میں ذکر کرتا ہے پھر اس کی توضیح وتفسیر کرتا

ہے اس انداز کلام سے مقصد اس مضمون کی عظمت اور ہولنا کی کو بتلانا ہوتا ہے۔

مثال: كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۳﴾ ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۴﴾ كَلَّا لَوْ تَعْلَمُوْنَ عِلْمَ الْيَقِيْنِ ﴿۵﴾ لَتَرَوُنَّ الْجَحِيْمَ ﴿۶﴾ (سورۃ التکاثر: ۳تا۵)

ترجمہ: ”ہرگز نہیں تم کو بہت جلد (قبر میں جاتے) ہی معلوم ہو جاوے گا پھر (دوبارہ تم کو متنبہ کیا جاتا ہے کہ) ہرگز (تمہاری یہ حالت ٹھیک) نہیں بہت جلد معلوم ہو جائے گا ہرگز نہیں (اور) اگر تم یقینی طور پر (دلائل صحیحہ واجب الاتباع سے اس بات کو) جان لیتے واللہ تم لوگ ضرور دوزخ کو دیکھو گے“۔

یہاں ”کلا سوف تعلمون“ میں معمول حذف کر دیا گیا اسی طرح ”لو تعلمون علم الیقین“ میں بھی معمول کو حذف کر کے مبہم رکھا گیا پھر اس کی تفسیر ”لترون الجحیم“ سے کی گئی تا کہ ابہام کے بعد تفسیر سے تہویل اور تعظیم کا معنی پیدا ہو۔

قاعدہ نمبر (۴۸)

اِنَّ الْاَلْفَاظَ الْمَوْجُوْدَةَ فِی الْقُرْآنِ وَ الْحَدِیْثِ إِذَا عُرِفَ تَفْسِيْرُهَا وَ مَا أُرِيْدَ مِنْ جِهَةِ النَّبِيِّ لَمْ يُحْتَجَّ فِيْ ذٰلِكَ إِلَى الْإِسْتِدْلَالِ بِأَقْوَالِ اَهْلِ اللُّغَةِ وَ لَا غَيْرِهِمْ۔

(مجموع الفتاوی ج ۷ ص ۲۸۶ دار الوفا سن طباعت ۱۴۲۶ھ)

حاصل قاعدہ:

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے تفسیر منقول ہونے کے بعد کسی دوسرے قول کی حاجت نہیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ معصوم مؤید بالحق بلکہ حق جل مجدہ کی جانب سے منتخب کردہ قرآن کے شارح اور مبین تھے اس لیے مراد الٰہی سے آپ جس قدر واقف ہو سکتے تھے کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا پس آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے جس آیت کی تفسیر منقول ہو اس

میں لغت یا شواہد عرب وغیرہ کا سہارا لے کر کوئی دوسرا قول نہیں کیا جائے گا۔

مثلاً ایمان، صلوۃ، زکوٰۃ وغیرہ کا معنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے بیان کر دیا گیا ہے لہٰذا اس سے ہٹ کر کوئی اور معنی مراد نہیں لیا جا سکتا۔

قاعدہ نمبر (۴۹)

اِنَّمَا یَتَنَاقَضُ الْخَبَرَانِ اللَّذَانِ اَحَدُهُمَا نَفْیٌ وَ الْآخَرُ اِثْبَاتٌ اِذَا اسْتَوَیَا فِیْ الْخَبَرِ وَ الْمُخْبَرِ عَنْهُ وَ فِیْ الْمُتَعَلِّقِ بِهِمَا وَ فِیْ الزَّمَانِ وَ الْمَکَانِ و فِیْ الْحَقِیْقَةِ وَ الْمَجَازِ (عند القائل به)۔

حاصل قاعدۃ:

دو خبریں جن میں ایک منفی ہو دوسری مثبت تو ان میں تناقض کا تحقق اسی وقت ہو سکتا ہے جب کہ خبر مخبر عنہ نیز ان کے متعلق زمان و مکان اور حقیقت و مجاز میں اتحاد ہو۔

علامہ ابو الفضل عمر بن مسعود نے ان اشعار میں اس قاعدے کو نقل کیا ہے:

تناقض یحصل فی الخبران — نفی لواحد و ثبت ثان
او استوی فی الخبر و الخبر — عنه تعلق لهما فی خبر
و فی زمان او مکان مستقر — حقیقة فیها المجاز منتصر

(نشر العبیر فی منظومة قواعد التفسیر ج ۱/ص ۹۸)

تشریح:

اگر دو خبریں ہوں جن میں ایک مثبت ہو دوسری منفی لیکن نفی کا محمل کچھ اور ہو اور اثبات کا محل الگ ہو مثلاً نفی کسی ایک حالت کے متعلق ہو اور اثبات دوسری حالت سے متعلق ہو یا نفی کا تعلق کسی خاص وقت کے ساتھ ہو اور اثبات کا اس کے علاوہ وقت کے ساتھ تو اس کو "تناقض و تعارض" نہیں کہا جائے گا۔

تناقض وتعارض کا تحقق اسی وقت ہوسکتا ہے جب کہ نفی اور اثبات ایک ہی شئی کے متعلق ایک ہی حالت میں اور ایک ہی زمان ومکان سے متعلق ہو اس طرح کے تعارض سے کتاب اللہ پاک ہے: شعر:

در تناقض هشت وحدت شرط دان　　وحدت موضوع و محمول و مکان

وحدت شرط و اضافت جزء و کل　　قوت و فعل است در آخر زمان

قاعدہ نمبر (۵۰)

اَلتَقَدُّمُ فِیْ الذِکْرِ لَا یَعْنِیْ التَقَدُّمَ فِی الْوُقُوْعِ وَ الْحُکْمِ۔

حاصل قاعدہ:

تقدم فی الذکر تقدم فی الوقوع اور تقدم فی الحکم کو مستلزم نہیں۔

علامہ فخر الدین رازی متوفی ۶۰۶ھ فرماتے ہیں:

"فأما التقدم فی الذکر فغیر واجب لأنه تارة یتقدم ذکر السبب علی ذکر الحکم وأخری علی العکس من ذلک"۔

(تفسیر کبیر ج ر ۳ ص ۱۱۲ دار الکتب العلمیة، فتح القدیر للشوکانی ج ر ۱ ص ۱۰۰ دار الفکر)

تشریح:

جب چند چیزیں بالترتیب ذکر کی جاتی ہیں تو ان کی ترتیب ذکری سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان کا وقوع اور ان کا درجہ بھی اسی ترتیب کے مطابق ہے، بلکہ کبھی کبھار تو اس ترتیب ذکری سے ان امور کی ترتیب وقوع وترتیب رتبی کو بتلانا مقصود ہوتا ہے مگر ایسا ہمیشہ نہیں بلکہ کبھی اس کے برخلاف ذکر میں تقدیم وتاخیر بھی واقع ہوتی ہے اور اس کی کوئی علت ہوتی ہے جو متعین نہیں بلکہ مقام کی مناسبت سے مختلف ہوتی رہتی ہے اور سیاق وسباق سے مفہوم ہوتی ہے اور کبھی اس کی علت وحکمت نہایت مخفی اور غیر واضح ہوتی ہے، ایسے مقامات پر تفویض

الی اللہ سے کام لیتے ہوئے یہی کہنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اپنی حکمتوں کو بہتر جانتے ہیں۔

مثال: وَ اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖۤ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً ؕ قَالُوْۤا اَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا ؕ قَالَ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ۝۶۷

ترجمہ: ''اور (وہ زمانہ یاد کرو) جب موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنی قوم سے فرمایا کہ حق تعالیٰ تم کو حکم دیتے ہیں کہ تم ایک بیل ذبح کرو۔۔۔اور جب تم لوگوں (میں سے کسی) نے ایک آدمی کا خون کر دیا اور پھر ایک دوسرے پر اس کو ڈالنے لگے''۔

مثال مذکور میں ذبح بقرہ کا ذکر تفتیش قاتل پر مقدم ہے حالانکہ واقعہ کی ترتیب اس کے برعکس ہے۔

دیگر امثلہ

(۱) وَ اِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِيّٖنَ مِيْثَاقَهُمْ وَ مِنْكَ وَ مِنْ نُّوْحٍ (سورۃ احزاب:۷)

(۲) اِنِّيْ مُتَوَفِّيْكَ وَ رَافِعُكَ اِلَيَّ۔ (سورۃ آل عمران:۵۵)

(۳) شِئْتُمْ رَغَدًا وَّ ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّ قُوْلُوْا حِطَّةٌ (سورۃ بقرہ:۵۸)

اور حِطَّةٌ وَّ ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا (سورۃ اعراف:۱۶۱)

قاعدہ نمبر (۵۱)

اَلتَّكْرِيْرُ يَدُلُّ عَلَى الْاِعْتِنَاءِ۔

حاصل قاعدہ:

تکرار اہمیت پر دال ہوتا ہے۔

علامہ ابوالفضل عمر بن مسعود نے شعر میں اسی قاعدے کو نقل کیا ہے:

اعلم فللتوکید یاذا فائدہ منھا اعتناء و اھتمام شاھدہ

(نشر العبیر فی منظومۃ قواعد التفسیر ج ۱ص ۹۸)

تشریح:

قرآن کریم میں جن احکام و نصائح یا حقائق و وقائع کا ذکر مکرر آیا ہے تو اس کی وجہ اس کی اہمیت کو ظاہر کرنا ہے مثلاً صفات باری تعالیٰ، قصص انبیاء اور احوال آخرت وغیرہ کا تکرار ان مضامین کی قدر و قیمت اور عظمت و اہمیت کو بتلانے کے لیے ہے۔

مثال: اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ ۝ حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ۝

(سورۃ التکاثر: ۱، ۲)

ترجمہ: ''(دنیاوی سامان پر) فخر کرنا تم کو آخرت سے غافل کیے رکھتا ہے یہاں تک کہ تم قبرستان پہنچ جاتے ہو ہرگز نہیں''۔

تطبیق:

مطلب یہ ہے کہ اموال و اولاد کی کثرت نے تمھیں معاد سے غافل کر دیا ہے لہٰذا اس پر ''کلا سوف تعلمون'' کے ذریعہ زجر کیا گیا بایں طور کہ پہلے ''کلا'' کے ذریعہ انکار کیا گیا، پھر اس کے بعد ''سوف تعلمون'' کے ذریعہ تہدید کی گئی پھر ''کلا'' ثانیہ کے ذریعہ اول تہدید کو مؤکد کیا گیا بعد اس کے پھر ''سوف تعلمون'' کے ذریعہ مزید تاکید پیدا کی گئی یہ سب تہدیدات مکررہ استعداد آخرت کے مہتم بالشان ہونے کے پیش نظر کی گئی ہیں۔

فوائد تکرار:

(۱) تقریر: یعنی کسی بات کو اچھی طرح ثابت کر دینا کما قیل: ''الکلام اذا تکرر تقرر''۔

قصص قرآنیہ اور آیاتِ انداز میں تکرار، تقریر ہی کی غرض سے ہے تکرار کے اس

فائدے کی طرف قرآن اشارہ کرتے ہوئے کہتا ہے:

"صَرَّفْنَا فِیْهِ مِنَ الْوَعِیْدِ لَعَلَّهُمْ یَتَّقُوْنَ اَوْ یُحْدِثُ لَهُمْ ذِكْرًا ﴿۱۱۳﴾"۔

(۲) تاکید: مثلاً جزاء کم جزاء موفوراً اور تسیر الجبال سیراً

(۳) نافی تہمت برتنبیہ مزید: یعنی کلام کے اس جز پر زور تنبیہ کرنا جو تہمت کی نفی کرتے ہیں تاکہ کلام مکمل طور پر مقبول ہو جائے۔ مثلاً:

وَ قَالَ الَّذِیْٓ اٰمَنَ یٰقَوْمِ اتَّبِعُوْنِ اَهْدِكُمْ سَبِیْلَ الرَّشَادِ ﴿۳۸﴾ یٰقَوْمِ اِنَّمَا هٰذِهِ الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا مَتَاعٌ ۫ وَّ اِنَّ الْاٰخِرَةَ هِیَ دَارُ الْقَرَارِ ﴿۳۹﴾

(سورۃ مومن: ۳۸، ۳۹)

اس میں قوم کا تکرار ہے جس کا فائدہ یہاں یہ ہے کہ اس رجل مومن نے جب کہ قوم سے بغرض ہدایت اپنی اتباع کا مطالبہ کیا تو ڈر تھا کہ ان کی دنیوی ریاست اور دنیوی آسائش و آرائش قبول کلام میں مانع بن جائے اس لیے "یاقوم" سے اس کی نفی کر دی۔

(۴) تجدید کلام: یعنی جب کلام طویل ہو جائے اور بھول جانے کا اندیشہ ہو تو تکرار کے ذریعہ کلام کا وہ حصہ یاد دلایا جاتا ہے مثلاً:

لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ یَفْرَحُوْنَ بِمَآ اَتَوْا وَّ یُحِبُّوْنَ اَنْ یُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ یَفْعَلُوْا فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ ۚ وَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۱۸۸﴾

(سورۃ آل عمران: ۱۸۸)

اس میں "لاتحسبن" کا تکرار اسی غرض سے ہے۔

(۵) تعظیم و تہویل: مثلاً وَ اَصْحٰبُ الْیَمِیْنِ ۬ مَآ اَصْحٰبُ الْیَمِیْنِ ﴿۲۷﴾ اور اَلْحَآقَّةُ ﴿۱﴾ مَا الْحَآقَّةُ ﴿۲﴾

(۶) تہدید: مثلاً كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝ ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝

(۷) تعجب: مثلاً فَقُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ۝ ثُمَّ قُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ۝

(۸) تعدد متعلق کے سبب: مثلاً فَبِأَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ

یہ آیت بار بار آئی ہے مگر ہر جگہ اس کا متعلق جدا جدا ہے۔

(البرہان فی علوم القرآن ج ر ۳ ص ر ۱۸ دار المعرفۃ)

قاعدہ نمبر (۵۲)

اَلتَّنصِيصُ عَلَى الشَّيْءِ لَا يَلْزَمُ مِنْهُ النَّفْيُ عَمَّا عَدَاهُ۔

حاصل قاعدہ:

تنصیص علی الشئی ماسوا کی نفی کو مستلزم نہیں۔

علامہ فخر الدین رازی متوفی ۶۰۶ھ فرماتے ہیں:

"لان تخصیص الشئی بالذکر لا یدل علی نفی الحکم عما عداہ"

(تفسیر کبیر ج ر ۲ ص ر ۱۴۲ دار الکتب العلمیۃ تفسیر کبیر ج ر ۱۰ ص ر ۴۸ دار الکتب العلمیۃ)

علامہ بدر الدین عینی متوفی ۸۵۵ھ فرماتے ہیں:

"الصحیح ان التنصیص باسم الشئی لا یدل علی نفی الحکم عما عداہ وھو مذھب الجمھور"۔

(عمدۃ القاری بشرح صحیح البخاری ج ر ۲ ص ر ۱۲۲ دار احیاء التراث العربی)

علامہ ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ فرماتے ہیں:

"قلت و کذا قال ابن أمیر الحاج فی شرح التحریر عن حاشیۃ الھدایۃ للخبازی عن شمس الأئمۃ الکردی أن تخصیص الشئي بالذکر لا یدل علی نفي الحکم عما عداہ في خطابات الشارع فأما فی متفاھم الناس و عرفھم و في المعاملات و العلقیات فیدل"۔

(حاشیہ ابن عابدین ج ر ۴ ص ر ۲۴۴ دار الفکر سن اشاعت ۱۴۲۱ھ)

تشریح:

کسی معین چیز پر کوئی حکم لگایا جائے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ حکم اسی شئ کے ساتھ خاص ہے اس کے ماسوا کے لیے نہیں بلکہ اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ یہ حکم اس شئ مذکور کے لیے تو یقینی طور پر ثابت ہے اور اس کے ماسوا کے لیے یہ حکم ہے یا نہیں اس سے سکوت ہے۔

مثال: حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيرِ

(سورۃ مائدۃ: ۳)

اس میں ''لحم خنزیر'' کی حرمت کی تصریح ہے جس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اس کے علاوہ دوسرے تمام جانوروں کے گوشت حلال ہیں بلکہ آیت میں دوسرے جانوروں کے گوشت کے متعلق سکوت ہے البتہ حدیث سے بعض دوسرے جانور مثلاً درندوں اور اہلی گدھوں کے گوشت کا بھی حرام ہونا ثابت ہے۔

قاعدہ نمبر (۵۳)

اَلتَّوْكِيْدُ يَنْفِيْ اِحْتِمَالَ الْمَجَازِ۔

حاصل قاعدہ:

تاکید کے بعد مجاز کا احتمال باقی نہیں رہتا۔

علامہ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ فرماتے ہیں:

''ان التاکید یفید من التقویۃ نفی احتمال المجاز۔''

(المزھر فی علوم اللغۃ وانواعہا ج ۱/ص ۳۲۵ دار الکتب العلمیۃ)

علامہ بدر الدین زرکشی متوفی ۷۹۴ھ فرماتے ہیں:

''قلت التاکید یفید مع التقویۃ نفی احتمال المجاز۔''

(البحر المحیط فی اصول الفقہ ج ۱/ص ۴۸۲ دار الکتب العلمیۃ)

التاکید یفید مع التقویة نفی احتمال المجاز۔

(الکلیات لابی البقاء ج ۱ ص ۲۶۸ موسسۃ الرسالۃ)

علامہ عبدالرؤوف مناوی متوفی ۱۰۳۱ھ فرماتے ہیں:

"توکید الکلام بما یرفع احتمال المجاز۔"

(التعاریف ج ۱ ص ۱۴۹ دار الفکر)

تشریح:

تاکید جس نوعیت کی ہو اس نوع کے احتمال مجاز کو مرتفع کر دیتی ہے مثلاً:

"ضرب الامیر" اس میں دو مجاز کا احتمال ہے۔

اول: یہ کہ ضرب سے مراد مقدمات ضرب ہوں۔

دوم: امیر سے مراد امرِ امیر ہو پس احتمال اول کو رفع کرنے کے لیے ضرباً سے تاکید لائی جائے اور احتمال ثانی کو ختم کرنے کے لیے "نفسہ" یا "عینہ" سے تاکید لائی جائے تو اس صورت میں مجازی معنی کا احتمال ختم ہو جائے گا۔

مثال: وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا ﴿۱۶۴﴾ (سورۃ النساء: ۱۶۴)

ترجمہ: "اور موسیٰ سے اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر کلام فرمایا"۔

یہاں "کلم" کی تاکید جب مصدر سے لادی گئی تو کلام مجازی (الہام و اشارہ) کا احتمال مرتفع ہو گیا۔

دیگر امثلہ

جَزَآؤُكُمْ جَزَآءً مَّوْفُوْرًا ﴿۶۳﴾ (سورۃ الاسراء: ۶۳)

ترجمہ: "سو تم سب کی سزا جہنم ہے سزا پوری"۔

(۲) اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ۭ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

صَلُّوْا عَلَيْهِ وَ سَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ﴿۵۶﴾ (سورۃ الاحزاب:۵۶)

ترجمہ: ''اے ایمان والو! تم بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر رحمت بھیجا کرو اور خوب سلام بھیجا کرو''۔

(۳) تَمُوْرُ السَّمَآءُ مَوْرًا ﴿۹﴾ وَّ تَسِيْرُ الْجِبَالُ سَيْرًا ﴿۱۰﴾ فَوَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۱۱﴾ (سورۃ الطور:۹،۱۰)

ترجمہ: ''جس روز آسمان تھرتھرانے لگے گا اور پہاڑ (اپنی جگہ سے) ہٹ جاویں گے''۔

قاعدہ نمبر (۵۴)

اَلْجُمْلَةُ الْاِسْمِيَةُ تَدُلُّ عَلَى الدَّوَامِ وَ الثُّبُوْتِ وَ الْفِعْلِيَةُ تَدُلُّ عَلَى التَجَدُّدِ۔

حاصل قاعدہ:

جملۂ اسمیہ مفید دوام وثبوت ہوتا ہے اور جملۂ فعلیہ مفید تجدد وحدوث۔

علامہ بدرالدین زرکشی متوفی ۷۹۴ھ نے اس قاعدے کو ان الفاظ میں نقل کیا ہے:

''إن الفعل يدل على التجدد و الحدوث و الاسم على الاستقرار و الثبوت''۔ (البرهان في علوم القرآن ج ۴ ص ۶۶ دار المعرفة بيروت)

علامہ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ نے بھی اس قاعدے کو نقل کیا ہے:

''الإسم يدل على الثبوت و الاستمرار و الفعل يدل على التجدد و الحدوث''۔

(الاتقان في علوم القرآن ج ۲ ص ۵۸۷ دار الفكر، الكليات لأبي البقاء ج ۱ ص ۱۰۴ موسسة الرسالة)

مثال: (۱) وَ كَلْبُهُمْ بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ بِالْوَصِيْدِ ط (سورۃ کہف:۱۷)

اس میں کلبھم باسط جملہ اسمیہ وارد ہے جو اس بات پر دال ہے کہ اصحاب کہف کا کتا اب تک اسی بیان کردہ حالت میں ہے اگر ''باسط'' کی بجائے ''یبسط'' کہتے تو یہ واہمہ ہوسکتا ہے کہ اس کی حالت بدلتی رہتی ہوگی۔

(۲) الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝۳
(سورۃ انفال:۳)

یقیمون اور ینفقون دلالت کررہے ہیں کہ مؤمنین بالتکرار اقامت صلاۃ اور انفاق فی سبیل اللہ کرتے رہتے ہیں۔

قاعدہ نمبر (۵۵)

اَلْحُکْمُ الْمُعَلَّقُ عَلٰی وَصْفٍ یَقْوٰی بِقُوَّتِہٖ وَ یَنْقُصُ بِنَقْصِہٖ۔

(القول المفید علی کتاب التوحید ج ۲/ص ۲۱۱)

حاصل قاعدہ:

جو حکم معلق علی الوصف ہو وہ اس وصف کے قوت و نقص سے قوی اور ناقص ہوگا۔

تشریح:

مدح وذم یا وعدو وعید کو کسی فعل یا صفت پر مرتب کیا گیا ہو تو وہ (مدح وذم یا وعدو وعید) اس فعل اور صفت کے لحاظ سے مؤکد وغیر مؤکد ہوا کرتی ہے یعنی وہ فعل اگر شدید اور اعلیٰ درجہ کا ہوگا تو اس پر مرتب کیا گیا نتیجہ بھی اعلیٰ درجہ کا ہوگا اور اگر فعل ادنیٰ درجہ کا ہوگا تو نتیجہ بھی ادنیٰ درجہ کا ہوگا۔

امثلہ

(۱) اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ لَمْ يَلْبِسُوْۤا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَ هُمْ مُّهْتَدُوْنَ ۝۸۲ (سورۃ الانعام:۸۲)

ترجمہ: ''جو لوگ ایمان رکھتے ہیں اور اپنے ایمان کو شرک کے ساتھ مخلوط نہیں کرتے ایسوں ہی کے لیے امن ہے اور وہی راہ پر (چل رہے) ہیں''۔

تطبیق:

یہاں امن اور اہتداء کو مرتب کیا گیا ہے ایمان اور اجتناب عن الشرک پر لہٰذا جس شخص میں یہ دونوں وصف جس قدر اعلیٰ درجہ میں ہوں گے اس کے لیے ''امن و اہتداء'' بھی ویسے ہی اعلیٰ درجہ کا ہوگا اور جو ان دونوں چیزوں میں ناقص ہوگا اس کا امن و اہتداء بھی اسی قدر ناقص ہوگا۔

(۲) اِنَّ الْمُسْلِمِیْنَ وَ الْمُسْلِمٰتِ ۔۔۔ الی قولہ ۔۔۔ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۳۵﴾ (سورۃ الاحزاب: ۳۵)

ترجمہ: ''بیشک اسلام کے کام کرنے والے مرد اور اسلام کے کام کرنے والی عورتیں ان سب کے لیے اللہ تعالیٰ نے مغفرت اور اجر عظیم تیار رکھا ہے''۔

تطبیق:

جس میں جس درجہ اسلامی اعمال ہوں گے اسی درجہ اس کے لیے مغفرت و اجر کا فیصلہ ہوگا۔

(۳) اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ ؕ (سورۃ الزمر: ۳۶)

ترجمہ: ''کیا اللہ تعالیٰ اپنے بندہٗ (خاص محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت) کے لیے کافی نہیں''۔

تطبیق:

جس میں جس قدر عبدیت ہوگی اس کو اسی قدر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کفایت نصیب ہوگی۔

قاعدہ نمبر (۵۶)

اَلشَّرْطُ لَا يَقْتَضِيْ جَوَازَ الْوُقُوْعِ۔

(تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۲۹۹ دار اطیبۃ للنشر والتوزیع، اضواء البیان فی ایضاح القرآن بالقرآن

ج ر ۱ ص ر ۴۸۷ دار الفکر)

حاصل قاعدہ:

شرط، امکانِ وقوع کو مستلزم نہیں ہوتی ہے۔

تشریح:

کسی حکم کو کسی شرط پر معلق کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس شرط کا پایا جانا ممکن ہے، بلکہ کبھی کبھی حکم کو ایسی شرط پر بھی معلق کر دیا جاتا ہے جو شرط بذات خود ممتنع الوقوع ہوتی ہے۔

وَلَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ۔

(سورۃ الانعام: ۸۹)

ترجمہ: ''اگر بالفرض یہ حضرات (انبیائے کرام علیہم السلام) بھی (نعوذ باللہ) شرک کریں تو جو کچھ یہ اعمال کرتے تھے سب اکارت ہو جاتے''۔

یہاں حبط اعمال انبیاء کو شرک پر معلق کیا گیا ہے جب کہ ان سے وقوع شرک کا کوئی احتمال نہیں ہے۔

اشباہ ونظائر

(۱) قُلْ اِنْ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ ۖ فَاَنَا اَوَّلُ الْعٰبِدِيْنَ ﴿۸۱﴾

(سورۃ الزخرف: ۸۱)

ترجمہ: ''آپ کہہ دیجیے کہ خدائے رحمن کی کوئی اولاد ہو تو سب سے اول اس کی عبادت کرنے والا میں ہوں''۔

(۲) لَوْ اَرَدْنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ لَهْوًا لَّاتَّخَذْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّآ ۖ اِنْ كُنَّا فٰعِلِيْنَ ﴿۱۷﴾

(سورۃ الانبیاء: ۱۷)

ترجمہ: ''اگر ہم کو (آسمان وزمین کے بنانے سے کوئی حکمت مقصود نہ ہوتی بلکہ

ان کو محض) مشغلہ ہی بنانا ہوتا تو ہم خاص اپنے پاس کی چیز کو مشغلہ بناتے''۔

(۳) لَوْ اَرَادَ اللّٰهُ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا لَّاصْطَفٰى مِمَّا يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ سُبْحٰنَهٗ هُوَ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ۝ (سورۃ الزمر: ۴)

ترجمہ: ''بالفرض اگر اللہ تعالیٰ کسی کو اولاد بنانے کا ارادہ کرتا تو ضرور اپنی مخلوق (ہی) میں سے جس کو چاہتا منتخب فرماتا''۔

قاعدہ نمبر (۵۷)

الشَّیْءُ الْوَاحِدُ اِذَا ذُکِرَ بِصِفَتَیْنِ مُخْتَلِفَتَیْنِ جَازَ عَطْفُ اِحْدَاهُمَا عَلَی الْاُخْرٰی تَنْزِیْلاً لِتَغَایُرِ الصِّفَاتِ بِمَنْزِلَةِ تَغَایُرِ الذَّوَاتِ۔

(اضواء البیان فی ایضاح القرآن بالقرآن ج ۷ ص ۶۹ دار الفکر، النبوات لابن تیمیۃ ج ۱ ص ۱۹۷ المطبعۃ السلفیۃ، الجواب الصحیح لمن بدل دین المسیح ج ۱ ص ۱۳۰ مطبعۃ المدنی مصر)

حاصل قاعدہ:

ایک ہی شئی کو دو مختلف صفتوں سے موصوف کرنا ہو تو حرف عطف لا کر بصورت عطف ذکر کرنا صحیح ہے، بایں وجہ کہ تغایر وصفی کو تغایر ذاتی کا درجہ دے دیا جائے۔

تشریح:

ایک ہی شئی کی متعدد صفات ذکر کرنی ہو تو اس کے دو طریقے ہیں۔

ایک طریقہ تو ماسبق میں گذرا کہ حرف عطف نہ لایا جائے، اور یہی طریقہ افصح ہے نیز یہ بات بھی ماسبق میں بیان کی گئی کہ اگر متعدد صفات کے درمیان حرف عطف آ جائے تو یہ موصوف کے تغایر اور تعدد کو بتلاتا ہے، مگر یہ کوئی لازمی امر نہیں بلکہ موصوف کے ایک ہونے کے باوجود بذریعہ عطف صفات کو ذکر کرنا بھی جائز ہے گو افصح یہ ہے کہ عاطف نہ ذکر کیا جائے۔

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ عطف لانے سے ہر صفت کے مستقل ہونے کی

طرف اشارہ ہوتا ہے۔

علامہ زرکشی رحمہ اللہ تعالیٰ نے دونوں قاعدہ (ایراد عطف اور ترک عطف) کا محل جدا جدا بیان کیا ہے چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ اگر صفات باہم متباعد المعنی ہوں تو عطف بہتر ہے ورنہ ترک عطف اولیٰ ہے۔

مثال بر جزء اول: (موصوف ایک ہی ہو اور صفات کے مابین حرف عطف لایا گیا ہو)

سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى ۝ الَّذِي خَلَقَ فَسَوَّىٰ ۝ وَالَّذِي قَدَّرَ فَهَدَىٰ ۝ وَالَّذِي أَخْرَجَ الْمَرْعَىٰ ۝ (سورۃ الاعلیٰ: ۱، ۴)

یہاں ''الذی خلق فسوی'' سے اللہ رب العزت ہی کی صفات بیان کی گئی ہیں مگر ان کے درمیان ''واؤ عاطفہ'' لایا گیا ہے۔

مثال بر جزء ثانی: (ایک ہی موصوف کی صفات ہوں مگر عطف نہ کیا گیا ہو)

وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِينٍ ۝ هَمَّازٍ مَّشَّاءٍ بِنَمِيمٍ ۝ مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ أَثِيمٍ ۝ عُتُلٍّ بَعْدَ ذَٰلِكَ زَنِيمٍ ۝ (سورۃ القلم: ۱۰ تا ۱۳)

ترجمہ: ''اور آپ (بالخصوص) کسی ایسے شخص کا کہنا نہ مانیں جو بہت (جھوٹی) قسمیں کھانے والا ہو بے وقعت ہو طعنے دینے والا ہو چغلیاں لگاتا پھرتا ہو، نیک کام سے روکنے والا ہو، حد (اعتدال) سے گذرنے والا ہو گناہوں کا کرنے والا ہو اور سخت مزاج ہو (اور) اس (سب) کے علاوہ بدنام (بھی) ہو''۔

یہ سب صفات شخص واحد ولید بن مغیرہ کی بیان کی گئی ہیں اس لیے ان کے مابین حرف عطف نہیں لایا گیا ہے۔

مثال بر جزء ثالث: (صفات کے متباعد المعنی ہونے کی وجہ سے عطف کیا گیا ہو)

هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ ۖ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ۝

(سورۃ الحدید: ۳)

ترجمہ: ''وہی پہلے ہے اور وہی پیچھے اور وہی ظاہر اور وہی مخفی ہے اور وہ ہر چیز کا خوب جاننے والا ہے''۔

یہ ساری صفات ایک موصوف یعنی اللہ تعالیٰ شانہ کی ہیں مگر ان کے معانی میں بعد اور مغایرت ہونے کی وجہ سے عطف کیا گیا ہے۔

امثال ونظائر

جزء اول سے متعلق: (۱) الَّذِیْ خَلَقَنِیْ فَهُوَ یَهْدِیْنِ ﴿۷۸﴾ وَ الَّذِیْ هُوَ یُطْعِمُنِیْ وَ یَسْقِیْنِ ﴿۷۹﴾ وَ اِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ یَشْفِیْنِ ﴿۸۰﴾

(سورۃ الشعراء: ۷۸ تا ۸۰)

ترجمہ: ''جس نے مجھ کو (اور اسی طرح سب کو) پیدا کیا پھر وہی مجھ کو (میری مصلحتوں کی طرف) رہنمائی کرتا ہے اور جو کہ مجھ کو کھلاتا اور پلاتا ہے اور جب میں بیمار ہو جاتا ہوں (جس کے بعد شفاء ہو جاتی ہے) تو وہی مجھ کو شفا دیتا ہے''۔

(۲) وَ لَقَدْ اٰتَیْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِیْ وَ الْقُرْاٰنَ الْعَظِیْمَ ﴿۸۷﴾

(سورۃ الحجر: ۸۷)

ترجمہ: ''اور ہم نے آپ کو سات آیتیں دیں جو (نماز میں) مکرر پڑھی جاتی ہیں اور قرآن عظیم دیا''۔

سبع مثانی اور قرآن عظیم کی تفسیر حدیث شریف میں سورۂ فاتحہ سے کی گئی ہے پس دونوں (سبع مثانی اور قرآن عظیم) ایک ہی موصوف (فاتحہ) کی دو صفات ہیں جن کو بصورت عطف ذکر کیا گیا ہے۔

(۳) قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱﴾ الَّذِیْنَ هُمْ فِیْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ﴿۲﴾

وَ الَّذِیۡنَ هُمۡ عَنِ اللَّغۡوِ مُعۡرِضُوۡنَ ۝۳ وَ الَّذِیۡنَ هُمۡ لِلزَّکٰوةِ فٰعِلُوۡنَ ۝۴ وَ الَّذِیۡنَ هُمۡ لِفُرُوۡجِهِمۡ حٰفِظُوۡنَ ۝۵ (سورۃ المؤمنون: ۱ تا ۵)

ترجمہ: ''بالتحقیق ان مسلمانوں نے آخرت میں فلاح پائی جو اپنی نماز میں خشوع کرنے والے ہیں اور جو لغو باتوں سے (خواہ قولی ہوں یا فعلی) برکنار رہنے والے ہیں اور جو (اعمال و اخلاق میں) اپنا تزکیہ کرنے والے ہیں اور جو اپنی شرمگاہوں کی (حرام شہوت رانی سے) حفاظت رکھنے والے ہیں''۔

جزء ثانی سے متعلق: (۱) هُوَ اللّٰهُ الۡخَالِقُ الۡبَارِئُ الۡمُصَوِّرُ لَهُ الۡاَسۡمَآءُ الۡحُسۡنٰی ؕ یُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ۚ وَ هُوَ الۡعَزِیۡزُ الۡحَکِیۡمُ ۝۲۴

(سورۃ الحشر: ۲۴)

ترجمہ: ''وہ معبود (برحق) ہے پیدا کرنے والا ہے ٹھیک بنانے والا ہے وہ صورت بنانے والا ہے اس کے اچھے اچھے نام ہیں''۔

(۱) نَبِّئۡ عِبَادِیۡۤ اَنِّیۡۤ اَنَا الۡغَفُوۡرُ الرَّحِیۡمُ ۝۴۹ (سورۃ الحجر: ۴۹)

ترجمہ: ''(اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم) آپ میرے بندوں کو اطلاع دے دیجیے کہ میں بڑا مغفرت اور رحمت والا بھی ہوں''۔

(۳) عَسٰی رَبُّهٗۤ اِنۡ طَلَّقَکُنَّ اَنۡ یُّبۡدِلَهٗۤ اَزۡوَاجًا خَیۡرًا مِّنۡکُنَّ مُسۡلِمٰتٍ مُّؤۡمِنٰتٍ قٰنِتٰتٍ تٰٓئِبٰتٍ عٰبِدٰتٍ سٰٓئِحٰتٍ ثَیِّبٰتٍ وَّ اَبۡکَارًا ۝۵

(سورۃ التحریم: ۵)

ترجمہ: ''اگر پیغمبر تم عورتوں کو طلاق دے دیں تو ان کا پروردگار بہت جلد تمہارے بدلے ان کو تم سے اچھی بیبیاں دے دے گا جو اسلام والیاں، ایمان والیاں، فرماں برداری کرنے والیاں، توبہ کرنے والیاں، عبادت کرنے والیاں ہوں گی''۔

جزء ثالث سے متعلق: (۱) رَبِّيَ الَّذِي يُحْيٖ وَ يُمِيْتُ ۙ قَالَ اَنَا اُحْيٖ وَ اُمِيْتُ ؕ قَالَ اِبْرٰهٖمُ فَاِنَّ اللّٰهَ يَاْتِيْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِيْ كَفَرَ ؕ وَ اللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۵۸﴾

(سورة البقرة: ۲۵۸)

ترجمہ: ''میرا پروردگار ایسا ہے کہ وہ زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے''۔

(۲) وَ اَنَّهٗ هُوَ اَضْحَكَ وَ اَبْكٰى ﴿۴۳﴾ وَ اَنَّهٗ هُوَ اَمَاتَ وَ اَحْيَا ﴿۴۴﴾

(سورة النجم: ۴۳، ۴۴)

ترجمہ: ''اور یہ کہ وہی ہنساتا ہے اور رُلاتا ہے اور یہ کہ وہی مارتا ہے اور زندہ کرتا ہے''۔

قاعدہ نمبر (۵۸)

اَلصِّفَةُ اِذَا وَقَعَتْ لِلنَّكِرَةِ فَهِيَ مُخَصِّصَةٌ وَاِنْ جَاءَتْ لِلْمَعْرِفَةِ فَهِيَ مُوَضِّحَةٌ۔

(البرهان فی علوم القرآن ج ۲ ص ۴۲۲ دار المعرفة)

حاصل قاعدہ:

نکرہ کی صفت تخصیص کے لیے آتی ہے اور معرفہ کی صفت توضیح کے لیے۔

صفت نکرہ کی مثال:

وَ قَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ ۖ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَكْتُمُ اِيْمَانَهٗۤ اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ يَّقُوْلَ رَبِّيَ اللّٰهُ وَ قَدْ جَآءَكُمْ بِالْبَيِّنٰتِ مِنْ رَّبِّكُمْ ؕ وَ اِنْ يَّكُ كَاذِبًا فَعَلَيْهِ كَذِبُهٗ ۚ وَ اِنْ يَّكُ صَادِقًا يُّصِبْكُمْ بَعْضُ الَّذِيْ يَعِدُكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ كَذَّابٌ ﴿۲۸﴾ (سورة مومن (غافر): ۲۸)

ترجمہ: ''اور (اس مجلس مشورہ) میں ایک مؤمن شخص نے کہا جو آلِ فرعون میں سے تھا''۔

یہاں رجل کی صفت مومن کی قید تخصیص کی غرض سے ہے یعنی غیر مؤمنین سے خارج کرنے کے لیے ہے۔

صفت معرفہ کی مثال:

اَلَّذِیۡنَ یَتَّبِعُوۡنَ الرَّسُوۡلَ النَّبِیَّ الۡاُمِّیَّ الَّذِیۡ یَجِدُوۡنَهٗ مَکۡتُوۡبًا عِنۡدَهُمۡ فِی التَّوۡرٰىةِ وَ الۡاِنۡجِیۡلِ ۫ یَاۡمُرُهُمۡ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَ یَنۡهٰهُمۡ عَنِ الۡمُنۡکَرِ وَ یُحِلُّ لَهُمُ الطَّیِّبٰتِ وَ یُحَرِّمُ عَلَیۡهِمُ الۡخَبٰٓئِثَ وَ یَضَعُ عَنۡهُمۡ اِصۡرَهُمۡ وَ الۡاَغۡلٰلَ الَّتِیۡ کَانَتۡ عَلَیۡهِمۡ ؕ فَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا بِهٖ وَ عَزَّرُوۡهُ وَ نَصَرُوۡهُ وَ اتَّبَعُوا النُّوۡرَ الَّذِیۡۤ اُنۡزِلَ مَعَهٗۤ ۙ اُولٰٓئِکَ هُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ ﴿۱۵۷﴾

(سورۃ الاعراف:۱۵۷)

یہاں رسول کی صفت ''النبی الامی'' توضیح کے لیے لائی گئی ہے۔

دیگر امثلہ

صفت نکرہ:

(۱) وَ امۡرَاَةً مُّؤۡمِنَةً اِنۡ وَّهَبَتۡ نَفۡسَهَا لِلنَّبِیِّ اِنۡ اَرَادَ النَّبِیُّ اَنۡ یَّسۡتَنۡکِحَهَا ٭ خَالِصَةً لَّکَ مِنۡ دُوۡنِ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ ؕ قَدۡ عَلِمۡنَا مَا فَرَضۡنَا عَلَیۡهِمۡ فِیۡۤ اَزۡوَاجِهِمۡ وَ مَا مَلَکَتۡ اَیۡمَانُهُمۡ لِکَیۡلَا یَکُوۡنَ عَلَیۡکَ حَرَجٌ ؕ وَ کَانَ اللّٰهُ غَفُوۡرًا رَّحِیۡمًا ﴿۵۰﴾

(سورۃ الاحزاب:۵۰)

(۲) وَ لَعَبۡدٌ مُّؤۡمِنٌ خَیۡرٌ مِّنۡ مُّشۡرِکٍ وَّ لَوۡ اَعۡجَبَکُمۡ ؕ اُولٰٓئِکَ یَدۡعُوۡنَ اِلَی النَّارِ ۚۖ وَ اللّٰهُ یَدۡعُوۡۤا اِلَی الۡجَنَّةِ وَ الۡمَغۡفِرَةِ بِاِذۡنِهٖ ۚ وَ یُبَیِّنُ اٰیٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمۡ یَتَذَکَّرُوۡنَ ﴿۲۲۱﴾

(سورۃ البقرۃ:۲۲۱)

(۳) وَ لَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّ لَوْ اَعْجَبَتْكُمْ ۚ وَ لَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا ۚ وَ لَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّ لَوْ اَعْجَبَكُمْ ۗ اُولٰٓئِكَ يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۚ وَ اللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلَى الْجَنَّةِ وَ الْمَغْفِرَةِ بِاِذْنِهٖ ۚ وَ يُبَيِّنُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ۝ (سورۃ البقرۃ:۲۲۱)

صفت معرفہ:

(۱) يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّوْنَ الَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا لِلَّذِيْنَ هَادُوْا وَ الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَ الْاَحْبَارُ بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ كِتٰبِ اللّٰهِ وَ كَانُوْا عَلَيْهِ شُهَدَآءَ ۚ فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَ اخْشَوْنِ وَ لَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۗ وَ مَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ ۝

(سورۃ المائدۃ:۴۴)

(۲) قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعَا الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَ يُمِيْتُ ۠ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ الَّذِيْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ كَلِمٰتِهٖ وَ اتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝ (سورۃ الاعراف:۱۵۸)

قاعدہ نمبر (۵۹)

اَلْعِبْرَةُ لِعُمُوْمِ اللَّفْظِ لَا لِخُصُوْصِ السَّبَبِ۔

(روح المعانی ج۲ص۲۶ داراحیاء التراث العربی، تفسیر ابوالسعود ج۲ص۱۴۰ داراحیاء التراث العربی، الکلیات لابی البقاء ج۱ص۶۴ موسسۃ الرسالۃ، روضۃ الناظر وجنۃ المناظر ج۱ص۲۳۳ جا الامام محمد بن مسعود الریاض)

حاصل قاعدہ:

اعتبار الفاظ کے عموم کا ہوگا نہ کہ سبب نزول کے خاص واقعہ کا۔

تشریح:

اس قاعدہ کے متعلق چند صورتیں ہیں اور عموم وخصوص کے اعتبار سے ہر ایک کا حکم جدا جدا ہے جن کو یہاں کسی قدر تفصیل سے پیش کیا جاتا ہے۔

سبب نزول کے اعتبار سے احکام میں عموم وخصوص کسی سبب نزول کے تحت قرآن کریم کی جو آیات نازل ہوئیں وہ اپنے عموم وخصوص کے لحاظ سے چار قسم کی ہیں:

(۱) خاص بالإسم (۲) عام مربوط بقرینۃ التخصیص۔

(۳) عام مربوط بقرینۃ التعمیم (۴) مجرد عن القرینۃ۔

(۱) خاص بالاسم سے مراد وہ آیتیں ہیں جن میں کسی خاص شخص کا نام لے کر یہ متعین کر دیا گیا ہے کہ آیت کا مضمون اسی کے حق میں ہے ایسی آیتوں کے بارے میں علماء کا اتفاق ہے کہ ان کا مضمون صرف اسی معین شخص کے بارے میں قرار دیا جائے گا اور دوسروں کو شامل نہیں ہوگا۔ مثلاً ''تبت یدا ابی لھب'' (ابولہب کے دونوں ہاتھ ہلاک ہوں)۔

اس آیت کا شان نزول معروف ومشہور ہے کہ جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کوہ صفا پر کھڑے ہو کر تمام قریش کے لوگوں کو اسلام کی تبلیغ فرمائی تو اس پر ابولہب نے کہا تھا:

تبالک الھذا دعوتنا؟

''تمہارے لیے ہلاکت ہو کیا تم نے ہمیں اسی لیے بلایا تھا؟''

اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور اس میں خاص ابولہب کا نام لے کر اس کے لیے وعید بیان فرمائی گئی ہے اس لیے یہ وعید اسی کے لیے خاص ہے۔

(۲) عام مربوط بقرینۃ التخصیص سے مراد وہ آیتیں ہیں جن میں کسی خاص شخص یا گروہ یا چیز کا نام لیے بغیر اس کے کچھ اوصاف بیان کیے گئے ہوں اور ان اوصاف پر کوئی حکم لگایا گیا ہے لیکن دوسرے دلائل سے یہ ثابت ہے کہ اس سے مراد فلاں معین شخص یا فلاں معین گروہ یا فلاں معین چیز ہے اس صورت کے بارے میں بھی تمام علماء اس پر متفق ہیں کہ آیت کا مضمون یا حکم صرف اسی شخص یا گروہ یا چیز کی حد تک مخصوص رہے گا

جو قرآن کریم کی مراد ہے اور کوئی دوسرا اس میں داخل نہیں ہوگا خواہ وہ اوصاف اس میں بھی پائے جاتے ہوں مثلاً سورۃ اللیل میں ارشاد ہے:

وَ سَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى ﴿١٧﴾ الَّذِىْ يُؤْتِىْ مَالَهٗ يَتَزَكّٰى ﴿١٨﴾

(سورۃ اللیل: ۱۷، ۱۸)

''اور اس (آگ) سے وہ متقی ترین شخص بچالیا جائے گا جو اپنا مال پاکیزگی حاصل کرنے کی غرض سے (مستحقین کو) دیتا ہے''۔

یہ آیت بالاتفاق حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے، جو مفلس غلاموں کو خرید کر آزاد کیا کرتے تھے یہاں اگرچہ حضرت ابوبکر کا نام مذکور نہیں لیکن اوصاف انہی کے ذکر کیے گیے ہیں۔

أجمع المفسرون على أن المراد منه أبو بكر رضى الله تعالىٰ عنه۔

(تفسیر کبیر ج/۱۱ص/۱۸۹ مکتبہ علوم اسلامیہ لاہور)

اور روایات حدیث سے ثابت ہے کہ ان سے مراد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں لہٰذا اس آیت کی فضیلت بلاشرکت غیر انہی کو حاصل ہے۔

اسی لیے امام رازی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ انبیا علیہم السلام کے بعد تمام انسانوں سے افضل ہیں۔

لأن الأمة مجمعة على أن أفضل الخلق بعد رسول الله۔

(تفسیر کبیر ج/۱۱ص/۱۸۸ مکتبہ علوم اسلامیہ لاہور)

کیونکہ اس آیت میں انہیں اتقی (متقی ترین شخص) کہا گیا ہے۔

اور وہ دوسری آیت میں ارشاد ہے:

اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ ؕ۔ (سورۃ حجرات: ۱۳)

(بلاشبہ تم سب سے زیادہ قابل اکرام شخص وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ متقی ہو)

بہرحال باوجودیکہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا یہاں نام نہیں لیا گیا لیکن جمہور مفسرین نے آیت کو انہی کے حق میں خاص قرار دیا ہے۔ کیونکہ تخصیص کی دو دلیلیں موجود ہیں۔

ایک یہ کہ ''الاتقی'' (الف لام عہد کے ساتھ) صرف ایک ہی شخص کے لیے استعمال ہوسکتا ہے دوسرے یہ کہ روایات حدیث نے اس کی تعیین کردی لہٰذا اگر کوئی اور شخص بھی اپنا مال اللہ کی راہ میں خرچ کرنے لگے تو وہ اس کے لیے کتنا ہی باعث اجر کیوں نہ ہو لیکن آیات بالا کا مصداق ہونے کی فضیلت اسے حاصل نہیں ہوسکتی۔

(۳) **عام مربوط بقرینہ التعمیم** اس سے مراد وہ آیتیں ہیں جو نازل تو کسی خاص واقعہ میں ہوئی تھیں لیکن الفاظ عام ہیں اور آیت کے صریح الفاظ یا اور کسی خارجی دلیل سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ آیت کا حکم اس واقعہ کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ اس نوعیت کے ہر واقعہ کا یہی حکم ہے، اس قسم کے بارے میں تمام اہل علم متفق ہیں اس صورت میں آیت کا حکم اس کے الفاظ کے تابع ہو کر عام ہی رہے گا صرف سبب نزول کے واقعے کے ساتھ خاص نہیں ہوگا۔ مثلاً سورۂ مجادلہ کی ابتدائی آیات کے بارے میں یہ ثابت ہے کہ وہ حضرت خولہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں نازل ہوئی تھیں جن کے شوہر نے ان سے یہ کہہ دیا تھا کہ ''انت علی کظھر امی'' (تم مجھ پر میری ماں کی پشت کی طرح ہو) لیکن آیت میں جن الفاظ کے ذریعہ حکم بیان کیا گیا وہ اس بات کی صراحت کر رہا ہے کہ یہ حکم صرف حضرت خولہ کے شوہر کے لیے نہیں بلکہ ان تمام لوگوں کے لیے ہے جو اپنی بیوی سے ظہار کرلیں (یعنی مذکورہ بالا الفاظ کہہ دیں) ایسے تمام لوگوں پر واجب ہے کہ وہ اپنی بیوی کے ساتھ صحبت کرنے سے قبل ایک غلام آزاد کریں یا ساٹھ روزے رکھیں یا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائیں۔

(۴) **مجرد عن القرینہ** وہ آیت ہے جو خاص واقعہ کے تحت نازل ہوئی لیکن الفاظ عام استعمال کیے گئے اور آیت یا کسی خارجی دلیل سے یہ صراحت معلوم نہیں ہوتی کہ

آیت کا حکم یا مضمون صرف اسی واقعہ کے ساتھ مخصوص ہے۔ یا اس نوعیت کے ہر واقعے کے لیے عام ہے اس صورت میں اہل علم کا تھوڑا سا اختلاف رہا ہے بعض حضرات کا کہنا یہ تھا کہ اس صورت میں آیت کو صرف سبب نزول کے واقعے کے ساتھ مخصوص رکھا جاوے گا لیکن جمہور علماء وفقہا کی رائے اس کے برخلاف یہی ہے کہ مذکورہ شکل میں سبب نزول کے خاص واقعہ کی بجائے الفاظ کے عموم کا اعتبار ہوگا اور آیت کے الفاظ جس جس صورت کو شامل ہوں ان سب صورتوں پر بھی یہ حکم نافذ کیا جاوے گا۔ قاعدہ مذکورہ بالا ''**العبرة لعموم اللفظ لا لخصوص السبب**'' اعتبار الفاظ کے عموم کا ہوگا نہ کہ سبب نزول کے خاص واقعہ کا اسی چوتھی صورت سے متعلق ہے۔

لیکن درحقیقت یہ اختلاف نظریاتی نوعیت کا ہے عملاً اس سے کوئی خاص فرق واقع نہیں ہوتا کیونکہ جو حضرات آیات قرآنی کو ان کے سبب نزول کے ساتھ مخصوص قرار دیتے ہیں وہ بھی عملاً آیت کا حکم اس نوعیت کے دوسرے واقعات میں جاری کر دیتے ہیں لیکن فرق صرف اتنا ہے کہ جمہور علماء کے نزدیک تو اس کا ماخذ وہی آیت ہوتی ہے اور یہ حضرات اس کا ماخذ کسی دوسرے دلیل شرعی مثلاً حدیث، اجماع یا قیاس وغیرہ کو قرار دیتے ہیں۔

وضاحت کے لیے ایک مثال پر غور فرمائیں سورۂ بقرۃ میں ارشاد ہے:

''وَاِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ'' (سورۃ بقرۃ:۲۸۰)

اور اگر (قرض دار) تنگ دست ہو تو اسے کشادگی تک مہلت دے دے۔

اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ بنوعمرو بن عمیر کا کچھ قرض بنومغیرہ پر واجب تھا، جب سود کی حرمت نازل ہوئی تو بنوعمرو نے اپنے مقروض قبیلہ سے کہا کہ ہم سود کو چھوڑتے ہیں لیکن اصل قرضہ واپس کرو بنومغیرہ نے کہا اس وقت ہمارا ہاتھ تنگ ہے اس لیے ہمیں یہ مہلت دے دو بنوعمرو نے مہلت دینے سے انکار کیا تو اس پر آیت نازل ہوئی۔

اب آیت کا یہ حکم تو سب کے نزدیک عام ہے ہر قرض خواہ کے لیے بہتر یہی ہے کہ

وہ مقروض کو تنگ دست دیکھے تو اس مہلت دے دے لیکن فرق اتنا ہے کہ جمہور کے نزدیک یہ عام حکم اسی آیت سے ثابت ہوا ہے اور جو لوگ آیت کو سبب نزول کے ساتھ مخصوص مانتے ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ آیت کا حکم تو صرف بنو عمرو کے لیے تھا لیکن دوسرے مسلمانوں کے لیے یہ حکم ان احادیث سے ثابت ہوا ہے جن میں مقروض کو مہلت دینے کی فضیلت بیان کی گئی ہے۔

اس سے واضح ہے کہ اس اختلاف کا علمی طور پر کوئی خاص اثر مرتب نہیں ہوتا۔

قاعدہ نمبر (۶۰)

اَلْعَرَب اِذَا افْتَخَرَتْ قَدْ تُخْرِجُ الْخَبَرَ مَخْرَجَ الْخَبَرِ عَنِ الْجَمَاعَةِ وَاِنْ كَانَ مَا افْتَخَرَتْ بِهٖ مِنْ فِعْلِ وَاحِدٍ مِنْهُمْ۔

(تفسیر طبری ج/۶ ص/۱۶۵ دار الفکر)

حاصل قاعدہ:

اہل عرب مقام فخر میں کسی ایک سے صادر ہونے والے فعل کو ایک پوری جماعت کی طرف منسوب کر کے بیان کرتے ہیں۔

مثال: وَ قَالَتِ الْيَهُوْدُ وَ النَّصٰرٰى نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَ اَحِبَّآؤُهٗ ؕ قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوْبِكُمْ ؕ بَلْ اَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ ؕ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَ يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ مَا بَيْنَهُمَا ۚ وَ اِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ﴿۱۸﴾ (سورۃ مائدہ:۱۸)

ترجمہ: ”اور یہود و نصاری دعوی کرتے ہیں کہ ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے محبوب ہیں۔

”نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ“ یہود و نصاری کا یہ عقیدہ نہیں تھا کہ ان کا ہر ہر فرد اللہ کا بیٹا ہے، ہاں یہود کا ایک گروہ حضرت عزیز علیہ السلام کو اور نصاریٰ کا ایک گروہ حضرت عیسیٰ علیہ

السلام کو ابن اللہ کہتا تھا لیکن وہ فخریہ صیغہ کے ساتھ کہتے تھے، کہ نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰہِ کہ ہم سب اللہ کے بیٹے ہیں گویا وہ اپنے زعم وگمان کے مطابق ایک کے ابن اللہ ہونے کی فضیلت کو برائے تفاخر پوری قوم کی طرف منسوب کرتے تھے۔

قاعدہ نمبر (٦١)

اَلْعَرَبُ اِذَا جَاءَتْ بَیْنَ الْکَلَامَیْنِ بِجَحْدَیْنِ کَانَ الْکَلَامُ اِخْبَارًا۔

(البرہان فی علوم القرآن ج/۴ص/۷۷ دارالمعرفۃ بیروت، الاتقان فی علوم القرآن ج/۲ص/۲۱۱ دارالفکر،تہذیب اللغۃ ج/۳ص/۴۵۵)

حاصل قاعدہ:

اہل عرب جب دو جملے حرف نفی کے ساتھ لاتے ہیں تو وہ کلام اخبار یعنی مثبت ہوتا ہے۔

مثال:''ارشادِ الٰہی:

وَمَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا لَّا يَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَمَا كَانُوْا خٰلِدِيْنَ ۝

(سورۃ الانبیاء:۸)

ترجمہ:''اور ہم نے ان (رسولوں) کے ایسے جسم نہیں بنائے تھے جو کھانا نہ کھاتے ہوں''۔

یہاں دو جملے دو حرف نفی کے ساتھ ہیں''ما جعلنا''اور''لا یا کلون''لہٰذا جملہ مثبت ہو جائے گا اور مطلب ہوگا''جعلنا ھم جسدا یا کلون الطعام''

قاعدہ نمبر (٦٢)

اَلْعَرَبُ تَحْذِفُ مَا کَفٰی مِنْهُ الظَّاهِرُ فِی الْکَلَامِ اِذَا لَمْ تَشُکَّ فِیْ مَعْرِفَةِ السَّامِعِ مَکَانَ الْحَذْفِ۔

حاصل قاعدہ:

اہل عرب کلام میں بدیہی چیزوں کا حذف کر دیتے ہیں بشرطیکہ سامع کو فہم کلام

میں کوئی ا ہ پیش نہ آوے۔

مثال: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ

ای قولوا الحمدللہ۔۔۔الی۔۔۔ایاک نعبد الخ

(سورۃ فاتحۃ: ۱ تا ۴)

ترجمہ: ''سب تعریفیں اللہ ہی کو لائق ہیں جو مربی ہیں ہر ہر عالم کے، جو بڑے مہربان نہایت رحم والے ہیں، جو مالک ہیں روز جزا کے، ہم آپ ہی کی عبادت کرتے ہیں اور آپ ہی سے مدد چاہتے ہیں''۔

تطبیق استشہاد:

سورۂ فاتحہ کی آیات میں ابتداً اللہ تعالیٰ کی ثناء وتعریف ہے پھر آگے ''ایاک نعبد'' سے عبادت کرنے کا ذکر ہے اگر اس پوری سورت کو اللہ کا قول قرار دیا جائے تو ''الحمدللہ رب العلمین'' کے متعلق تو کوئی اعتراض نہیں کیونکہ اس کا حاصل یہ ہوگا کہ اللہ خود اپنی تعریف کر رہا ہے اور اس میں کوئی اعتراض نہیں لیکن ''ایاک نعبد'' کو بھی اگر اللہ تعالیٰ کا قول مانا جائے تو اعتراض ہوگا کہ اللہ عبادت کرنے والا ہے اور یہ صحیح نہیں اس لیے لامحالہ یہاں قولوا کے حذف سے چونکہ فہم مراد میں کوئی خلل نہیں آتا اس لیے اسے حذف کر دیا گیا اور خلل نہ آنا اس وجہ سے ہے کہ یہ مسلمات قطعیہ میں سے ہے کہ اللہ تعالیٰ عبادت کرنے والا نہیں ہے بلکہ عبادت کرنے والے اس کے بندے ہیں۔

قاعدہ نمبر (۶۳)

اَلْعَرَبُ تُكَرِّرُ الشَّيْئَ فِي الْاِسْتِفْهَامِ اِسْتِبْعَادًا لَهٗ۔

حاصل قاعدہ:

عرب کسی چیز کے استبعاد کو بتلانے کے لیے بصورت استفہام اس شئی کو مکرر ذکر کرتے ہیں۔

علامہ ابوالفضل عمر بن مسعود نے شعر میں اسی قاعدے کو نقل کیا ہے:

شان العرب إن أبعدت شيئا أتت بالإستفهام ثم و عدا كررت

(نشر العبیر فی منظومۃ قواعد التفسیر ص ر ۹۸)

تشریح:

اہل عرب کا دستور ہے کہ جب کسی شئی کے وقوع یا صدور کا مستبعد ہونا بتلانا چاہتے ہیں تو اس کو استفہامی انداز میں بار بار دہراتے ہیں۔ مثلاً جس آدمی سے جہاد متعذر ہو تو اس کو یوں کہا جائے گا ''أأنت تجاهد؟ أأنت تجاهد؟

مثال: ''أَإِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَإِنَّا لَمَبْعُوثُونَ﴿۴۷﴾

(سورۃ الواقعۃ: ۴۷)

ترجمہ: ''کہ جب ہم مر گئے اور مٹی اور ہڈیاں (ہوکر) رہ گئے تو کیا (اس کے بعد) ہم دوبارہ زندہ کیے جائیں گے''۔

تطبیق:

یہ آیت مشرکین کا مقولہ ہے جو بعث بعد الموت اور حشر و نشر کو بعید سمجھتے تھے اور اس کے منکر تھے تو انہوں نے اپنے استبعاد و انکار کو ظاہر کرنے کے لیے مکرر حرف استفہام استعمال کیا ایک تو ''أئذا متنا'' میں اور دوسرے ''ءانا لمبعوثون'' میں۔

قاعدہ نمبر (۶۴)

اَلْعَرَبُ قَدْ تُخْرِجُ الْكَلَامَ مَخْرَجَ الْأَمْرِ و مَعْنَاهُ الْجَزَاءُ۔

(تفسیر طبری ج ر ۱۴ ص ر ۲۹۳ مؤسسۃ الرسالۃ)

حاصل قاعدہ:

اہل عرب کبھی کبھی امر بول کر معنی شرط و جزاء مراد لیتے ہیں۔

مثال: قُلْ اَنْفِقُوْا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا لَّنْ يُّتَقَبَّلَ مِنْكُمْ ؕ اِنَّكُمْ كُنْتُمْ قَوْمًا فٰسِقِيْنَ۝ (سورہ توبہ: ۵۳)

ترجمہ: ''آپ فرما دیجیے کہ تم (خواہ) خوشی سے خرچ کرو یا ناخوشی سے تم کسی طرح خدا کے (نزدیک) مقبول نہیں (کیونکہ) بلاشبہ تم حکم عدولی کرنے والے لوگ ہو''۔

''اَنفِقُوْا'' اس مثال میں ''انفقوا'' (امر) ''ان تنفقوا'' (شرط) کے معنی میں ہے اور اس کی جزاء ''لن یتقبل'' ہے۔

قاعدہ نمبر (٦٥)

اَلْعَرَب قَدْ تعلِّق الْاَمْرَ بِزَائِلٍ وَ الْمرَادُ بِهِ التَّابِيْدُ۔

حاصل قاعدہ:

کبھی شئی مؤبد کو کسی غیر مؤبد شئی کے ساتھ مربوط کر دیا جاتا ہے اور مراد تابید ہوتی ہے۔

علامہ ابن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ نے اسی قاعدے کو ان الفاظ میں نقل کیا ہے:

''إن العرب إذا أرادت أن تصف الشيء بالدوام أبداً قالت: هذا دائم دوام السموات و الأرض بمعنى أنه دائم أبدا، و كذلك يقولون: هو باق ما اختلف الليل و النهار و ''ما سمر ابنا سَمِير'' و ما لألأت الغفرُ بأذنابها يعنون بذلك كله أبدا''۔ (تفسیر طبری ج ر ۱۲ ص ۱۱۷ دار الفکر تفسیر ابن کثیر ج ر ۲ ص ۴۶۱ دار الفکر)

تشریح:

اہل عرب کبھی کسی حکم کو کسی زوال پذیر شئی پر معلق کر دیتے ہیں مگر مراد اس سے دوام اور تابید کا معنی ہوتا ہے مثلاً ایک شخص کہتا ہے: ''هذا دائم دوام السموات و الارض'' اس مثال میں دوام کو ارض و سماء کے دوام پر معلق کیا گیا ہے جو کہ زوال پذیر ہیں

مگر اہل عرب تابید کو بتانے کے لیے یہ تعبیر ذکر کرتے ہیں۔

مثال: فَاَمَّا الَّذِیْنَ شَقُوْا فَفِی النَّارِ لَهُمْ فِیْهَا زَفِیْرٌ وَّ شَهِیْقٌ۝ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَ الْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ ؕ اِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ۝ وَ اَمَّا الَّذِیْنَ سُعِدُوْا فَفِی الْجَنَّةِ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَ الْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ ؕ عَطَآءً غَیْرَ مَجْذُوْذٍ۝

(سورۂ ہود ۱۰۶۔۱۰۸)

ترجمہ: ''سو جو لوگ شقی ہیں وہ دوزخ میں (ایسے حال میں) ہوں گے کہ اس میں ان کی چیخ و پکار پڑی رہے گی اور ہمیشہ ہمیشہ وہ اسی میں رہیں گے، جب تک کہ آسمان و زمین قائم ہیں، ہاں اگر اس کے رب ہی کو (نکالنا) منظور ہو (تو دوسری بات ہے) آپ کا رب جو کچھ چاہے اس کو پورا کرسکتا ہے اور رہ گئے جو سعید ہیں، سو وہ جنت میں ہوں گے اور وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ کو رہیں گے جب تک آسمان اور زمین قائم ہے، ہاں اگر آپ کے رب کو (نکالنا) منظور ہو تو (دوسری بات) ہے۔

تطبیق:

اس میں اہل جہنم کا جہنم میں اور اہل جنت کا جنت میں ہمیشہ ہمیشہ رہنا آسمانوں اور زمینوں کے بقاء پر معلق کیا گیا جو زوال پذیر شئی ہے مگر مراد اس سے مقصود دوام اور تابید کا معنی ہے جیسا کہ خالدین فیہا کا جملہ اس پر دلالت کررہا ہے۔

قاعدہ نمبر (٦٦)

اَلْعَطْفُ یَقْتَضِی الْمُغَایَرَةَ بَیْنَ الْمَعْطُوْفِ وَ الْمَعْطُوْفِ عَلَیْهِ مَعَ اِشْتِرَاكِهِمَا فِی الْحُكْمِ الَّذِیْ ذُكِرَ لَهُمَا۔

(مجموع الفتاوی ج ۱۶/ص ۱۲۷ دار الوفاء)

علامہ بدرالدین زرکشی متوفی ۷۹۴ھ فرماتے ہیں:

"العطف یقتضی المغایرة"۔

(البرھان فی علوم القرآن ج/۴ ص ۸۴ دار المعرفة)

حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ فرماتے ہیں:

"إن العطف یقتضی المغایرة"۔

(فتح الباری شرح صحیح البخاری ج/۸ ص ۱۹۷ دار المعرفة بیروت)

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ فرماتے ہیں:

"والعطف یقتضی المغایرة"۔

(روح المعانی ج/۶ ص ۱۴۸ دار احیاء التراث العربی)

حاصل قاعدہ:

عطف کا مقتضاء معطوف اور معطوف علیہ کے درمیان مغایرت ہے گو حکم میں دونوں مشترک ہوں۔

تشریح:

محض تغایر لفظی کی بناء پر عطف کرنا درست نہیں عطف کے لیے معانی میں تغایر ضروری ہے البتہ اس تغایر کے چند درجات ہیں۔

پہلا درجہ: یہ ہے کہ معطوف اور معطوف علیہ باہم متباین ہوں، یعنی ایک دوسرے کا نہ جزء ہو اور نہ دوسرے کے لیے لازم ہو عطف کی یہ شکل سب سے زیادہ رائج ہے۔

دوسرا درجہ: یہ ہے کہ معطوف اور معطوف علیہ کے درمیان لزوم ہو یعنی معطوف، معطوف علیہ کا عین تو نہ ہو لیکن ایک کے ساتھ دوسرے کا شمول لازماً ہو جاتا ہو۔

تیسرا درجہ: یہ ہے کہ جزو شئی کا عطف شئی پر کیا جائے۔

چوتھا درجہ: یہ ہے کہ تغایر وصفی کو تغایر ذاتی کے قائم مقام کر دیا جائے یعنی ایک ہی

شئی دو مختلف صفات ذکر کر کے ان کا باہم عطف کر دیا جائے بایں خیال کہ گویا وہ دو ذات ہیں۔

تطبیق:

مثال بر جزء اول: (معطوف اور معطوف علیہ کے درمیان تباین ہو)

اَلَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ مَا بَیْنَهُمَا فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ ۚ اَلرَّحْمٰنُ فَسْـَٔلْ بِهٖ خَبِیْرًا ﴿۵۹﴾ (سورۃ الفرقان: ۵۹)

ترجمہ: ''وہ ایسا ہے جس نے آسمان و زمین اور جو کچھ ان کے درمیان میں ہے سب چھ روز (کی مقدار) میں پیدا کیا''۔

''السموٰت والارض و مابینھما'' یہاں ''سموات، ارض و مابینھما'' تین مختلف اشیاء ہیں ان کے درمیان تباین کی بناء پر عطف کیا گیا ہے کیونکہ آسمان و زمین اور ان کے مابین کی اشیا سب الگ الگ ہیں، ایک دوسرے کے لیے جز یا ایک دوسرے کے لیے لازم نہیں ہیں۔

مثال بر جزء ثانی: (معطوف اور معطوف علیہ کے درمیان تلازم ہو)

وَ لَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَ تَكْتُمُوا الْحَقَّ وَ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۴۲﴾

(سورۃ البقرۃ: ۴۲)

ترجمہ: ''اور مخلوط مت کرو حق کو ناحق کے ساتھ اور پوشیدہ بھی مت کرو حق کو''۔

تلبیس حق اور کتمان حق دونوں دو الگ چیزیں ہیں تاہم ایک کا وجود دوسرے کو مستلزم ہو جاتا ہے وہ اس طور پر کہ باطل کے ساتھ حق کی تلبیس کرنے والا جتنا باطل کا اظہار کرے گا اسی قدر حق کا کتمان بھی ہوگا اور کتمان حق کرنے والے کو لامحالہ حق کی جگہ باطل کو پیش کرنا ہوگا اس طرح حق کی تلبیس بھی لازماً پائی جائے گی۔

مثال بر جزء ثالث: (جزو شئی کا شئی پر عطف)

حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَ الصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى ۚ وَ قُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ۝ (سورۃ البقرۃ:۲۳۸)

ترجمہ:''محافظت کرو سب نمازوں کی (عموماً) اور درمیان والی نماز کی (خصوصاً)''۔

صلاۃ وسطیٰ صلوات کا ایک فرد ہے پس عطف الجزء علی الکل کی قبیل سے ہے۔

مثال برجزء رابع: (تغایر صفت کو تغایر ذات کے قائم مقام کر دیا جائے)

سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى۝ الَّذِىْ خَلَقَ فَسَوّٰى۝ وَ الَّذِىْ قَدَّرَ فَهَدٰى۝ وَ الَّذِىْۤ اَخْرَجَ الْمَرْعٰى۝ (سورۃ الاعلیٰ:۱تا۴)

ترجمہ:''(اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم) آپ (اور جو مومن آپ کے ساتھ ہیں) اپنے پروردگار عالی شان کے نام کی تسبیح کیجیے جس نے (ہر شئی کو) بنایا پھر (اس کو) ٹھیک بنایا اور جس نے تجویز کیا پھر راہ بتلائی اور جس نے (زمین سے) چارہ نکالا''۔

یہ سب صفات ایک ذات حق جل مجدہ کی ہیں مگر ان کے درمیان عطف کیا گیا ہے، صفات کے تغایر کے پیش نظر۔

اشباہ ونظائر

جزء اول سے متعلق:

(۱) و جبریل و میکائل '' مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَ مَلٰٓئِكَتِهٖ وَ رُسُلِهٖ وَ جِبْرِيْلَ وَ مِيْكٰلَ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ۝ (سورۃ البقرۃ:۹۸)

(۲) وَ اَنْزَلَ التَّوْرٰىةَ وَ الْاِنْجِيْلَ۝ مِنْ قَبْلُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَ اَنْزَلَ الْفُرْقَانَ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ؕ وَ اللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ۝ (سورۃ آل عمران:۳،۴)

ترجمہ: ''اور (اسی طرح) بھیجا تھا رات اور انجیل کو اس کے قبل لوگوں کی ہدایت کے واسطے اور اللہ تعالیٰ نے بھیجے معجزات''۔

جزء ثانی سے متعلق:

(۱) وَ مَنْ یُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ لَهُ الْهُدٰی وَ یَتَّبِعْ غَیْرَ سَبِیْلِ الْمُؤْمِنِیْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰی وَ نُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ؕ وَ سَآءَتْ مَصِیْرًا۠ (سورۃ النساء:۱۱۵)

ترجمہ: ''اور جو شخص رسول کی مخالفت کرے گا بعد اس کے کہ اس کو امرِ حق ظاہر ہو چکا تھا اور مسلمانوں کا راستہ چھوڑ کر دوسرے راستہ ہو لے گا تو ہم اس کو جو کچھ وہ کرتا ہے کرنے دیں گے''۔

(۲) وَ مَنْ یَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَ مَلٰٓىٕكَتِهٖ وَ كُتُبِهٖ وَ رُسُلِهٖ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِیْدًا۝ (سورۃ النساء:۱۳۶)

ترجمہ: ''اور جو شخص اللہ تعالیٰ کا انکار کرے اور اس کے فرشتوں کا اور اس کی کتابوں کا اور اس کے رسولوں کا''۔

جزء ثالث سے متعلق:

(۱) وَ اِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِیّٖنَ مِیْثَاقَهُمْ وَ مِنْكَ وَ مِنْ نُّوْحٍ وَّ اِبْرٰهِیْمَ وَ مُوْسٰی وَ عِیْسَی ابْنِ مَرْیَمَ ۪ وَ اَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّیْثَاقًا غَلِیْظًا۝ (سورۃ الاحزاب:۷)

ترجمہ: ''اور جب کہ ہم نے تمام پیغمبروں سے ان کا اقرار لیا اور آپ سے بھی اور نوح اور ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ بن مریم سے بھی''۔

(۲) وَ اَوْرَثَكُمْ اَرْضَهُمْ وَ دِیَارَهُمْ وَ اَمْوَالَهُمْ وَ اَرْضًا لَّمْ تَطَـُٔوْهَا ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرًا۝ (سورۃ الاحزاب:۲۷)

ترجمہ: ’’اوران کی زمین اوران کے گھروں اوران کے مالوں کاتم کو مالک بنادیا اور (ایسی زمین کا بھی) جس پرتم نے قدم نہیں رکھا‘‘۔

جزءرابع سے متعلق:

(۱) وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ۝ (سورۃ البقرۃ: ۳،۴)

ترجمہ: ’’وہ خدا سے ڈرنے والے لوگ ایسے ہیں کہ یقین لاتے ہیں چھپی ہوئی چیزوں پراور قائم رکھتے ہیں نماز کواور جو کچھ دیا ہے ہم نے ان کواس میں سے خرچ کرتے ہیں اور وہ لوگ ایسے ہیں کہ یقین رکھتے ہیں اس کتاب پر بھی جو آپ کی طرف اتاری گئی اوران کتابوں پر بھی جو آپ سے پہلے اتاری جاچکی ہیں، اور آخرت پر بھی وہ لوگ یقین رکھتے ہیں‘‘۔

قاعدہ نمبر (٦٧)

اَلْغَالِبُ فِیْ الْقُرْاٰنِ وَ فِیْ کَلَامِ الْعَرَبِ اَنَّ الْجَوَابَ الْمَحْذُوْفَ یُذْکَرُ قَبْلَهٗ مَا یَدُلُّ عَلَیْهِ۔

(اضواء البیان فی ایضاح القرآن بالقرآن ج ر ۳ ص ر ۶۰ عالم الکتب)

حاصل قاعدہ:

اکثر وبیشتر قرآن اور کلام عرب میں ایسا ہوتا ہے کہ جواب محذوف سے پہلے کوئی ایسا قرینہ مذکور ہوتا ہے جو اس پر دال ہوتا ہے۔

معالم التنزیل بغوی کا وہ نسخہ جو دار طیبۃ سے چھپا ہے اس کے حاشیے میں بھی اس اصول کوانہی الفاظ کے ساتھ نقل کیا ہے۔

(معالم التنزیل بغوی ج ر ۴ ص ۲۳۰ دار طیبۃ للنشر والتوزیع)

مثال: وَ لَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا سُيِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ اَوْ قُطِّعَتْ بِهِ الْاَرْضُ اَوْ كُلِّمَ بِهِ الْمَوْتٰى۔ (سورۃ رعد: ۳۱)

ترجمہ: ''اور اگر کوئی ایسا قرآن ہوتا جس کے ذریعہ سے پہاڑ (اپنی جگہ سے) ہٹا دیے جاتے یا اس کے ذریعہ سے زمین جلدی جلدی طے ہوجاتی یا اس کے ذریعہ سے مردوں کے ساتھ کسی کو باتیں کرادی جاتیں''۔

جواب الآیة محذوف تقدیرہ لکفرتم بالرحمن اور اس جواب پر اس سے پہلے کی آیت ''وھم یکفرون بالرحمن'' (رعد: ۳۰) دلالت کررہی ہے۔

ترجمہ: ''اور وہ لوگ ایسے بڑے رحمت والے کی ناسپاسی کرتے ہیں''۔

قاعدہ نمبر (٦٨)

اَلْفَاظُ الشَّارِعِ مَحْمُوْلَةٌ عَلَى الْمَعَانِيْ الشَّرْعِيَّةِ فَاِنْ لَمْ تَكُنْ فَالْعُرْفِيَّةُ فَاِنْ لَمْ تَكُنْ فَاللُّغَوِيَّةُ۔

حاصل قاعدہ:

نصوص (الفاظ شرعیہ) کو سب سے پہلے معانی شرعیہ پر محمول کیا جائے گا وہ نہ ہوں تو معانی عرفیہ پر وہ نہ ہوں تو معانی لغویہ پر۔

علامہ بدرالدین زرکشی متوفی ۷۹۴ھ فرماتے ہیں:

''لو دار بین الشرعیة والعرفیة فالشرعیة أولی ۔۔۔۔ اذا دار بین اللغویة والعرفیة فالعرفیة أولی''۔

(البرھان فی علوم القرآن ج/۲ ص/۱۶۷ دار المعرفۃ بیروت)

حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ فرماتے ہیں:

''ألفاظ الشارع محمولة على عرفه لأنه المحتاج إليه فيه لكونه بعث بيان الشرعيات لا لبيان موضوعات اللغة''۔

(فتح الباری شرح صحیح البخاری ج ۲ ص ۲۴۱ دار المعرفۃ بیروت، تحفۃ الاحوذی بشرح جامع الترمذی ج ۲ ص ۵۶ دار الکتب العلمیۃ)

تشریح:

اہل علم کے ہاں ایک ضابطہ ہے ''کل من له عرف یحمل کلامه علی عرفه'' ہر صاحب کلام کے کلام کو اس کے عرف پر محمول کیا جائے گا مذکورہ قاعدہ اسی ضابطہ پر متفرع ہے۔

قاعدہ کا حاصل یہ ہے کہ کسی لفظ کا من جانب الشارع کوئی معنی متعین نہ ہو مگر عرف میں وہ ایک خاص معنی میں مستعمل ہوتا ہو تو اس کو اسی معنی پر محمول کیا جائے گا اس طرح اگر کسی لفظ کا کوئی خاص معنی شریعت کی جانب سے متعین نہ ہو، نہ ہی عرف میں وہ کسی خاص معنی میں استعمال ہوتا ہو ایسے الفاظ کو ان کے لغوی معنی پر محمول کیا جائے گا۔

فائدہ:

یہ قاعدہ اس صورت میں ہے جب کہ تینوں معانی میں سے کسی معنی کی تعیین پر قرینہ نہ ہو البتہ کوئی قرینہ ہو تو حسب قرینہ معنی مراد ہوگا۔

تطبیق مثال

مثال بر جزء اول:

(لفظ معنی شرعی اور معنی لغوی کے درمیان دائر ہو)

وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ ؕ اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَاتُوْا وَهُمْ فٰسِقُوْنَ ۝ (سورۃ التوبۃ: ۸۴)

یہاں لفظ صلاۃ وارد ہے اس کا معنی لغوی ''دعا'' ہے اور معنی شرعی ''نماز جنازہ'' ہے پس دوسرے معنی (نماز جنازہ) پر ہی محمول کیا جائے گا۔

مثال بر جزء ثانی:

(لفظ معنی عرفی کے اور معنی لغوی کے درمیان دائر ہوا)

اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَ الَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا ۚ فَيُمْسِكُ الَّتِيْ قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَ يُرْسِلُ الْاُخْرٰٓى اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۴۲﴾ (سورۃ الزمر: ۴۲)

ترجمہ: ''اللہ ہی قبض کرتا ہے (ان) جانوں کو ان کی موت کے وقت اور ان جانوں کو بھی جن کی موت نہیں آئی ان کے سونے کے وقت''۔

توفی کا ایک معنی لغوی ہے اور ایک معنی عرفی۔

لغوی معنی: ''کسی چیز کو پورا پورا لے لینا'' اس اعتبار سے توفی کا معنی ہوگا روح اور جسم دونوں کو قبض کر لینا مگر اس کا معنی عرفی اس کے علاوہ ہے یعنی عرف میں صرف اخذ روح پر اس کا اطلاق ہوتا ہے پس لفظ توفی چونکہ معنی لغوی اور معنی عرفی کے درمیان دائر ہے اس لیے قاعدہ مذکورہ کی بنیاد پر معنی عرفی کو لیا جائے گا اور معنی لغوی کو ترک کر دیا جائے گا۔

مثال بر جزء ثالث:

(لفظ معنی شرعی اور لغوی کے درمیان دائر ہو مگر معنی لغوی پر قرینہ موجود ہو)۔

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَ تُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ؕ وَ اللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۰۳﴾

(سورۃ التوبۃ: ۱۰۳)

ترجمہ: ''آپ ان کے مالوں میں سے صدقہ (جس کو یہ لائے ہیں) لے لیجیے

جس کے (لینے کے) ذریعہ سے آپ ان کو (گناہ کے آثار سے) پاک صاف کر دیں گے اوران کے لیے دعا کیجیے"۔

صلاۃ کا ایک معنی لغوی (دعاء) ہے اور ایک معنی شرعی (نماز) ہے پس از روئے قاعدہ معنی شرعی مراد ہونا چاہیے، مگر یہاں معنی لغوی کے مراد ہونے پر قرینہ ہے وہ قرینہ عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کوئی صدقہ لے کر آتا تو صدقہ لانے والے کو دعا دیتے۔ایک مرتبہ میرے والد صدقہ کا مال لے کر آئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا دی "اللھم صل علی آل ابی اوفی"۔

(صحیح البخاری ج ر ۲ ص ر ۵۴۴ دار ابن کثیر یمامہ)

قاعدہ نمبر (٦٩)

اَلْفِعْلُ فِیْ سِیَاقِ النَّفْیِ وَ مَا فِیْ مَعْنَاہُ یُفِیْدُ الْعُمُوْمَ۔

حاصل قاعدہ:

فعل جب نفی اور ملحقات نفی کے تحت واقع ہو تو عموما کا فائدہ دیتا ہے۔

تشریح:

قاعدۂ مذکورہ میں فعل سے مراد فعل امر، فعل ماضی، فعل مضارع تینوں افعال ہیں اور ملحقات نفی سے نہی، شرط، استفہام مراد ہے اور اس قاعدے کا مطلب یہ ہے کہ افعال ثلثہ مذکورہ میں سے کوئی بھی فعل نفی، استفہام میں سے کسی کے تحت آوے گا تو اس فعل میں عموم کا معنی پیدا ہو جائے گا۔

فعل تحت النفی کی مثال:

وَلَا یُفْلِحُ السَّاحِرُ حَیْثُ اَتٰی ﴿٦٩﴾ (سورۃ طٰہٰ:٦٩)

ترجمہ: ''اور جادوگر کہیں جاوے (معجزہ کے مقابلہ میں کبھی) کامیاب نہیں ہوتا''۔

اس میں ''یفلح'' میں عموم ہے اور ہر قسم کی فلاح کی نفی ہورہی ہے۔

فعل تحت النہی کی مثال:

وَ لَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ ۛ وَ اَحْسِنُوْا ۛ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۱۹۵﴾ (سورۃ البقرۃ:۱۹۵)

ترجمہ: ''اور اپنے آپ کو اپنے ہاتھوں تباہی میں مت ڈالو''۔

فعل تحت الشرط کی مثال:

اِنْ یَّثْقَفُوْكُمْ یَكُوْنُوْا لَكُمْ اَعْدَآءً وَّ یَبْسُطُوْۤا اِلَیْكُمْ اَیْدِیَهُمْ وَ اَلْسِنَتَهُمْ بِالسُّوْٓءِ وَ وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ ﴿۲﴾

(سورۃ الممتحنۃ:۲)

ترجمہ: ''اگر تم پر قدرت پاجاویں تو تمہارے دشمن ہوجائیں''۔

اس میں ''ان یثقفوکم'' میں عموم ہے یعنی ہر قسم کی قدرت مراد ہے۔

قاعدہ نمبر (۷۰)

اَلْقُرْآنُ مُشْتَمِلٌ عَلَىٰ اُصُولِ الدِّیْنِ دَلَائِلِهٖ وَ مَسَائِلِهٖ اَمَّا تَعْرِیْفُهٗ لِلْاَحْكَامِ فَأَكْثَرُهٗ كُلِّیٌّ لَا جُزْئِیٌّ۔

(الموافقات للشاطبی ج/۴ ص/۱۸۰ دار ابن عفان)

علامہ ابوالفضل عمر بن مسعود نے شعر میں اسی قاعدے کو نقل کیا ہے:

یشمل اصول الدین و القرآن فی — کل الدلائل و المسائل ثم فی

تعریفه الاحکام و اسمع و انبئي — ذا أكثره كلي و ليس بالجزي

(نشر العبیر فی منظومۃ قواعد التفسیر ج/۱ ص/۹۷)

حاصل قاعدہ:

قرآن کریم دین کے اصول اور اس کے دلائل و مسائل پر مشتمل ہے اور احکام کے باب میں قرآن کے اکثر ارشادات قانون کلی کی حیثیت رکھتے ہیں نہ کہ قضیۂ جزئیہ کی۔

تشریح:

دین کے اصول وکلیات کا قرآن عزیز میں کلی وشافی بیان ہے، یعنی ان اصول کو دلائل کے ساتھ اچھی طرح واضح کیا گیا ہے، نیز ان اصول تک پہنچنے کے طریقے بھی بیان کر دیئے گئے۔ اصول دین سے مراد مسائل اعتقادیہ قطعیہ ہیں۔

جہاں تک احکام کی بات ہے تو قرآن کے بیان کردہ اکثر احکام قانون کلی کی حیثیت رکھتے ہیں یعنی کسی شخص یا کسی خاص حالت اور زمانہ کے ساتھ خاص نہیں ہیں نیز ان کے بیان میں شرائط وارکان کا استیعاب اور موانع وعوارض کے ذکر کا التزام نہیں کیا گیا ہے، اور اس کی ذمہ داری خود رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کو سونپ دی گئی، اسی لیے احادیث شریفہ قرآن مقدس کی شرح وتفسیر کہلاتی ہیں اور یہی وجہ ہے کہ قرآن کی تفسیر کے لیے احادیث کی مراجعت کے بغیر کوئی چارہ نہیں اگر کسی آیت کی تفسیر احادیث میں نہ ملے تو اقوال سلف پر نظر کی جائے ورنہ پھر عربی زبان کے اسالیب وقواعد کی رو سے حل کیا جائے۔

الغرض قرآن کریم اپنے اختصار کے ساتھ جامع اور کافی کتاب ہے جس میں دین کے اصول وکلیات سمو دیئے گئے ہیں۔

تطبیق مثال:

''اصول دین سے متعلق''

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ۚ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّ لَا نَوْمٌ ؕ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الْاَرْضِ ؕ مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ؕ

يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَ مَا خَلْفَهُمْ ۚ وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهِ إِلَّا بِمَا شَاءَ ۚ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَ الْأَرْضَ ۚ وَلَا يَئُودُهُ حِفْظُهُمَا ۚ وَ هُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيمُ ﴿۲۵۵﴾ (سورۃ البقرۃ:۲۵۵)

ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ (ایسا ہے کہ) اس کے سوا کوئی عبادت کے قابل نہیں زندہ ہے (تمام عالم کا) سنبھالنے والا ہے نہ اس کو اونگھ دبا سکتی ہے اور نہ نیند، اسی کے مملوک ہیں سب جو کچھ آسمانوں میں ہیں اور جو کچھ زمین میں ہیں ایسا کون شخص ہے جو اس کے پاس (کسی کی) سفارش کر سکے بدون اس کی اجازت کے، وہ جانتا ہے ان کے تمام حاضر و غائب حالات کو اور وہ موجودات اس کے معلومات میں سے کسی چیز کو اپنے احاطہ علمی میں نہیں لا سکتے مگر جس قدر (علم دینا) وہی چاہے اس کی کرسی نے سب آسمانوں اور زمین کو اپنے اندر لے رکھا ہے اور اللہ کو ان دونوں کی حفاظت کچھ گراں نہیں گزرتی اور وہ عالی شان اور عظیم الشان ہے''۔

یہ آیت دین کے اصول پر مشتمل ہے یعنی صفات باری تعالیٰ کی تفاصیل اس میں موجود ہیں۔

تطبیق مثال:

''احکام اور فروع سے متعلق''

وَ أَقِيمُوا الصَّلٰوةَ وَ آتُوا الزَّكٰوةَ وَ ارْكَعُوا مَعَ الرّٰكِعِينَ ﴿۴۳﴾

(سورۃ البقرۃ:۴۳)

ترجمہ: ''اور قائم کرو تم لوگ نماز کو (یعنی مسلمان ہو کر) اور دو زکوٰۃ کو''۔

یہاں نماز اور زکوٰۃ کے متعلق ایک قانون کلی کو بیان کیا گیا کہ انہیں بجا لاؤ اس کے شرائط و ارکان اور جزئیات و فروع سے تعرض نہیں کیا گیا۔

قاعدہ نمبر (۱۷)

اَلْكَلِمَةُ إِذَا احْتَمَلَتْ وُجُوهًا لَمْ يَكُنْ لِأَحَدٍ صَرْفُ مَعْنَاهَا إِلَى

بَعْضِ وُجُوهِهَا دُوْنَ بَعْضٍ اِلاَّ بِحُجَّةٍ۔

(تفسیر طبری ج ۱/ ص ۳۱۵ موسسۃ الرسالۃ)

حاصل قاعدہ:

جہاں چند معانی کا احتمال ہو تو کسی ایک معنی کی تعیین دلیل کے بغیر نہیں ہوگی۔

مثال مع تطبیق:

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى وَ الْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَةِ ۚ فَمَآ اَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ ۝ (سورۃ البقرۃ:۱۷۵)

ترجمہ: ''یہ ایسے لوگ ہیں جنہوں نے (دنیا میں تو) ہدایت چھوڑ کر ضلالت اختیار کی''۔

آیت کریمہ میں لفظ ''اشتراء'' وارد ہے جس کے متعدد معانی ہیں۔

اول: ''اعتیاض شئی ببذل شئی مکانه عوضامنه'' یعنی ایک شئی دے کر دوسری شئی اس کے عوض میں لینا۔''

دوم: ''الاختیار و الاستحباب'' یعنی ایک شئی کو دوسری شئی کے مقابلہ میں ترجیح دینا''۔

سوم: ''مطلقا ایک شئی کو لینا دوسری شئی کو چھوڑ دینا''۔

ان معانی ثلثہ کا بیک وقت آیت میں مراد لینا درست نہیں ہے۔ لہٰذا معنی مرادی کی تعیین کی ضرورت ہوگی اور دلیل کے بغیر کسی ایک معنی کی تعیین نہیں کی جاسکتی اور دلیل کا پہلو یہاں پر یہ ہے کہ پہلا معنی مراد لینا صحیح نہیں ہوگا کیونکہ یہ آیت منافقین کے متعلق ہے۔ اور ان لوگوں کے پاس ہدایت تھی ہی نہیں کہ اس کو دے کر اس کے عوض میں ضلالت لیتے ہاں دوسرا اور تیسرا معنی معتبر ہے یعنی ان لوگوں نے ہدایت کے مقابلہ میں ضلالت کو ترجیح دی یا یہ کہ ان کے سامنے دونوں چیزیں تھیں ایک کو قبول کیا دوسرے کو چھوڑ دیا۔

قاعدہ نمبر (۷۲)

اَلْمُحْتَرَزَاتُ فِی الْقُرْآنِ تَقَعُ فِیْ کُلِّ الْمَوَاضِعِ عِنْدَ الْحَاجَةِ اِلَیْهَا۔

(القواعد الحسان فی تفسیر القرآن ج ۱/ ص ۶۸ مکتبہ مشکاۃ الاسلامیۃ)

حاصل قاعدہ:

خلافِ مقصود واہمہ کو قرآن حسبِ ضرورت دفع کر دیتا ہے۔

تطبیق مثال:

اِنَّمَآ اُمِرۡتُ اَنۡ اَعۡبُدَ رَبَّ هٰذِهِ الۡبَلۡدَةِ الَّذِىۡ حَرَّمَهَا وَ لَهٗ كُلُّ شَىۡءٍ‌ وَّاُمِرۡتُ اَنۡ اَكُوۡنَ مِنَ الۡمُسۡلِمِيۡنَ ۝۹۱ (سورۃ النمل:۹۱)

ترجمہ: ''مجھ کو یہی حکم ملا ہے کہ میں اس شہر (مکہ) کے مالک (حقیقی) کی عبادت کیا کروں جس نے اس (شہر) کو محترم بنایا ہے اور (اس کی عبادت کیوں نہ کی جائے جب کہ وہ ایسا ہے کہ) سب چیزیں اسی کی (ملک) ہیں''۔

اشباہ ونظائر

(۱) لَا يَسۡتَوِى الۡقٰعِدُوۡنَ مِنَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ غَيۡرُ اُولِى الضَّرَرِ وَالۡمُجٰهِدُوۡنَ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ بِاَمۡوَالِهِمۡ وَاَنۡفُسِهِمۡ‌ؕ فَضَّلَ اللّٰهُ الۡمُجٰهِدِيۡنَ بِاَمۡوَالِهِمۡ وَاَنۡفُسِهِمۡ عَلَى الۡقٰعِدِيۡنَ دَرَجَةً‌ؕ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الۡحُسۡنٰى‌ؕ وَفَضَّلَ اللّٰهُ الۡمُجٰهِدِيۡنَ عَلَى الۡقٰعِدِيۡنَ اَجۡرًا عَظِيۡمًا ۝۹۵

(سورۃ النساء:۹۵)

ترجمہ: ''برابر نہیں وہ مسلمان جو بلا کسی عذر کے گھر میں بیٹھے رہیں''۔

یہاں یہ وہم ہو سکتا ہے کہ معذورین بھی مجاہد فی سبیل اللہ کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتے اس لیے فوراً دفعیہ کر دیا ''غیر اولی الضرر'' کہہ کر دفعیہ کر دیا۔

(۲) اِنَّكَ لَا تُسۡمِعُ الۡمَوۡتٰى وَلَا تُسۡمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ اِذَا وَلَّوۡا مُدۡبِرِيۡنَ ۝۸۰ (سورۃ النمل:۸۰)

ترجمہ: ”اور نہ بہروں کو اپنی آواز سنا سکتے ہیں (خصوصاً) جب وہ پیٹھ پھیر کر چل دیں۔“

یہاں واہمہ تھا کہ بہروں کو پکار نہیں سنائی جاسکتی اشارہ تو سمجھایا جاسکتا ہے اس کو دور کرنے کے لیے فوراً ذکر کردیا ”اذا ولوا مدبرین“۔

(۳) فَفَهَّمۡنٰهَا سُلَيۡمٰنَ ۚ وَكُلًّا اٰتَيۡنَا حُكۡمًا وَّ عِلۡمًا ۖ وَّ سَخَّرۡنَا مَعَ دَاوٗدَ الۡجِبَالَ يُسَبِّحۡنَ وَالطَّيۡرَ ؕ وَكُنَّا فٰعِلِيۡنَ ۝ (سورۃ الانبیاء:۷۹)

ترجمہ: ”سو ہم نے اس (فیصلہ) کی سمجھ سلیمان کو دے دی“۔

یہاں وہم ہو رہا تھا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے مقابلے میں حضرت داؤد علیہ السلام کی شان اور منزلت کم تھی اس لیے فوراً ذکر کردیا۔ ”وکلا اتینا حکماً و علماً“۔

قاعدہ نمبر (۷۳)

اَلۡمُطۡلَقُ يُحۡمَلُ عَلَى الۡكَامِلِ۔

(فتح الباری بشرح صحیح البخاری ج/۲ ص/۹۴ دار المعرفة بیروت، فتح المغیث بشرح الفیة الحدیث ج/۳ ص/۹۸ دار الکتب العلمیة، تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق ج/۶ ص/۱۲۴ دار الکتب الاسلامی)

حاصل قاعدہ:

مطلق فرد کامل پر محمول ہوتا ہے۔

مثال: انما امرت ان اعبد رب ھذہ البلدۃ اس میں البلدۃ سے مراد مکہ مکرمہ ہے جیسا کہ ”البیت“ بول کر کعبہ مراد لیا جاتا ہے کیونکہ وہ بیت کے افراد میں فرد کامل ہے۔

قاعدہ نمبر (۷۴)

اَلنَّفۡيُ الۡمَقۡصُوۡدُ بِهِ الۡمَدۡحُ لَا بُدَّ مِنۡ اَنۡ يَكُوۡنَ مُتَضَمِّنًا لِاِثۡبَاتِ كَمَالِ ضِدِّهٖ۔

حاصل قاعدہ:

مقام مدح میں کی گئی نفی اپنی ضد کے کمال کو ثابت کرتی ہے۔

شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ متوفی ۷۲۸ھ فرماتے ہیں:

"کان عامة ما وصف الله به نفسه من النفی متضمنا لإثبات مدح کقوله تعالیٰ: الله لا أله الا هو الحی القیوم لاتاخذه سنة و لا نوم: فنفی السنة و النوم: یتضمن کمال الحیاة و القیام، فهو مبین لکمال أنه الحی القیوم"۔

(مجموع الفتاوی ج ر ۳ ص ر ۶۳ دار الوفاء سن طباعت ۱۴۲۶ھ)

علامہ ابن قیم متوفی ۷۵۱ھ فرماتے ہیں:

"إن کل مانفاه الله عن نفسه هو لإثبات کمال ضده"۔

(الصواعق المرسلة ج ر ۳ ص ۱۰۲۳ دار العاصمہ الریاض)

علامہ ابن ابی العز حنفی متوفی ۷۹۲ھ فرماتے ہیں:

"کل نفی یاتی فی صفات الله تعالیٰ فی الکتاب و السنة انما هو لثبوت کمال ضده"۔ (شرح العقیدۃ الطحاویۃ ج ر ۱ ص ر ۱۰۸ المکتب الاسلامی بیروت)

تشریح:

نفی نام ہے عدم الشیٔ کا اور عدم کوئی شیٔ نہیں ہے اس لیے صفات سلبیہ جب مقام مدح میں واقع ہوتی ہیں تو وہاں اس کی ضد (صفت مثبت) کا فردِ کامل مراد ہوتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ سے نوم کی نفی کی گئی ہے تو وہاں مقصود اس کی ضد یعنی کمال یقظہ کو ثابت کرنا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے لیے بیداری کامل درجہ کی ثابت ہے۔

مثال: وَ تَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِيْ لَا يَمُوْتُ وَ سَبِّحْ بِحَمْدِهٖ ؕ وَ كَفٰى بِهٖ بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ خَبِيْرًا ۞ (سورۃ الفرقان: ۵۸)

ترجمہ: "اور اس زندہ پر بھروسہ کیجیے جسے موت نہیں آتی ہے"۔

یہاں موت کی نفی ہے مقصود کمال حیات کو بتلانا ہے۔

دیگر امثلہ

وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا ﴿۴۹﴾ (سورۃ الکہف:۴۹)

ترجمہ: ''اور آپ کا رب کسی پر ظلم نہ کرے گا''۔

(۲) ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۲﴾

(سورۃ البقرۃ:۲)

ترجمہ: ''یہ کتاب ایسی ہے جس میں کوئی شبہ نہیں''۔

(۳) لَا يَسْـَٔلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ﴿۲۷۳﴾ (سورۃ البقرۃ:۲۷۳)

ترجمہ: ''وہ لوگوں سے لپٹ کر مانگتے نہیں پھرتے''۔

الاستفہام

استفہام کا حقیقی معنی: کسی نامعلوم شئی کا علم طلب کرنا۔

استفہام کا مجازی معنی: استفہام حقیقی معنی کے علاوہ دوسرے معانی میں بھی استعمال کیا جاتا ہے وہ استفہام کے مجازی معنی کہلاتے ہیں۔ علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اتقان میں اس کی ۳۲/انواع ذکر فرمائی ہیں۔

(۱) انکار: فَمَنْ يَّهْدِيْ مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ ؕ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ

(۲) توبیخ: اَفَعَصَيْتَ أَمْرِي

(۳) تقریر: هَلْ يَسْمَعُوْنَكُمْ اِذْ تَدْعُوْنَ

(۴) تعجب یا تعجیب: كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ

(۵) عتاب: اَلَمۡ یَاۡنِ لِلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَنۡ تَخۡشَعَ قُلُوۡبُهُمۡ لِذِكۡرِ اللّٰهِ

(۶) تذکیر: اَلَمۡ اَعۡهَدۡ اِلَیۡكُمۡ یٰبَنِیۡۤ اٰدَمَ اَنۡ لَّا تَعۡبُدُوا الشَّیۡطٰنَ

(۷) افتخار: اَلَیۡسَ لِیۡ مُلۡكُ مِصۡرَ

(۸) تفخیم: مَالِ هٰذَا الۡكِتٰبِ لَا یُغَادِرُ صَغِیۡرَةً وَّ لَا كَبِیۡرَةً

(۹) تہویل وتخویف: اَلۡحَآقَّةُ ۙ مَا الۡحَآقَّةُ ۚ اَلۡقَارِعَةُ ۙ مَا الۡقَارِعَةُ

(۱۰) تسہیل وتخفیف: وَ مَا ذَا عَلَیۡهِمۡ لَوۡ اٰمَنُوۡا

(۱۱) تہدید ووعید: اَلَمۡ نُهۡلِكِ الۡاَوَّلِیۡنَ

(۱۲) تکثیر: وَ كَمۡ مِّنۡ قَرۡیَةٍ اَهۡلَكۡنٰهَا

(۱۳) تسویہ: سَوَآءٌ عَلَیۡهِمۡ ءَاَنۡذَرۡتَهُمۡ اَمۡ لَمۡ تُنۡذِرۡهُمۡ

(۱۴) امر: اَتَصۡبِرُوۡنَ ۚ ای اصبروا

(۱۵) تنبیہ: اَلَمۡ تَرَ اِلٰی رَبِّكَ كَیۡفَ مَدَّ الظِّلَّ ۚ

(۱۶) ترغیب: مَنۡ ذَا الَّذِیۡ یُقۡرِضُ اللّٰهَ قَرۡضًا حَسَنًا

(۱۷) نہی: اَتَخۡشَوۡنَهُمۡ ۚ فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنۡ تَخۡشَوۡهُ

(۱۸) دعا: اَتُهۡلِكُنَا بِمَا فَعَلَ السُّفَهَآءُ مِنَّا ۚ

(۱۹) استرشاد: اَتَجۡعَلُ فِیۡهَا مَنۡ یُّفۡسِدُ فِیۡهَا

(۲۰) تمنی: فَهَلۡ لَّنَا مِنۡ شُفَعَآءَ

(۲۱) استبطاء: مَتٰی نَصۡرُ اللّٰهِ ؕ

(۲۲) عرض: اَلَا تُحِبُّوۡنَ اَنۡ یَّغۡفِرَ اللّٰهُ لَكُمۡ ؕ

(۲۳) تحضیض: اَلَا تُقَاتِلُوۡنَ قَوۡمًا نَّكَثُوۡۤا اَیۡمَانَهُمۡ

(۲۴) تجاہل: ءَاُنۡزِلَ عَلَیۡهِ الذِّكۡرُ مِنۡۢ بَیۡنِنَا ؕ

(۲۵) تعظیم: مَنۡ ذَا الَّذِیۡ یَشۡفَعُ عِنۡدَهٗۤ اِلَّا بِاِذۡنِهٖ ؕ

(۲۶) تحقیر: اَهٰذَا الَّذِیْ بَعَثَ اللّٰهُ رَسُوْلًا ﴿۴۱﴾

(۲۷) اکتفاء: اَلَیْسَ فِیْ جَهَنَّمَ مَثْوًی لِّلْكٰفِرِیْنَ ﴿۳۲﴾

(۲۸) استبعاد: اَنّٰی لَهُمُ الذِّكْرٰی

(۲۹) استیناس: وَ مَا تِلْكَ بِیَمِیْنِكَ یٰمُوْسٰی ﴿۱۷﴾

(۳۰) تہکم واستہزاء: اَصَلٰوتُكَ تَاْمُرُكَ

(۳۱) تاکید: اَفَمَنْ حَقَّ عَلَیْهِ كَلِمَةُ الْعَذَابِ ؕ

(۳۲) اخبار: اَفِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ اَمِ ارْتَابُوْٓا

(الاتقان فی علوم القرآن ج ر ۳ ص ر ۲۱۲ سے ۲۱۷ تک دار الفکر)

قاعدہ نمبر (۷۵)

اَلنَّكِرَةُ اِذَا تَكَرَّرَتْ دَلَّتْ عَلَى التَّعَدُّدِ بِخِلَافِ الْمَعْرِفَةِ۔

(فتح الباری بشرح صحیح البخاری ج ر ۲ ص ر ۵۰۴ دار المعرفۃ، شرح الزرقانی ج ر ۱ ص ر ۵۴۵ دار الکتب العلمیۃ، نیل الاوطار ج ر ۴ ص ر ۴۳ دار الجیل)

حاصل قاعدہ:

نکرہ جب مکرر ہو تو تعدد پر دلالت کرتا ہے بخلاف معرفہ کے۔

تشریح:

کوئی اسم جب دو مرتبہ ذکر کیا جاوے تو اس کی چار صورتیں بنتی ہیں:

(۱) اعادۂ معرفہ بصورت معرفہ یعنی دونوں مرتبہ معرفہ ذکر کیا جاوے۔

(۲) اعادۂ نکرہ بصورت نکرہ یعنی دونوں مرتبہ نکرہ ذکر کیا جاوے۔

(۳) اعادۂ نکرہ بصورت معرفہ یعنی پہلے نکرہ لایا جاوے پھر معرفہ۔

(۴) اعادۂ معرفہ بصورت نکرہ یعنی پہلے معرفہ لایا جاوے پھر نکرہ۔

اگر دونوں مرتبہ معرفہ لایا جاوے تو عموماً اسم ثانی سے اسم اول ہی مراد ہوتا ہے،

اور اگر دونوں مرتبہ نکرہ لایا جاوے تو عموماً اسم ثانی سے اسم اول کا غیر مراد ہوتا ہے، اور اگر پہلی مرتبہ نکرہ اور دوسری مرتبہ معرفہ واقع ہو تو اسم ثانی سے اسم اول ہی مراد ہوتا ہے، اور اگر پہلی مرتبہ معرفہ اور دوسری مرتبہ نکرہ ہو تو قرینہ کے مطابق مراد متعین کی جاتی ہے۔

فائدہ:

مختلف صورتوں کے جو مختلف احکام پیش کیے گئے یہ سب عمومی اور اکثری ہیں کبھی قرائن وعوارض کی وجہ سے اس کے خلاف بھی ہوتا ہے۔

تطبیق امثلہ

اعادۂ معرفہ بصورت معرفہ کی مثال:

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ
(سورۃ فاتحہ: ۶،۵)

ترجمہ: ''ہم کو سیدھا راستہ بتلا دیجیے ان لوگوں کا راستہ جن پر آپ نے انعام فرمایا''۔

اس میں صراط دو مرتبہ واقع ہوا ہے اور دونوں معرفہ ہے صراط اول معرفہ ہے الف لام کی وجہ سے اور صراط ثانی اضافت الی المعرفتہ کی وجہ سے اور صراط ثانی سے صراط اول ہی مراد ہے مختصر یہ ہے کہ دونوں صراط سے صراط مستقیم ہی مراد ہے۔

اعادۂ نکرہ بصورت نکرہ کی مثال:

اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ ضَعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ ضَعْفٍ قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ ضَعْفًا وَّ شَيْبَةً ؕ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ۚ وَ هُوَ الْعَلِيْمُ الْقَدِيْرُ ۝۵۴
(سورۃ روم: ۵۴)

ترجمہ: ''اللہ ایسا ہے جس نے تم کو ناتوانائی کی حالت میں بنایا پھر ناتوانائی کے

بعد توانائی عطا کی پھر توانائی کے بعد ضعف اور بڑھاپا کیا''۔

یہاں نکرہ کا اعادہ نکرہ سے ہے لہٰذا ہر جگہ مراد مختلف ہے، ضعف اول سے مراد یا تو نطفہ ہے یا مٹی ہے اور ضعف ثانی سے مراد جنین ہونے کی حالت کا ضعف ہے یا ولادت کے بعد طفولیت کے زمانہ کا ضعف ہے اور ضعف ثالث سے مراد بڑھاپے کا ضعف ہے۔

مقام واحد میں معرفہ نکرہ دونوں کا اعادہ معرفہ ونکرہ ہر دو صورت میں:

قرآن پاک کی آیت ''فان مع العسر یسرا ان مع العسر یسرا کے اندر معرفہ اور نکرہ دونوں کا تکرار یکجا واقع ہے عسر دو مرتبہ آیا ہے اور دونوں مرتبہ معرفہ اور یسر دو مرتبہ آیا ہے اور دونوں مرتبہ نکرہ لہٰذا قاعدۂ مذکورہ کی روشنی میں عسر ثانی سے مراد عسر اول ہی ہے اور یسر ثانی سے مراد یسر اول کا غیر ہے۔

پس نتیجہ یہ نکلا کہ ایک عسر کے مقابلے میں دو یسر ہے اور یہی بات حدیث شریف میں بھی وارد ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''لن یغلب عسر یسرین''۔ (المستدرک علی الصحیحین ج ۲ ص ۵۷۵ دار الکتب العلمیۃ)

یعنی ایک مشکل دو آسانیوں پر غالب نہیں ہوسکتی۔

اسم اول کے نکرہ اور اسم ثانی کے معرفہ واقع ہونے کی مثال:

كَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا ﴿۱۵﴾ فَعَصٰى فِرْعَوْنُ الرَّسُوْلَ فَاَخَذْنٰهُ اَخْذًا وَّبِيْلًا ﴿۱۶﴾ (سورۃ مزمل: ۱۵، ۱۶)

ترجمہ: ''جیسے ہم نے فرعون کی طرف ایک رسول (موسیٰ) کو بھیجا پس فرعون نے اس رسول کی نافرمانی کی''۔

اس میں رسول دو مرتبہ آیا ہے اور موخر الذکر الرسول سے اول الذکر ہی رسول مراد

ہے یعنی دونوں جگہوں پر ایک ہی رسول مراد ہے اور وہ رسول حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں۔

اسم اول معرفہ اور اسم ثانی نکرہ واقع ہونے کی مثال:

یہ بات گزر چکی کہ اس قسم میں قرینہ کے ذریعہ مراد متعین کی جاتی ہے اور قرینہ دو قسم کا ہوتا ہے:

(۱) وہ قرینہ جو مغایرت پر دلالت کرے۔ (۲) وہ قرینہ جو اتحاد پر دلالت کرے۔

قرینۂ دالہ علی المغایرۃ کی مثال:

وَ يَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يُقْسِمُ الْمُجْرِمُوْنَ ۙ مَا لَبِثُوْا غَيْرَ سَاعَةٍ ؕ كَذٰلِكَ كَانُوْا يُؤْفَكُوْنَ ﴿۵۵﴾ (سورۃ روم:۵۵)

ترجمہ: ''اور جس دن قیامت قائم ہوگی مجرمین قسمیں کھائیں گے کہ وہ (دنیا) میں نہیں رہے مگر ایک گھڑی''۔

اس میں ساعۃ دو مرتبہ وارد ہے اول معرفہ ثانی نکرہ اور سیاقِ مضمون مغایرت پر دلالت کرتا ہے یعنی دونوں ساعت کی مراد جدا جدا ہے۔ ساعت اول سے مراد قیامت ہے اور ساعت ثانی سے مراد وقت اور زمانہ ہے۔

قرینہ دالہ علی الاتحاد کی مثال:

وَ لَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۷﴾ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا غَيْرَ ذِيْ عِوَجٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿۲۸﴾

(سورۃ زمر:۲۷،۲۸)

ترجمہ: ''اور بالتحقیق ہم نے لوگوں کے لیے اس قرآن میں ہر ہر نوع کی مثالیں بیان کی تا کہ یہ لوگ نصیحت حاصل کریں''۔

اس میں قرآن دو مرتبہ وارد ہے اول معرفہ ثانی نکرہ اور اس قرآن کے علاوہ کسی

دوسرے قرآن کا نہ ہونا اتحاد کا قرینہ ہے یعنی دونوں جگہ ایک ہی قرآن مراد ہے۔

اشباہ ونظائر

دونوں جگہ معرفہ کے متعلق:

(۱) فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ ۞ اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ ۚ وَ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ۘ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ فِيْ مَا هُمْ فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ هُوَ كٰذِبٌ كَفَّارٌ ۞ (سورۃ زمر:۲،۳)

ترجمہ: ''سو آپ خالص اعتقاد کر کے اللہ کی عبادت کرتے رہیے یاد رکھو عبادت جو کہ خالص ہو اللہ ہی کے لیے سزاوار ہے''۔

(۲) وَ جَعَلُوْا بَيْنَهٗ وَ بَيْنَ الْجِنَّةِ نَسَبًا ۭ وَ لَقَدْ عَلِمَتِ الْجِنَّةُ اِنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْنَ ۞ (سورۃ صفت:۱۵۸)

ترجمہ: ''اور ان لوگوں نے اللہ اور جنات میں رشتہ داری قرار دی ہے اور ان جنات (کا خود) یہ عقیدہ ہے کہ وہ عذاب میں گرفتار ہوں گے''۔

(۳) وَ قِهِمُ السَّيِّاٰتِ ۭ وَ مَنْ تَقِ السَّيِّاٰتِ يَوْمَىِٕذٍ فَقَدْ رَحِمْتَهٗ ۭ وَ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۞ (سورۃ مؤمن:۹)

ترجمہ: ''اور ان کو (قیامت کے دن ہر طرح کی) تکالیف سے بچایئے اور آپ جس کو اس دن کی تکالیف سے بچالیں''۔

دونوں جگہ نکرہ کے متعلق:

وَ اتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِيْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْـًٔا وَّ لَا يُقْبَلُ مِنْهَا

شَفَاعَةٌ وَّلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۴۸﴾

(سورۃ البقرۃ:۴۸)

ترجمہ:''اور ڈروتم ایسے دن سے کہ نہ تو کوئی شخص کسی شخص کی طرف سے کچھ مطالبہ ادا کرسکتا ہے''۔

پہلی جگہ نکرہ دوسری جگہ معرفہ کے متعلق:

(۱) فِيْهَا مِصْبَاحٌ ؕ اَلْمِصْبَاحُ فِيْ زُجَاجَةٍ ؕ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ يُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّ لَا غَرْبِيَّةٍ ۙ يَّكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ ؕ نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ ؕ يَهْدِى اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۳۵﴾

(سورۃ النور:۳۵)

ترجمہ:''جیسے ایک طاق ہے اس میں ایک چراغ ہے (اور) وہ چراغ ایک قندیل میں ہے (اور) وہ قندیل ایسا (صاف شفاف) ہے جیسا کہ ایک چمکدار ستارہ ہو''۔

(۲) وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۔ صِرَاطِ اللّٰهِ

(سورۃ زخرف:۵۲،۵۳)

ترجمہ:''اور بالیقین آپ راہ دکھاتے ہیں سیدھی یعنی اللہ کا راستہ''۔

(۳) فَاُولٰٓئِكَ مَا عَلَيْهِمْ مِّنْ سَبِيْلٍ ﴿۴۱﴾ اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَظْلِمُوْنَ النَّاسَ وَيَبْغُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۴۲﴾

(سورۃ شوریٰ:۴۱،۴۲)

ترجمہ:''سوا ایسے لوگوں پر کوئی الزام نہیں الزام صرف ان لوگوں پر ہے''۔

پہلی جگہ معرفہ دوسری جگہ نکرہ سے متعلق:

(۱) يَسْـَٔلُكَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَنْ تُنَزِّلَ عَلَيْهِمْ كِتٰبًا مِّنَ السَّمَآءِ

فَقَدْ سَاَلُوْا مُوْسٰٓى اَكْبَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَقَالُوْٓا اَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ بِظُلْمِهِمْ ۚ ثُمَّ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ فَعَفَوْنَا عَنْ ذٰلِكَ ۚ وَاٰتَيْنَا مُوْسٰى سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا (سورۃ النساء: ۱۵۳)

ترجمہ: ''آپ سے اہل کتاب مطالبہ کرتے ہیں کہ آپ ان کے پاس ایک خاص نوشتہ آسمان سے منگوا دیں''۔

(۲) وَ لَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْهُدٰى وَ اَوْرَثْنَا بَنِیْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْكِتٰبَ ۝ هُدًى وَّ ذِكْرٰى لِاُولِی الْاَلْبَابِ ۝ (سورۃ مؤمن: ۵۳، ۵۴)

ترجمہ: ''اور ہم موسیٰ علیہ السلام کو دے چکے ہدایت نامہ (تورات) اور (پھر) ہم نے وہ کتاب بنی اسرائیل کو پہنچا دی تھی''۔

قاعدہ نمبر (۷۶)

اَلنَّكِرَةُ فِی سِيَاقِ الْاِثْبَاتِ لَا تَعُمُّ اِلَّا اِذَا اُضِيْفَ اِلَيْهَا ''كُلّ'' اَوْ كَانَتْ فِی سِيَاقِ الْاِمْتِنَانِ۔

(البرہان فی علوم القرآن ج ۲ ص ۷ دار المعرفۃ)

حاصل قاعدہ:

نکرہ تحت الاثبات واقع ہو تو مفید عموم نہیں ہوتا ہے ہاں مگر جب اس کی طرف لفظ ''کل'' کی اضافت کر دی جائے یا وہ نکرہ معرض امتنان میں واقع ہو تو عموم کا فائدہ دے گا۔

علامہ قرطبی متوفی ۶۷۱ھ فرماتے ہیں:

''النكرة فی سياق الاثبات لا عموم فيها باتفاق اهل اللسان و محقق اهل العلم''۔ (تفسیر قرطبی ج ۱۵ ص ۱۲۰)

حافظ ابن کثیر متوفی ۷۷۴ھ فرماتے ہیں:

''النكرة فی سياق الاثبات لا تعم''۔

(تفسیر ابن کثیر ج ر ۷ ص ر ۲۰۵ دار طیبۃ للنشر والتوزیع)

حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ فرماتے ہیں:

''نکرۃ فی سیاق الإثبات فلاعموم فیھا''۔

(فتح الباری شرح صحیح البخاری ج ر ۵ ص ر ۷۱ دار المعرفۃ بیروت)

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ فرماتے ہیں:

''نکرۃ فی سیاق الإثبات لاتقتضی العموم''۔

(روح المعانی ج ر ۲ ص ر ۲۴ دار احیاء التراث العربی)

تشریح:

قاعدہ یہ ہے کہ نکرہ تحت الاثبات واقع ہو تو عموم کا فائدہ نہیں دیتا مگر اس سے دو حالتیں مستثنیٰ ہیں۔

(۱) ایک یہ کہ اس نکرہ کی طرف لفظ ''کل'' کی اضافت کردی جائے۔

(۲) دوسرے یہ کہ وہ نکرہ ایسے مقام پر واقع ہو جہاں انعام واحسان کا تذکرہ چل رہا ہو۔

مگر یہ بات ملحوظ رہے کہ کبھی کبھی سیاق کلام کی دلالت سے نکرہ تحت الاثبات بھی عام ہوتا ہے جیسے'' عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّآ اَحْضَرَتْ۝ (تکویر:۱۴) عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ وَاَخَّرَتْ۝ (انفطار:۵) یہاں ''نفس'' نکرہ عموم کے لیے ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقام پر فرمایا ''هُنَالِكَ تَبْلُوْا كُلُّ نَفْسٍ مَّآ اَسْلَفَتْ'' (سورۃ یونس:۳۰)

نکرہ تحت الاثبات کی مثال:

(۱) قُلْ اَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللّٰهِ عَهْدًا فَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ عَهْدَهٗٓ اَمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ۝ (سورۃ البقرۃ:۸۰)

ترجمہ: ''آپ ان سے کہہ دیجیے کیا تم نے حق تعالیٰ سے (اس کے متعلق کہ جہنم

کی آگ بجز معدودے چند روز کے تم کو نہیں چھوئے گی) کوئی معاہدہ لے لیا ہے جس میں اللہ تعالیٰ اپنے معاہدہ کے خلاف نہ کریں گے''۔

(۲)وَ لَمَّا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ نَبَذَ فَرِيْقٌ مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ كِتٰبَ اللّٰهِ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ كَاَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ۝ (سورۃ البقرۃ:۱۰۱)

ترجمہ: ''اور جب ان کے پاس ایک عظیم الشان پیغمبر (یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم) آئے اللہ کی جانب سے''۔

اس میں عہد اور رسول سے مراد خاص عہد اور خاص رسول ہے عہد سے عہد عدم خلود فی النار اور رسول سے محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں۔

کل کے مضاف ہونے کی مثال:

''وَ جَآءَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّعَهَا سَآئِقٌ وَّ شَهِيْدٌ۝ (سورۃ ق:۲۱)

یہاں ''نفس'' نکرہ تحت الاثبات واقع ہے جس کا تقاضا یہ ہے کہ مفید عموم نہ ہو مگر جب اس کی طرف لفظ ''کل'' کی اضافت کی گئی تو معنی عموم پیدا ہو گیا کیونکہ لفظ ''کل'' الفاظ عموم میں سے ہے۔

معرض امتنان میں نکرہ واقع ہونے کی مثال:

وَ اَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً طَهُوْرًا۝ (سورۃ فرقان:۴۸)

ترجمہ: ''اور ہم نے آسمان سے پاک کرنے والا پانی برسایا''۔

یہاں لفظ ''ماء'' نکرہ معرض امتنان میں واقع ہونے کی وجہ سے عام ہے اور مطلب یہ ہے کہ آسمان سے نازل ہونے والا ہر پانی طہور ہے۔

سیاق کلام کی وجہ سے عموم پیدا ہونے کی مثال:

''وَ اِذَا الْجَحِيْمُ سُعِّرَتْ۝ وَ اِذَا الْجَنَّةُ اُزْلِفَتْ۝ عَلِمَتْ نَفْسٌ

مَآ اَحۡضَرَتۡ (سورۃ تکویر:۱۴)

ترجمہ: ''ہر نفس جان لے گا اپنے کیے ہوئے اعمال''۔

اور ''عَلِمَتۡ نَفۡسٌ مَّا قَدَّمَتۡ وَ اَخَّرَتۡ'' (سورۃ انفطار:۵)

ترجمہ: ''ہر شخص اپنے اگلے اور پچھلے اعمال کو جان لے گا''۔

ان دونوں آیتوں میں ''نفس'' نکرہ ہے اور تحت الاثبات واقع ہے مگر چونکہ ماقبل سے مضمون قیامت اور آخرت کے مناظر اور حساب وکتاب کے متعلق چلا آرہا ہے اور ظاہر ہے کہ قیامت اور آخرت کے ان امور کا تعلق ہر کس وناکس کے ساتھ ہے جیسا کہ قرآن کی سورہ یونس کی آیت: ''هُنَالِكَ تَبۡلُوۡا كُلُّ نَفۡسٍ مَّآ اَسۡلَفَتۡ'' (سورۃ یونس:۳۰) کے اندر بتلایا گیا اس سیاق کلام کی وجہ سے مذکورہ دونوں آیتوں میں عموم کا معنی ملحوظ ہے اور ''نفس'' سے ''کل نفس'' مراد ہے۔

قاعدہ نمبر (۷۷)

اَلنَّهۡيُ عَنِ اللَّازِمِ اَبۡلَغُ فِي الدَّلَالَةِ عَلَى النَّهۡيِ عَنِ الۡمَلۡزُوۡمِ فِي النَّهۡيِ عَنۡهُ اِبۡتِدَاءً۔

(الکلیات لابی البقاء ج ۱ ص ۹۴۳ ا مؤسسۃ الرسالۃ بیروت)

حاصل قاعدہ:

لازم حکم سے نہی ملزوم (یعنی نفس حکم) کی نہی سے زیادہ بلیغ ہوتی ہے۔

تشریح:

کسی فعل سے نہی کی دو صورتیں ہیں:

اول: یہ کہ اسی فعل سے نہی کر دی جائے جیسے ''لاتاکلوا الربوا''۔

دوم: یہ کہ اس فعل سے نہی کی بجائے لازم فعل سے نہی کی جائے جیسے یوں کہا جائے۔

''لا تقربوا الزنی'' تو یہ نہی زیادہ بلیغ ہے کیونکہ اس میں ملزوم (فعل زنا) کے ساتھ ساتھ اس کے لازم (مقاربت زنا) سے بھی نہی ہے جس سے نہیں میں تاکید اور مبالغہ پیدا ہوتا ہے۔

فائدہ:

نہی پر مشتمل یہ قاعدہ نفی میں بھی منطبق ہوتا ہے یعنی لازم فعل کی نفی، نفس فعل کی نفی سے ابلغ ہوتی ہے جیسے:

فَمَالِ هٰٓؤُلَآءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ حَدِيْثًا ۝

(سورۃ النساء: ۷۸)

ترجمہ: ''تو ان لوگوں کو کیا ہوا کہ بات سمجھنے کے پاس کو بھی نہیں نکلتے۔''

یہاں قرب فہم کی نفی ان کی شدید جہالت وحماقت پر دال ہے۔

مثال مع تطبیق:

وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ۭ وَسَاۗءَ سَبِيْلًا ۝

(سورۃ الاسراء: ۳۲)

یہاں زنا کی قربت سے نہی کی گئی جو نفس زنا کی نفی سے ابلغ ہے کیونکہ اس میں زنا اور مقدمات زنا دونوں سے نہی ہوگئی۔

دیگر امثلہ

(۱) وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ

(سورۃ الانعام: ۱۵۱)

ترجمہ: ''اور بے حیائی کے جتنے طریقے ہیں ان کے پاس بھی مت جاؤ خواہ اعلانیہ ہوں اور خواہ پوشیدہ ہوں''۔

(۲) وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ

(سورۃ الانعام: ۱۵۲)

ترجمہ: ''اور یتیم کے مال کے پاس نہ جاؤ مگر ایسے طریقے سے جو کہ مستحسن ہے''۔

قاعدہ نمبر (۷۸)

اِیْرَادُ الْاِنْشَاءِ بِصِیْغَۃِ الْخَبَرِ اَبْلَغُ مِنْ اِیْرَادِہٖ بِصِیْغَۃِ الْاِنْشَاءِ۔

(اضواء البیان فی ایضاح القرآن بالقرآن ج ۵ ص ۲۰ دارالفکر سن طباعت ۱۴۱۵ھ)

حاصل قاعدہ:

انشاء بصیغۂ خبر زیادہ بلیغ ہوتا ہے انشاء بصورت انشاء کے مقابلہ میں۔

تشریح:

یعنی انشاء کو بصورت خبر ذکر کرنا بصورت انشاء ذکر کرنے سے ابلغ ہوتا ہے اس سے مامور بہ کی تاکید اور اہمیت کی طرف اشارہ ہوتا ہے بایں طور کہ وہ امر اس قدر مطلوب اور سریع الامتثال تھا کہ گویا وہ کر دیا گیا پھر اس کے وقوع کی خبر دی گئی جیسے قرآن میں ہے ''لا تعبدون الا اللہ'' یہ نفی ہے اور نہی مراد ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ تم اللہ کے علاوہ کسی کی عبادت نہ کرو مگر یہاں نہی کی بجائے نفی کا صیغہ ذکر کیا جس کا لفظی ترجمہ یہ ہے کہ تم اللہ کے علاوہ کسی کی عبادت نہیں کرتے ہو جس میں یہ بتلایا گیا ہے کہ یہ حکم اتنا اہم ہے کہ مخاطب سنتے ہی اس پر عمل پیرا ہو گیا۔

اس قاعدے (انشاء بصورت خبر) کی دو صورتیں ہیں:

(۱) نہی کو نفی کے صیغہ کے ساتھ لایا جائے۔

(۲) امر کو صیغہ مضارع کے ساتھ لایا جائے۔

امثلہ

نہی بصورت نفی کی مثال:

''فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ وَلَا جِدَالَ فِی الْحَجِّ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ

خَيْرٍ يَّعْلَمْهُ اللّٰهُ ۗ وَ تَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى ۫ وَ اتَّقُوْنِ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ۝ (سورۃ البقرۃ:۱۹۷)

ترجمہ: ''پھر اس کو نہ کوئی فحش بات (جائز) ہے اور نہ کوئی بے حکمی (درست ہے) اور نہ کسی قسم کا نزاع ہے حج میں''۔

اس میں نفی نہی کے معنی میں ہے اور آیت کا حاصل ہے: ''فلا ترفثوا و لا تفسقوا و لا تجادلوا فی الحج''۔

امر بصورت خبر کی مثال:

(۱) وَ الْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ (سورۃ البقرۃ:۲۳۳)

ترجمہ: ''اور مائیں اپنے بچوں کو دو سال کامل دودھ پلایا کریں''۔

(۲) ''وَ الْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ ؕ (سورۃ البقرۃ:۲۲۸)

ترجمہ: ''اور مطلقہ عورتیں اپنے آپ کو (نکاح سے) روکے رکھیں تین حیض تک''۔

ان دونوں مثالوں میں صیغہ مضارع وارد ہے جو امر کے معنی میں ہے۔

پہلی مثال میں ماؤں کو دودھ پلانے کا حکم دیا جارہا ہے اور دوسری مثال میں مطلقہ عورتوں کو تین حیض تک عدت گذارنے کا حکم دیا جارہا ہے۔

اس انداز سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ احکام اتنے مؤکد ہیں کہ مکلف نے سنتے ہی اس کو پورا کر دیا۔

قاعدہ نمبر (۷۹)

بَعْضُ الْاَسْمَاءِ الْوَارِدَةِ فِي الْقُرْآنِ اِذَا اُفْرِدَ دَلَّ عَلَى الْمَعْنَى الْعَامِّ الْمُنَاسِبِ لَه وَاِذَا قُرِنَ مَعَ غَيْرِهٖ دَلَّ عَلٰى بَعْضِ الْمَعْنٰى وَ دَلَّ مَا

قُرِنَ مَعَهٗ عَلٰى بَاقِيْهِ۔

(القواعد الحسان فی تفسیر القرآن ج ر ا ص ۳۶ مکتبہ مشکاۃ الاسلامیہ)

حاصل قاعدہ:

قرآن میں بعض کلمات ایسے ہیں کہ اگر ان کا استعمال انفراداً ہو تو اپنے معنیٔ عام پر دلالت کرتے ہیں اور اگر وہ مقرون مع الغیر ہو کر مستعمل ہوں تو معنی کے بعض افراد پر دلالت کرتے ہیں اور دیگر افراد پر وہ دوسرا کلمہ دال ہوتا ہے جو اس کے ساتھ مقرون ہوتا ہے۔

تشریح:

الفاظ اور کلمات دو طرح کے ہیں۔ اول وہ کلمات جو انفراداً و اجتماعاً (یعنی خواہ تنہا مستعمل ہوں یا دوسرے کلمہ کے ساتھ) ایک ہی معنی پر دلالت کرتے ہیں یعنی اگر انفراداً استعمال کیا جائے تب بھی اپنے اسی معنی پر دال ہوتے ہیں اور اجتماعاً مستعمل ہوں تب بھی اسی معنی پر دال ہوتے ہیں۔

مگر کلمہ کی ایک دوسری قسم وہ ہے جس کی دلالت اختلاف احوال کے مطابق بدلتی رہتی ہے، یعنی کبھی اطلاق پر دال ہوتے ہیں تو کبھی تقیید پر کبھی تجرید پر تو کبھی اقتران پر۔

مذکورہ قاعدہ میں یہی بتایا گیا ہے کہ بعض کلمات انفراداً استعمال کی صورت میں اپنے معنیٔ عام (یعنی جملہ افراد معنی) پر دال ہوتے ہیں مگر جب وہ قریب المعنی کسی کلمہ کے ساتھ آتے ہیں تو صرف بعض افراد پر دال ہوتے ہیں کیونکہ دوسرے بعض افراد پر وہ کلمۂ مقرونہ دال ہوتا ہے۔

اسی قاعدہ کو کسی نے یوں تعبیر کیا ہے:

”تختلف دلالة بعض الأسماء باختلاف احوالها من حيث الإطلاق والتقييد والتجريد والإقتران“۔

تطبیق مع مثال:

اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ وَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ

تَتَّقُوْنَ ﴿۲۱﴾ (سورۃ البقرۃ:۲۱)

فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ ۚ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۳﴾

(سورۃ ھود:۱۲۳)

پہلی آیت میں عبادت کا لفظ انفراداً وارد ہوا ہے یعنی اس کے ساتھ اس کے متقارب المعنی کوئی لفظ نہیں پس وہاں عبادت کا معنی ہوگا ''جمیع ما یحبه الله تعالیٰ من الاقوال والاعمال الظاهرة والباطنة''۔

(تیسیر الکریم الرحمن فی تفسیر کلام المنان ج ۱ ص ۸۲۲ موسسۃ الرسالۃ)

(وہ تمام ظاہری اور باطنی اعمال واقوال جو عند اللہ محبوب ہوں) مگر دوسری آیت میں لفظ ''توکل'' کے ساتھ وارد ہے جو ایک قلبی کیفیت کا نام ہے کیونکہ توکل کی تفسیر یوں کی جاتی ہے ''التوکل هو صدق اعتماد القلب علی الله عز وجل فی استجلاب المنافع ودفع المضار من أمور الدنیا والآخرة''۔

(جامع العلوم والحکم ج ۱ ص ۴۳۶ موسسۃ الرسالۃ)

یعنی ہر نفع کی تحصیل اور ہر مضرت کے دفع کے لیے اللہ تعالیٰ کی ذات عالی پر دل سے اعتماد کرنا۔

تو چونکہ توکل کا تعلق قلب کے خیال واعتقاد سے ہے اس لیے یہاں پر (جب کہ عبادت کو توکل کے ساتھ مقروناً ذکر کیا گیا ہے تو) عبادت سے مراد ظاہری و باطنی اعمال کا بجالانا ہوگا۔

اشباہ ونظائر:

لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ ۡ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ ۚ تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمٰهُمْ ۚ لَا يَسْـَٔلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا ۗ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ﴿۲۷۳﴾ (سورۃ البقرۃ:۲۷۳)

اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلۡفُقَرَآءِ وَ الۡمَسٰكِيۡنِ وَ الۡعٰمِلِيۡنَ عَلَيۡهَا وَ الۡمُؤَلَّفَةِ قُلُوۡبُهُمۡ وَ فِى الرِّقَابِ وَ الۡغٰرِمِيۡنَ وَ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ وَ ابۡنِ السَّبِيۡلِ‌ؕ فَرِيۡضَةً مِّنَ اللّٰهِ‌ؕ وَاللّٰهُ عَلِيۡمٌ حَكِيۡمٌ ﴿۶۰﴾ (سورۃ التوبۃ:۶۰)

پہلی آیت میں لفظ فقیر انفراداً مستعمل ہے اس لیے وہاں یہ لفظ فقیر اور مسکین دونوں کو شامل ہے اور دوسری آیت میں فقیر ے کے ساتھ مسکین بھی وارد ہوا ہے اس لیے فقیر اپنے معنی میں ہے مسکین کے معنی کو متضمن نہیں ہے۔

(۲) وَ عَلَى اللّٰهِ فَلۡيَتَوَكَّلِ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۱۱﴾ (سورۃ ابراہیم:۱۱)

اِنَّ الۡمُسۡلِمِيۡنَ وَ الۡمُسۡلِمٰتِ وَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ وَ الۡمُؤۡمِنٰتِ وَ الۡقٰنِتِيۡنَ وَ الۡقٰنِتٰتِ وَ الصّٰدِقِيۡنَ وَ الصّٰدِقٰتِ وَ الصّٰبِرِيۡنَ وَ الصّٰبِرٰتِ وَ الۡخٰشِعِيۡنَ وَ الۡخٰشِعٰتِ وَ الۡمُتَصَدِّقِيۡنَ وَ الۡمُتَصَدِّقٰتِ وَ الصَّآئِمِيۡنَ وَ الصّٰٓئِمٰتِ وَ الۡحٰفِظِيۡنَ فُرُوۡجَهُمۡ وَ الۡحٰفِظٰتِ وَ الذّٰكِرِيۡنَ اللّٰهَ كَثِيۡرًا وَّ الذّٰكِرٰتِ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمۡ مَّغۡفِرَةً وَّ اَجۡرًا عَظِيۡمًا ﴿۳۵﴾ (سورۃ الاحزاب:۳۵)

پہلی آیت میں تنہا مؤمن کا لفظ آیا ہے جب کہ دوسری آیت میں مؤمن کے ساتھ مسلم وارد ہوا پس آیت اولی میں ایمان کا معنیٰ عام یعنی تصدیق انقیاد اور اقرار سب مراد ہوگا، اور دوسری آیت میں ایمان سے مراد فقط تصدیق واقرار اور اسلام سے مراد اعمالِ ظاہرہ کا بجالانا ہوگا۔

قاعدہ نمبر (۸۰)

تُحمَلُ الاٰيَةُ عَلَى المَعنَى الَّذِى استَفَاضَ النَّقلُ فِيهِ عَن اَهلِ العِلمِ وَاِن كَانَ غَيرُهُ مُحتَمَلاً۔

(تفسیر طبری ج ۲ ص ۲۴۳ مؤسسۃ الرسالۃ)

حاصل قاعدہ:

اہل علم سے جو معنی بطور تواتر منقول ہو آیت کو اس پر محمول کیا جائے گا گو اس کے علاوہ معنی کا بھی احتمال ہو۔

تشریح:

کبھی لفظ متعدد معانی کا احتمال رکھتا ہے لیکن محض معنی کا متحمل ہونا آیت کی مراد اور تفسیر کے لیے کافی نہیں ہے، بلکہ تعیین معنی کے لیے بہت سے اصول وضوابط ہیں جن میں ایک قاعدہ یہ ہے کہ کبھی لفظ کے محتمل معانی میں سے کوئی ایک معنی اس کی تفسیر میں اہل علم سے منقول ہوتا چلا آ رہا ہے اور دوسرے معنی کی طرف بالکل التفات نہیں کیا جاتا۔

پس جہاں کہیں اس طرح دو یا دو سے زائد معانی کا اجتماع ہو جائے تو سلف سے منقول معنی کو تقدیم وترجیح حاصل ہوگی۔

تطبیق مثال:

وَ اِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ؕ وَ مَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝ (سورۃ البقرۃ: ۷۴)

ترجمہ: ''اور انہی پتھروں میں بعضے ایسے ہیں جو خدا تعالیٰ کے خوف سے اوپر سے نیچے لڑھک آتے ہیں''۔

اس آیت میں پتھروں کے متعلق کہا گیا ہے کہ بعض پتھر اللہ کی خشیت وخوف سے لڑھکتے ہیں۔

اب اس کی مراد میں اہل تفسیر کے مختلف اقوال ہیں:

پہلا قول: یہ ہے کہ پتھروں کے سایوں کا جھکنا اور مائل ہونا ہے جیسا کہ دوسری آیت میں اس کا بیان ہے:

''اَوَ لَمْ یَرَوْا اِلٰی مَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَیْءٍ یَّتَفَیَّؤُا ظِلٰلُهٗ عَنِ الْیَمِیْنِ وَ الشَّمَآئِلِ سُجَّدًا لِّلّٰهِ وَ هُمْ دٰخِرُوْنَ۝۴۸'' (سورۃ النحل:۴۸)

ترجمہ: ''کیا ان لوگوں نے اللہ کی ان پیدا کی ہوئی چیزوں کو نہیں دیکھا جن کے سائے کبھی ایک طرف کو کبھی دوسری طرف کو اس طور پر جھک جاتے ہیں''۔

دوسرا قول: یہ ہے کہ اس سے مراد وہ پہاڑ ہے جس پر موسیٰ علیہ السلام پر تجلی ظاہر ہوئی تھی اور اس کے نتیجہ میں وہ ریزہ ریزہ ہو گیا تھا۔

تیسرا قول: یہ ہے کہ بعض پتھروں کو اللہ نے عقل و معرفت دی ہے آیت میں وہ خاص پتھر مراد ہیں، پھر یہ پتھر عقل سے کام لے کر اللہ کی اطاعت میں لگے رہتے ہیں۔

چوتھا قول: یہ ہے کہ اس آیت میں پتھروں کی حالت کو خاشع من اللہ سے تشبیہ دی گئی ہے۔

یہ تمام اقوال بعید المعنی نہیں اور آیت میں ان کی گنجائش بھی ہے تاہم سلف کی تفسیر اس کے علاوہ ہے اور وہ یہ ہے کہ خشیت اپنے اصلی معنی (عظمت آمیز خوف) میں ہے اور اللہ کے حق میں تمام جمادات ذی عقل ہیں پس مذکورہ قاعدہ کی رو سے یہی معنی راجح ہوگا۔

قاعدہ نمبر (۸۱)

تُحْمَلُ نُصُوْصُ الْکِتَابِ عَلٰی مَعْهُوْدِ الْاُمِّیِّیْنَ فِی الْخِطَابِ۔

(الموافقات للشاطبی ج ۲ ص ۸۲ دار المعرفۃ)

حاصل قاعدہ:

نصوص کے خطابات کو عرب امیین کے مزاج و محاورہ کی روشنی میں سمجھا جائے گا۔

علامہ سلیمان بن ابراہیم فرماتے ہیں:

''لا بد فی فهم الشریعة من إتباع معهود الأمیین و هم العرب الذین نزل القرآن بلسانهم فان کان للعرب فی لسانهم عرف مستمر فلا یصح

العدول عنه فی فهم الشریعة"۔

(عنایة المسلمین باللغة العربیة خدمة للقرآن الکریم ج/۱ ص ۳۴ شذرات الذهب دراسة فی البلاغة القرآنیة ج/۱ ص ۹)

تشریح:

قرآن مجید جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اعلیٰ فصیح عربی زبان میں نازل ہوا ہے، جس کے اولین مخاطب اہل عرب تھے جو امی تھے متقدمین کے علوم سے وہ یکسر ناواقف تھے، ان کے اسالیب وتعبیرات اور دقائق واشارات سے وہ بالکل ناآشنا تھے بقول علامہ شاطبی رحمہ اللہ تعالیٰ وہ تکلفات وتصنعات سے بہت دور تھے اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان متقدمین کے طرز کلام اور فلسفیانہ انداز کو نہ اپنا کر ان ''امیین'' کے طرز گفتگو پر قرآن مجید کو نازل فرمایا تاکہ وہ کلام الٰہی کی مرادوں کو بآسانی سمجھ سکیں۔

مثلاً آپ غور کیجیے کہ دلائل توحید کے ضمن میں بجائے عقلیات ونظریات کی دقیقہ سنجیوں کے ارض وسماء جبال سحاب جیسی بدیہی اور روشن چیزوں کو مدار گفتگو بنایا اسی طرح جنت کی نعمتوں کا تعارف کرانے کے لیے ان کے درمیان پائی جانے والی اشیا نعمت کا سہارا لیا گیا فرمایا:

(۱) وَاَصۡحٰبُ الۡيَمِيۡنِ ۙ مَاۤ اَصۡحٰبُ الۡيَمِيۡنِ ؕ‏ ﴿۲۷﴾ فِىۡ سِدۡرٍ مَّخۡضُوۡدٍ ۙ‏ ﴿۲۸﴾ وَّطَلۡحٍ مَّنۡضُوۡدٍ ۙ‏ ﴿۲۹﴾ وَّظِلٍّ مَّمۡدُوۡدٍ ۙ‏ ﴿۳۰﴾ وَّمَآءٍ مَّسۡكُوۡبٍ ۙ‏ ﴿۳۱﴾ وَّفَاكِهَةٍ كَثِيۡرَةٍ ۙ‏ ﴿۳۲﴾ لَّا مَقۡطُوۡعَةٍ وَّلَا مَمۡنُوۡعَةٍ ۙ‏ ﴿۳۳﴾ وَّفُرُشٍ مَّرۡفُوۡعَةٍ ؕ‏ ﴿۳۴﴾ اِنَّاۤ اَنۡشَاۡنٰهُنَّ اِنۡشَآءً ۙ‏ ﴿۳۵﴾ فَجَعَلۡنٰهُنَّ اَبۡكَارًا ۙ‏ ﴿۳۶﴾ عُرُبًا اَتۡرَابًا ۙ‏ ﴿۳۷﴾ لِّاَصۡحٰبِ الۡيَمِيۡنِ ؕ‏ ﴿۳۸﴾

(سورۃ واقعۃ: ۲۷ تا ۳۰)

ترجمہ: ''اور جو داہنے والے ہیں وہ داہنے والے کیسے اچھے ہیں وہ ان باغوں میں ہوں گے جہاں بے خار بیریاں ہوں گی اور تہہ بہ تہہ کیلے ہوں گے اور لمبا لمبا سایہ ہوگا''۔

نیز دوسری آیتوں میں جنت کے دودھ، پانی، شراب، شہد، کھجور، انگور وغیرہ کا تو ذکر فرمایا جن سے عرب واقف تھے مگر بادام، اخروٹ، امرود، سیب کو نہیں چھیڑا کیونکہ یہ چیزیں عرب میں پیدا نہ ہونے کے سبب اہل عرب کے لیے نامانوس تھیں۔

نیز دیکھئے اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت وعظمت کو سمجھانے کے لیے حیوانات کی دنیا سے اونٹ کو عنوان بنایا اور فرمایا:

''اَفَلَا یَنْظُرُوْنَ اِلَی الْاِبِلِ کَیْفَ خُلِقَتْ'' (سورۃ غاشیۃ: ۱۷)

ہاتھی کو اس مقام پر ذکر نہیں فرمایا جب کہ وہ قد وقامت اور جسامت میں اونٹ سے بہت بڑھ کر ہے اس کی وجہ صرف یہی ہے کہ ہاتھی اہل عرب کے وہاں معروف ومشہور نہیں تھا۔

الغرض قرآن مجید عرب کے اسلوب ومنہج پر نازل ہوا ہے اس لیے اس کی مرادوں کو سمجھنے کے لیے ان کے مزاج ومحاورہ کا لحاظ ضروری ہوگا۔

مثال: (۱) بَلْ یَدٰہُ مَبْسُوْطَتٰنِ یُنْفِقُ کَیْفَ یَشَآءُ

(سورۃ المائدۃ: ٦٤)

(۲) لِمَا خَلَقْتُ بِیَدَیَّ اَسْتَکْبَرْتَ اَمْ کُنْتَ مِنَ الْعَالِیْنَ۝

(سورۃ ص: ۷۵)

تطبیق:

اس طرح کی آیات میں بعض مفسرین نے ''ید'' کی تفسیر ''نعمت'' سے کی ہے یہ تفسیر زبان عربی کے مزاج ومذاق کے موافق نہیں ہے کیونکہ عربوں کے یہاں ''ید'' بول کر ''نعمت'' مراد نہیں لی جاتی ہے یوں نہیں کہا جاتا ''فعلت بیدہ'' اور ''ید'' سے مراد ''نعمت'' لی جائے۔

قاعدہ نمبر (۸۲)

تُفهَمُ مَعَانِيَ الْأَفْعَالِ عَلىٰ ضَوْءِ مَا تَتَعَدّٰى بِهٖ۔

علامہ ابوالفضل عمر بن مسعود نے شعر میں اسی قاعدے کو بیان کیا ہے:

و الفهم لِلأفعال فِيمَا قَدْ عنت   فی ضوء ما قطعا تعدّت به ثبت

(نشر العبیر فی منظومۃ قواعد التفسیر ج/۱ ص/۷۹)

حاصل قاعدہ:

افعال کے معانی صلات سے متعین کیے جاتے ہیں۔

مثال: مثلاً ایک فعل ہے ''نظر''۔

اس کے استعمال کی تین صورتیں ہیں اور ہر صورت میں معنی جدا ہے۔

اول: بغیر صلہ کے اس کا استعمال کیا جائے اس وقت معنی ہوگا توقف اور انتظار کرنا جیسے:

اٰمَنُوا انْظُرُوْنَا نَقْتَبِسْ مِنْ نُّوْرِكُمْ ---اى انتظرونا

(سورۃ الحدید: ۱۳)

یعنی منافقین اہل ایمان سے کہیں گے تم ذرا ٹھہرو اور ہمارا انتظار کرو تاکہ ہم تمہارے نور سے کچھ فائدہ اٹھائیں۔

دوم: حرف جر ''الی'' کے ساتھ استعمال کیا جائے اس صورت میں معنی ہوگا مشاہدہ کرنا، آنکھوں سے دیکھنا جیسے سورۃ قیامہ میں ہے ''و وجوه يومئذ ناضرة الى ربها ناظرة'' یعنی قیامت کے دن کچھ چہرے تروتازہ اپنے رب کو دیکھ رہے ہوں گے۔

سوم: ''فی'' کے ساتھ استعمال ہو تو اس وقت غور و فکر کرنے اور عبرت لینے کے معنی میں ہوگا جیسے:

اَوَ لَمْ يَنْظُرُوْا فِيْ مَلَكُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ۔ (سورۃ الاعراف: ۱۸۵)

ترجمہ: ''اور کیا ان لوگوں نے غور نہیں کیا آسمانوں اور زمین کے عالم میں''۔

قاعدہ نمبر (۸۳)

تَقْدِیْمُ الْعِتَابِ عَلَی الْفِعْلِ مِنَ اللّٰہِ تَعَالٰی لَا یَدُلُّ عَلٰی تَحْرِیْمِہٖ۔

(بدائع الفوائد ج ر ۴ ص ر ۸۱۳ مکتبہ نزار مصطفی الباز)

حاصل قاعدہ:

کسی فعل پر اللہ کی جانب سے عتاب نازل ہوا ہو اس کے خلاف اولیٰ ہونے میں کوئی شک نہیں ہے، اسی کو متقدمین اور بعض متاخرین کی اصطلاح میں ''مکروہ'' سے تعبیر کیا جاتا ہے مگر بعض علماء نے منہیات کی تقسیم کی ہے۔ ایک وہ حکم جو صیغہ نہی سے ممنوع کیا گیا ہو دوسرے وہ جس کی ممانعت صیغہ امر سے مستفاد ہو کیونکہ جس چیز کا امر کیا گیا ہو اس کی ضد ممنوع ہوگی۔ قسم اول کو ''مکروہ'' اور قسم ثانی کو ''خلاف اولیٰ'' سے تعبیر کرتے ہیں۔

حاصل یہ کہ کسی فعل کے متعلق عتاب سے صرف اس کے خلاف اولیٰ ہونے پر دلالت ہوتی ہے، حرمت کا درجہ اس سے مافوق ہے۔ لہٰذا اس کے لیے خارجی دلائل وقرائن کی ضرورت ہوگی۔

تطبیق مثال:

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پانچ مقامات پر اپنے نبی کو مورد عتاب بنایا ہے۔ سورۂ انفال، سورۂ براءۃ، سورۂ احزاب، سورۂ تحریم اور سورۂ عبس میں۔

مَا کَانَ لِنَبِیٍّ اَنْ یَّکُوْنَ لَہٗٓ اَسْرٰی حَتّٰی یُثْخِنَ فِی الْاَرْضِ ؕ تُرِیْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْیَا ۖ وَاللّٰہُ یُرِیْدُ الْاٰخِرَۃَ ؕ وَاللّٰہُ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ ﴿۶۷﴾

(سورۃ الانفال: ۶۷)

ترجمہ: ''نبی (کی شان) کے لائق نہیں کہ ان کے قیدی (باقی) رہیں (بلکہ قتل

کر دیے جائیں) جب تک کہ وہ زمین میں اچھی طرح (کفار کی) خونریزی نہ کرلیں''۔

یہاں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اُسارائے بدر کو فدیہ لے کر رہا کر دینے پر عتاب کیا گیا ہے، مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ فدیہ لینا حرام درجہ کا ممنوع تھا بلکہ زیادہ سے زیادہ خلاف اولیٰ تھا۔

دیگر امثلہ

(۱) عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ ۚ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَ تَعْلَمَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۴۳﴾ (سورۃ براءۃ:۴۳)

ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ نے آپ کو معاف (تو) کردیا (لیکن) آپ نے ان کو (ایسی جلدی) اجازت کیوں دے دی تھی۔''

(۲) وَ تُخْفِيْ فِيْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِيْهِ وَ تَخْشَى النَّاسَ ۚ وَ اللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰىهُ ؕ فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا لِكَيْ لَا يَكُوْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ حَرَجٌ فِيْۤ اَزْوَاجِ اَدْعِيَآىِٕهِمْ اِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا ؕ وَ كَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ﴿۳۷﴾ (سورۃ الاحزاب:۳۷)

ترجمہ: ''اور اپنے دل میں وہ (بات بھی) چھپائے ہوئے تھے جس کو اللہ تعالیٰ (آخر میں) ظاہر کرنے والا تھا''۔

(۳) يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ ۚ تَبْتَغِيْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ ؕ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱﴾ (سورۃ التحریم:۱)

ترجمہ: ''اے نبی جس چیز کو اللہ نے آپ کے لیے حلال کیا ہے آپ (قسم کھا کر) اس کو (اپنے اوپر) کیوں حرام فرماتے ہیں''۔

قاعدہ نمبر (۸۴)

جَمِيْعُ الْاَسْئِلَةِ الْمُتَعَلِّقَةِ بِتَوْحِيْدِ الرُّبُوْبِيَّةِ اِسْتِفْهَامَاتُ تَقْرِيْرٍ۔

(اضواء البیان فی ایضاح القرآن بالقرآن ج ۳ ص ۲۱ دار الفکر)

حاصل قاعدہ:

توحید ربوبیت سے متعلق تمام تر سوالات استفہام تقریری ہیں۔

تشریح:

توحید ربوبیت کا مطلب یہ ہے کہ مخلوقات کی تربیت اور نظام عالم کے چلانے والی ذات صرف اور صرف اللہ رب العزت کی ذات واحد ہے۔ کسی اور کی اس میں ادنی کوئی شرکت نہیں اور توحید الوہیت کا حاصل یہ ہے کہ معبود ہونے کی شان اور ہمارے سجدوں اور عبادتوں کے حقیقی و اصلی مستحق صرف اور صرف خدائے واحد ذوالجلال والاکرام ہی ہیں کوئی اور نہیں۔ توحید ربوبیت کے قائل تمام عرب اور مشرکین قریش تھے، اس لیے قرآن کریم نے اس کو موضوع بحث نہیں بنایا یعنی توحید ربوبیت کے اثبات پر دلائل و براہین قائم نہیں کیے البتہ توحید ربوبیت کے ذریعہ توحید الوہیت پر استدلال کیا ہے کیونکہ توحید ربوبیت کا مقتضا یہ ہے کہ توحید الوہیت کو بھی مانا جائے۔

اسی لیے اللہ رب العزت نے توحید ربوبیت کے بیان میں استفہام تقریری کے انداز میں خطاب کیا ہے۔

(۱) قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ اَمَّنْ يَّمْلِكُ السَّمْعَ وَ الْاَبْصَارَ وَ مَنْ يُّخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَ يُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَ مَنْ يُّدَبِّرُ الْاَمْرَ ؕ فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ ۚ فَقُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ۝

(سورۃ یونس: ۳۱)

ترجمہ: ”آپ ان مشرکین سے کہیے کہ (بتلاؤ) وہ کون ہے جو تم کو آسمان اور زمین سے رزق پہنچاتا ہے یا یہ (بتلاؤ) وہ کون ہے تمہارے کانوں اور آنکھوں پر پورا اختیار رکھتا ہے اور وہ کون ہے جو جاندار (چیز) کو بے جان (چیز) سے نکالتا ہے اور بے جان (چیز) کو جاندار سے نکلتا ہے اور وہ کون ہے جو تمام کاموں کی تدبیر کرتا ہے (ان سے یہ

سوالات کیجیے) سو ضرور وہ جواب میں یہی کہیں گے کہ (ان سب افعال کا فاعل) اللہ ہے تو ان سے کہئے کہ پھر (شرک سے) کیوں نہیں پرہیز کرتے''۔

اس آیت میں ربوبیت کے متعلق چند سوالات کیے گئے جب انہوں نے اعتراف کرلیا تو پھر آگے ''افلا تتقون'' کے ذریعہ توحید الوہیت کے انکار پر توبیخ کی گئی یعنی جب تم نے اللہ ہی کو خالق و رازق اور مالک سمع و بصر مانا ہے تو پھر عبادت اور الوہیت میں دوسرے کو شریک کیوں کرتے ہو۔

قاعدہ کی تطبیق یہاں اس طور پر ہے کہ من یرزقکم من السمآء۔۔الخ میں سب استفہامات تقریری ہیں چنانچہ آگے ذکر ہے فسیقولون اللہ۔

اشباہ ونظائر

(۱) قُلْ لِّمَنِ الْاَرْضُ وَ مَنْ فِيْهَآ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۝ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ؕ قُلْ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ۝ قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ۝ (سورۃ المؤمنون:۸۵)

ترجمہ: ''آپ (جواب میں) کہہ دیجیے کہ (اچھا یہ بتلاؤ کہ) زمین اور جو اس پر رہتے ہیں یہ کس کے ہیں اگر تم کو کچھ خبر ہے وہ ضرور یہی کہیں گے کہ اللہ کی ہیں''۔

یہاں ارض و سماوات کے متعلق سوال کیا گیا ہے کہ ان کا مالک کون ہے یہ استفہام بھی تقریری ہے۔

(۲) قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ قُلِ اللّٰهُ ؕ

(سورۃ رعد:۱٦)

ترجمہ: ''آپ کہیے کہ آسمان اور زمین کا پروردگار کون ہے آپ کہہ دیجیے کہ اللہ ہے''۔

''قل اللہ'' کے ذریعہ جب اعتراف ربوبیت کرلیا تو پھر شرک پر توبیخ کی گئی۔

قُلْ اَفَاتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِيَآءَ لَا يَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا ؕ (سورۃ رعد:۱٦)

ترجمہ: ''پھر آپ یہ کہیے کہ کیا پھر بھی تم نے اس کے (یعنی خدا کے) سوا دوسرے مددگار قرار دے رکھے ہیں جو خود اپنی ذات کے نفع ونقصان کے بھی اختیار نہیں رکھتے''۔

(۳) وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ فَاَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ۝ (سورۃ الزخرف:۸۷)

ترجمہ: ''اور اگر آپ ان پوچھیں کہ ان کو کس نے پیدا کیا ہے تو یہی کہیں گے کہ اللہ نے سو تم لوگ کدھر الٹے پھرے جاتے ہو''۔

جب اللہ کی خالقیت کا اعتراف کرلیا تو پھر کہا گیا ''فانی تؤفکون''۔

قاعدہ نمبر (۸۵)

جَمِيْعُ اَوْزَانِ الصِّفَةِ الْمُشَبَّهَةِ بِاسْمِ الْفَاعِلِ اِنْ قُصِدَبِهَا الْحُدُوْثُ وَالتَّجَدُّدُ جَاءَ تْ عَلٰى وَزْنِ ''فَاعِلٍ'' مُطْلَقًا وَ اِنْ لَمْ يُقْصَدِ الْحُدُوْثُ وَالتَّجَدُّدُ بَقِيَ عَلٰى اَصْلِهٖ۔

(اضواء البیان فی ایضاح القرآن بالقرآن ج ر ٦ ص ر ۲۸ دار الفکر)

حاصل قاعدہ:

صفت مشبہ باسم فاعل میں اگر حدوث وتجدد کا معنی مراد ہو تو ''فاعل'' کے وزن پر آتا ہے ورنہ وہ اپنی اصل پر باقی رہتا ہے۔

تشریح:

فعل ثلاثی سے صفت مشبہ کے دو وزن ہیں۔

اول: ''فاعل'' جیسے طاهر القلب، ضائع الصدر۔

دوم: صفت مشبہ کا اپنا اصلی وزن ''فعیل جیسے''جمیل الظاهر، کریم الادب''پس جہاں صفت مشبہ کے اندر حدوث وتجدد کا معنی ملحوظ ہو وہ فاعل کے وزن پر آئے گا اور جہاں یہ مقصود نہ ہو وہ اپنی اصل پر باقی رہے گا۔

تطبیق مثال:

وَاِذَآ اُلْقُوْا مِنْهَا مَكَانًا ضَيِّقًا مُّقَرَّنِيْنَ دَعَوْا هُنَالِكَ ثُبُوْرًا ﴿۱۳﴾

(سورۃ الفرقان: ۱۳)

ترجمہ: ''اور (پھر) جب وہ اس (دوزخ) کی کسی تنگ جگہ میں ہاتھ پاؤں جکڑ کر ڈال دیے جاویں گے۔''

یہاں ''ضائقا'' کی بجائے ''ضیقا'' لایا گیا، اسی طرح سورۂ انعام میں ''یجعل صدره ضیقا حرجا'' میں ''ضیقا'' کہا گیا جب کہ سورۂ ہود میں ''وضائق به صدرک'' میں ''ضائق'' بروزن فاعل وارد ہے اس لیے کہ یہاں حدوث وتجدد کا معنی ملحوظ ہے اور مذکورۃ الصدر دو آیتوں میں یہ معنی ملحوظ نہیں ہے اس لیے وہ اپنی اصل یعنی کے وزن پر ہے۔

قاعدہ نمبر (۸۶)

جَمِيعُ مَا وَرَدَ فِي الْقُرآنِ حِكَايَةً عَنْ غَيرِ اَهْلِ اللِّسَانِ مِنَ الْقُرُوْنِ الْخَالِيَةِ اِنَّمَا هُوَ مِنْ مَعْرُوْفِ مَعَانِيهِمْ وَلَيْسَ بِحَقِيْقَةِ اَلْفَاظِهِمْ۔

(البرهان فی علوم القرآن ج/۲ ص/۲۱۲ دار المعرفة، الاتقان فی علوم القرآن ج/۴ ص/۲۸ دار الفکر، الکلیات لابی البقاء ج/۱ ص/۴۰۹ مؤسسة الرسالة)

حاصل قاعدہ:

قرآن عزیز نے جن گذشتہ اقوام کی حکایتیں بیان کی ہیں ان میں اصل مضمون کا لحاظ کیا ہے ان کے الفاظ وعبارت کا التزام نہیں کیا ہے۔

تشریح:

الفاظ کی دلالت معانی پر دو طرح کی ہے۔

اول: دلالت اصلیہ یعنی الفاظ کی دلالت نفس مضمون پر ہو خارجی اشارات و محسنات سے قطع نظر اس قسم میں تمام زبانیں مشترک ہیں کسی جماعت کے ساتھ خاص نہیں۔

دوم: دلالت تابعہ یا خارجیہ یہ عربی زبان کا خاصہ ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ حکایات واخبار میں مخبر، مخبر عنہ، مخبر بہ، نفس اخبار و سیاق و سباق کا لحاظ کرتے ہوئے عبارات لائی جائیں نیز اسلوب کے نشیب و فراز یعنی ایضاح واخفاء، ایجاز واطناب وغیرہ کا لحاظ کرتے ہوئے کلام کرنا سب اسی قسم میں داخل ہیں۔ مثلاً اگر اس بات کی حکایت کرنی ہے کہ ''زید کھڑا ہے'' ایک طریقہ یہ ہے کہ یوں کہا جائے ''قام زید'' یہ تعبیر اس وقت لائی جائے گی جب مخبر عنہ (یعنی زید) کے تعلق سے اہتمام اعتناء ملحوظ نہ ہو، اور اگر یہ اہتمام و اعتناء پیش نظر ہو تو یوں کہا جائے گا ''زید قام'' اسی طرح اگر یہ بات کسی سائل کے جواب میں کہی جائے تو یوں تعبیر کی جائے گی ''ان زیداً قام'' اور اگر کسی منکر کے جواب میں ہو تو اسلوب تعبیر ہوگا ''واللہ ان زیداً قام اور اگر متوقع کے جواب میں کہنا ہو تو کہا جائے گا ''قد قام زید'' یا ''زید قد قام''۔

اسی طرح یہ اسلوب تعبیر کبھی مخبر عنہ کی عظمت و حقارت کے اعتبار سے بدلتا رہتا ہے کبھی کنایہ و تصریح اور کبھی مقام و مقتضی کے اعتبار سے بھی بدلتا ہے۔

یہ سارے اسالیب جن سے ایک ہی مضمون کو مختلف پیرایوں میں بیان کیا جاتا ہے اس کو ''مکملاتِ کلام'' یا ''متممات کلام'' کہا جاتا ہے۔

قرآن مجید نے بھی اپنے اسلوب بیان میں ان تمام امور کا لحاظ کیا ہے چنانچہ ایک ہی قصہ اور واقعہ کو مختلف الفاظ و تعبیرات میں ذکر کیا ہے کیونکہ ایک ہی واقعہ مختلف سیاق میں وارد ہے ہر جگہ مقتضائے حال اور مقام جدا جدا ہے اسی لحاظ سے واقعہ کی تعبیرات بھی مختلف ہوئی ہیں۔

البتہ بعض مقامات پر قرآن قصہ کی بعض جزئیات و تفصیلات کو چھوڑ دیتا ہے، مگر

دوسری جگہ ذکر کر دیتا ہے اور دونوں جگہ مقتضائے مقام کا اعتبار پیش نظر ہوتا ہے۔

تطبیق مثال

قَالَ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ ضَيْفِيْ فَلَا تَفْضَحُوْنِ ﴿۶۸﴾ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ وَ لَا تُخْزُوْنِ ﴿۶۹﴾ قَالُوْٓا اَوَ لَمْ نَنْهَكَ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۷۰﴾ قَالَ هٰٓؤُلَآءِ بَنٰتِيْٓ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ﴿۷۱﴾ (سورۃ الحجر: ۶۸ تا ۷۱)

ترجمہ: ''لوط علیہ السلام نے فرمایا: ''کہ یہ لوگ میرے مہمان ہیں سو مجھ کو فضیحت مت کرو اور اللہ سے ڈرو اور مجھ کو رسوا مت کرو وہ کہنے لگے کیا ہم آپ کو دنیا بھر کے لوگوں سے منع نہیں کر چکے۔ لوط علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ میری (بہو) بیٹیاں موجود ہیں اگر تم (میرا کہنا) مانو''۔

قَالَ يٰقَوْمِ هٰٓؤُلَآءِ بَنَاتِيْ هُنَّ اَطْهَرُ لَكُمْ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ لَا تُخْزُوْنِ فِيْ ضَيْفِيْ ؕ اَلَيْسَ مِنْكُمْ رَجُلٌ رَّشِيْدٌ ﴿۷۸﴾ قَالُوْا لَقَدْ عَلِمْتَ مَا لَنَا فِيْ بَنٰتِكَ مِنْ حَقٍّ ۚ وَ اِنَّكَ لَتَعْلَمُ مَا نُرِيْدُ ﴿۷۹﴾ (سورۃ ھود: ۷۸، ۷۹)

ترجمہ: ''لوط علیہ السلام فرمانے لگے کہ اے میری قوم یہ میری (بہو) بیٹیاں موجود ہیں وہ تمہارے (نفس کی کامرانی کے) لیے اچھی خاصی ہیں سو اللہ سے ڈرو اور میرے مہمانوں میں مجھ کو فضیحت مت کرو۔ کیا تم میں کوئی بھی (معقول آدمی اور) بھلا مانس نہیں وہ لوگ کہنے لگے کہ آپ کو معلوم ہے کہ ہم کو آپ کی ان (بہو) بیٹیوں کی کوئی ضرورت نہیں اور آپ کو معلوم ہے (یہاں آنے سے) جو ہمارا مطلب ہے''۔

دیگر امثلہ

قَالَتْ يٰوَيْلَتٰٓى ءَاَلِدُ وَ اَنَا عَجُوْزٌ وَّ هٰذَا بَعْلِيْ شَيْخًا ؕ اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عَجِيْبٌ ﴿۷۲﴾ (سورۃ ھود: ۷۲)

ترجمہ: ''کہنے لگیں ہائے خاک پڑے اب میں بچہ جنوں گی بڑھیا ہو کر اور یہ میرے میاں (بیٹھے) ہیں بالکل بوڑھے واقعی یہ بھی عجیب بات ہے''۔

اور یہی واقعہ سورۂ ذاریات میں اس طرح آیا ہے۔

فَاَقْبَلَتِ امْرَاَتُهٗ فِیْ صَرَّةٍ فَصَكَّتْ وَجْهَهَا وَ قَالَتْ عَجُوْزٌ عَقِیْمٌ ۝۲۹ (سورۃ الذاریات:۲۹)

ترجمہ: ''اتنے میں ان کی بی بی بولتی آئیں پھر ماتھے پر ہاتھ مارا اور کہنے لگیں کہ (اول تو) بڑھیا (پھر) بانجھ''۔

قاعدہ نمبر (۸۷)

جِنْس فِعْلِ الْمَامُوْرِ بِه اَعْظَمُ مِنْ جِنْسِ تَرْکِ الْمَنْهِیِّ عَنْهُ وَ جِنْس تَرْکِ الْمَأمُوْرِ بِه أَعْظَمُ مِنْ جِنْسِ فِعْلِ الْمَنْهِیِّ عَنْهُ كَمَا اَنَّ مَثُوْبَةَ اَدَاءِ الْوَاجِبَاتِ أَعْظَمُ مِنْ مَثُوْبَةِ تَرْکِ الْمُحَرَّمَاتِ وَ الْعُقُوْبَةَ عَلٰی تَرْکِ الْوَاجِبَاتِ أَعْظَمُ مِنَ الْعُقُوْبَةِ عَلٰی فِعْلِ الْمُحَرَّمَاتِ۔

(مجموع الفتاوی لابن تیمیۃ ج ۲۰ ص ۸۵ دار الوفاء سن طباعت ۱۴۲۶ھ)

حاصل قاعدہ:

اداء مامورات کی جنس ترک منہیات کی جنس سے بڑھ کر ہے نیز ترک مامورات کی جنس ارتکاب منہیات کی جنس سے فائق ہے جیسا کہ واجبات کی ادائیگی کی جزاء محرمات کے ترک کی جزا سے بڑھ کر ہے اور ترکِ واجبات کی سزا ارتکاب محرمات کی سزا سے زیادہ شدید ہے۔

تشریح:

شریعت کے احکام دو قسم پر ہیں۔

اول: ''مامورات'' یعنی وہ اعمال جن کے کرنے کا حکم کیا گیا ہے۔

دوم: ''منہیات'' یعنی جن سے روکنے کا حکم کیا گیا ہے۔

قاعدہ میں یہ بتلایا گیا ہے کہ ماموارت کی ادائیگی زیادہ اہم اور عظیم ہے، اس لیے کہ ماموارت میں ایک فعل کی ادائیگی مطلوب ہوتی ہے جب کہ منہیات میں امتناع عن الفعل (کسی فعل کا ترک) مطلوب ہوتا ہے، اور منہیات کا ترک ماموارت کی ادائیگی کے مقابلہ میں فروتر ہے اسی وجہ سے مامور بہ کا ترک زیادہ شنیع ہے اور منہی عنہ کا ارتکاب اس سے فروتر ہے نیز اس لیے ماموارت کے کرنے کا ثواب ترک منہیات کے ثواب سے بڑھ کر ہے اور سزا میں بھی ترک واجبات کی سزا فعل محرمات سے بڑھ کر ہے، اور یہ قانون ماموارت و منہیات کی جنس کے اعتبار سے ہے نہ کہ ہر ہر فرد کے اعتبار سے کیونکہ بسا اوقات بعض منہیات کا کرنا بعض ماموارت کے ترک سے زیادہ شنیع ہوتا ہے مگر یہ استثنائی صورت ہے قاعدہ جنس اور کل کے اعتبار سے ہے۔

اس قاعدہ کی روشنی میں ابلیس اور آدم (علیہ السلام) کی غلطی کے درمیان کا فرق واضح ہو جاتا ہے۔ آدم علیہ السلام کی غلطی ارتکاب منہیات کے قبیل سے تھی جب کہ ابلیس کی غلطی ترک مامور بہ کے قبیل سے تھی اس لیے ابلیس کا گناہ عظیم شمار کیا گیا۔

قاعدہ نمبر (۸۸)

حَذْفُ جَوَابِ الشَّرطِ يَدُلُّ عَلىٰ تَعْظِيمِ الْاَمْرِ وَ شِدَّتِهِ فِيْ مَقَامَاتِ الْوَعِيدِ۔

(القواعد الحسان فی تفسیر القرآن ج ۱/ص ۴۴)

حاصل قاعدہ:

جواب شرط کا حذف تعظیم امر اور شدت وعید پر دال ہوتا ہے۔

تشریح:

اگر شرط کی جزا محذوف کر دی جائے تو اشارہ ہے کہ وہ جزا اتنی عظیم اور ایسی سنگین

ہے کہ گویا الفاظ میں ادا کرنا ممکن نہیں اس لیے حذف کردیا گیا۔

مثال: وَلَوْ تَرٰٓی اِذْ وُقِفُوْا عَلٰی رَبِّهِمْ۔ (سورۃ انعام: ۰۳)

ترجمہ: ''اور اگر آپ اس وقت دیکھیں جب کہ یہ اپنے رب کے سامنے کھڑے کیے جائیں گے''۔

اس میں ''لو تری'' کی جزا محذوف ہے اور اس کو حذف کرکے وعید کی شدت کو بتلایا گیا ہے پس تقدیر آیت ہوگی:

لو تری إذ وقفوا علی ربهم لرأیت امراً مهولاً او عظیماً۔

دیگر امثلہ

(۱) وَلَوْ تَرٰٓی اِذِ الْمُجْرِمُوْنَ نَاكِسُوْا رُءُوْسِهِمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ
(سورۃ سجدۃ: ۱۲)

ترجمہ: ''اور اگر آپ دیکھیں تو عجیب حال دیکھیں گے جب کہ یہ مجرم لوگ اپنے رب کے سامنے سر جھکائے ہوں گے''۔

(۲) وَلَوْ یَرَی الَّذِیْنَ ظَلَمُوْٓا اِذْ یَرَوْنَ الْعَذَابَ اَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِیْعًا۔ (سورۃ بقرہ: ۱۶۵)

ترجمہ: ''اور کیا خوب ہوتا اگر یہ ظالم (مشرکین) جب (دنیا میں) کسی مصیبت کو دیکھتے تو (اس کے وقوع میں غور کرکے) یہ سمجھ لیا کرتے کہ سب قوت حق تعالیٰ ہی کو ہے''۔

(۳) وَلَوْ تَرٰٓی اِذْ وُقِفُوْا عَلَی النَّارِ۔ (سورۃ انعام: ۲۷)

ترجمہ: ''اور اگر آپ (اس وقت) دیکھیں جب کہ وہ دوزخ کے پاس کھڑے کیے جائیں گے''۔

قاعدہ نمبر (۸۹)

حَيْثُ وَقَعَتْ "إِذْ" بَعْدَ" وَاذْكُرْ "فَالْمُرَادُ بِهِ الْأَمْرُ بِالنَّظَرِ إِلَى مَا اشْتَمَلَ عَلَيْهِ ذٰلِكَ الزَّمَانُ لِغَرَابَةِ مَاوَقَعَ فِيْهِ فَهُوَ جَدِيْرٌ بِاَنْ يُنْظَرَ فِيْهِ۔

(البرہان فی علوم القرآن ج ر ۴ ص ر ۲۰۸ دار المعرفۃ بیروت)

حاصل قاعدہ:

لفظ''اذ'' جب ''اذکر'' کے بعد آوے تو اس سے مقصود اس واقعہ کی طرف متوجہ کرنا ہوتا ہے جو اس وقت میں پیش آیا اور یہ انداز اس واقعہ کے عجیب وغریب ہونے کی وجہ سے اپنایا جاتا ہے تا کہ سامع کی توجہ اس کی طرف مبذول ہو۔

تشریح:

لفظ''اذ'' ظرف زمان ہے جو کسی فعل کے وقوع کا وقت بتلاتا ہے، لیکن جب یہ کلمہ ''اذکر'' کے بعد لایا جاوے تو اس صورت میں فعل کے وقت کو بتلانا مقصود نہیں ہوتا بلکہ اس وقت میں صادر ہونے والے فعل (یعنی واقعہ) کو بتلانا مقصود ہوتا ہے، اور اس اسلوب تعبیر سے یہ اشارہ ہوتا ہے کہ یہ واقعہ بہت ہی عجیب وغریب ہے۔ لہٰذا سامع کو اس کی طرف پوری توجہ مبذول کرنی چاہیے اسی قاعدہ کو کبھی اس طرح بیان کیا جاتا ہے ''اذا کان وقت الشئی مستحقا للذکر فان ذالک الشئی مستحق لہ بالاولیٰ''

(فتح القدیر للشوکانی ج ر ۲ ص ر ۲۱۸ دار الفکر)

یعنی جب وقت شئی قابل ذکر ہو تو شئی بدرجہ اولیٰ قابل ذکر ہوگی۔

مثال: (۱) وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مَرْيَمَ ۘ إِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ أَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا ﴿۱۶﴾ (سورۃ مریم:۱۶)

ترجمہ: ''اور (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) اس کتاب میں مریم کا بھی ذکر کیجیے جب کہ وہ اپنے گھر والوں سے علیحدہ ہوئیں''۔

اس میں ''اذ''، ''اذکر'' کے بعد واقع ہے جس سے مقصود حضرت مریم علیہا السلام کے واقعہ کے عجیب وغریب ہونے کو بتلا کر مخاطب کو پورے طور پر متوجہ کرنا ہے۔

(۲) وَ اذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِبْرٰهِيْمَ ۬ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ﴿۴۱﴾ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ يٰۤاَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَ لَا يُبْصِرُ وَ لَا يُغْنِيْ عَنْكَ شَيْـًٔا ﴿۴۲﴾ (سورۃ مریم: ۴۱، ۴۲)

ترجمہ: ''اور اس کتاب میں ابراہیم علیہ السلام کا قصہ ذکر کیجیے وہ بڑے راستی والے اور پیغمبر تھے جب کہ انہوں نے اپنے باپ سے کہا''۔

اس میں بھی حسب سابق نفس واقعہ کی طرف متوجہ کرنا مقصود ہے۔

قاعدہ نمبر (۹۰)

زِيَادَةُ الْمَبنیٰ تَدُلُّ عَلیٰ زِيَادَةِ الْمَعْنیٰ (قُوَّةُ اللَّفْظِ لِقُوَّةِ الْمَعْنیٰ)۔

(روح المعانی ج ر ۱۷ ص ۲۱ دار احیاء التراث العربی، تفسیر کبیر ج ر ۲۳ ص ۹۸ دار الکتب العلمیۃ، کشاف ج ر ۳ ص ۱۹۹ دار احیاء التراث العربی)

حاصل قاعدہ:

زیادتی حرف زیادتی معنی پر دال ہوتی ہے (قوت لفظ قوت معنی کا سبب ہوتی ہے)

مثال: فَاَخَذْنٰهُمْ اَخْذَ عَزِيْزٍ مُّقْتَدِرٍ۔ (سورۃ قمر: ۴۲)

مقتدر، قادر سے بلیغ ہے۔

ترجمہ: ''سو ہم نے ان کو زبردست قدرت کا پکڑنا پکڑا''۔

دیگر امثلہ

(۱) فَاعْبُدْهُ وَاصْطَبِرْ لِعِبَادَتِهٖ۔ (سورۃ مریم:۶۵)

اصطبر، اصبر سے ابلغ ہے۔

ترجمہ: ”سو (اے مخاطب) اس کی عبادت کیا کر اور اس کی عبادت پر قائم رہ“۔

(۲) لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ۔ (سورۃ بقرۃ:۲۸۶)

اکتسبت، کسبت سے ابلغ ہے۔

(۳) فَكُبْكِبُوْا فِيْهَا هُمْ وَالْغَاوٗنَ۝ (سورۃ شعراء:۹۴)

فکبکبوا، فکبوا سے ابلغ ہے۔

ترجمہ: ”پھر (یہ کہہ کر) وہ (معبودین) اور گمراہ لوگ اوندھے منہ جہنم میں ڈال دیئے جائیں گے“۔

قاعدہ نمبر (۹۱)

سَبْعَةُ أُمُوْرٍ يَنْدَفِعُ بِهَا الْإِشْكَالُ عَنِ التَّفْسِيْرِ۔

(۱) رَدُّ الْكَلِمَةِ لِضِدِّهَا۔

(۲) رَدُّهَا إِلٰى نَظِيْرِهَا۔

(۳) اَلنَّظَرُ فِيْمَا يَتَّصِلُ بِهٖ مِنْ خَبَرٍ أَوْ شَرْطٍ أَوْ إِيْضَاحٍ فِيْ مَعْنًى آخَرَ۔

(۴) دَلَالَةُ السِّيَاقِ۔

(۵) مُلَاحَظَةُ النَّقْلِ عَنِ الْمَعْنَى الْأَصْلِيِّ۔

(۶) مَعْرِفَةُ النُّزُوْلِ۔

(۷) اَلسَّلَامَةُ مِنَ التَّدَافُعِ۔

(البرھان فی علوم القرآن ج ۲ ص ۱۹۹ سے ۲۰۲ تک دار المعرفۃ)

حاصل قاعدہ:

تفسیر میں پیش آنے والی پیچیدگیوں کو دفع کرنے کے سات طریقے ہیں۔

(۱) رد الی الضد: یعنی کلام کو اس کی ضد کی طرف پھیرا جائے۔

(۲) رد الی النظیر: یعنی نظائر پر غور کیا جائے۔

(۳) تدبر در متعلقات: یعنی اس کے متعلقات مثلاً خبر شرط یا اس معنی کی کہیں توضیح وتفسیر آئی ہو اس پر غور کرے۔

(۴) دلالت سیاق: یعنی سیاق کی دلالت سے۔

(۵) تدبر فی مدارج المعنی: یعنی لفظ اپنے معنی اصلی سے دوسرے معانی کی طرف کس طرح منتقل ہوا اس پر تدبر کرے۔

(۶) معرفۃ النزول: یعنی شانِ نزول سے واقفیت۔

(۷) احتراز عن التعارض: یعنی تعارض آیات سے سلامتی کی راہ اختیار کرنا۔

تطبیق امثلہ

مثال طریقۂ اولیٰ:

(رد الی الضد) ''وَ لَا تُطِعْ مِنْهُمْ اٰثِمًا اَوْ كَفُوْرًا ﴿۲۴﴾ (سورۃ الدھر: ۲۴)

ترجمہ: ''اور ان میں سے کسی فاسق یا کافر کے کہنے میں نہ آیئے''۔

یہاں مشکل یہ پیش آ رہی ہے ظاہر آیت سے مفہوم ہو رہا ہے کہ آثم اور کفور میں سے کسی ایک کی اطاعت ممنوع ہے نہ کہ دونوں کی حالانکہ یہ مراد نہیں بلکہ مراد یہ ہے کہ دونوں میں سے کسی کی بھی اطاعت درست نہیں ہے اس مشکل کا حل یہ ہوگا کہ **لا تطع اثما او كفورا** کو اس کی ضد اَطِع آثماً او کفوراً کی طرف پلٹایا جائے جس کا حاصل یہ ہوگا کہ

دونوں میں سے کسی ایک کی اطاعت کرو یعنی دونوں کی مت کرو۔

مثال بر طریقۂ ثانیہ:

(ردالی النظیر) صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ

(سورۃ الفاتحۃ:۶)

ترجمہ: ''راستہ ان لوگوں کا جن پر آپ نے انعام فرمایا ہے''۔

یہاں ''منعم علیھم'' مبہم ہیں اب اس کے نظائر پر غور کیا تو سورۂ نساء کی آیت ملی:

فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَ الصِّدِّيْقِيْنَ وَ الشُّهَدَآءِ وَ الصّٰلِحِيْنَ۔ (سورۃ النساء:۶۹)

اس سے معلوم ہوا کہ منعم علیھم سے مراد انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین ہیں۔

مثال بر طریقۂ ثالثہ:

(تدبر در متعلقات)

كُلُوْا وَ اشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ۔ (سورۃ البقرۃ:۱۸۷)

ترجمہ: ''اور کھاؤ اور پیو اس وقت تک کہ سفید خط متمیز ہو جاوے سیاہ خط سے''۔

آیت کے اتنے ٹکڑے سے خط ابیض کا مفہوم مبہم رہتا مگر آگے من الفجر کا اضافہ کر دینے سے اس کی تعیین ہو جاتی ہے۔

مثال بر طریقۂ رابعہ:

(دلالت سیاق)

ذُقْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْكَرِيْمُ ﴿۴۹﴾ (سورۃ الدخان:۴۹)

ترجمہ: ''چکھ تو بڑا معزز مکرم ہے''۔

یہاں سیاق کلام سے متعین ہوگیا کہ یہ جملہ تحقیراً وتذلیلاً کہا جارہا ہے۔

مثال برطریقۂ خامسہ:

(انتقالِ معانی کے مدارج میں تدبر کرنا)

لَا یَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْکٰفِرِیْنَ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ ۚ وَ مَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِکَ فَلَیْسَ مِنَ اللّٰهِ فِیْ شَیْءٍ اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً ؕ وَ یُحَذِّرُکُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ؕ وَ اِلَى اللّٰهِ الْمَصِیْرُ ﴿۲۸﴾ (سورۃ آل عمران:۲۸)

ترجمہ: ''مسلمانوں کو چاہیے کہ کفار کو (ظاہراً یا باطناً) دوست نہ بناویں مسلمانوں (کی دوستی) سے تجاوز کرکے''۔

وَ ادْعُوْا شُهَدَآءَکُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۲۳﴾

(سورۃ البقرۃ:۲۳)

ترجمہ: ''اور بلالواپنے حمایتیوں کو جو خدا سے الگ (تجویز کررکھے) ہیں''۔

اگر دونوں آیتوں میں لفظ ''دون'' کا معنی معلوم کرنا ہو تو پہلے اس کے معنی اصلی کو دیکھا جائے گا پھر معنی ثانی کو پھر معنی ثالث کو۔

چنانچہ کلمۂ ''دون'' کا اصل معنی ہے ایسی جگہ جو دوسری جگہوں کے مقابلہ میں پست ہو اسی سے معمولی اور حقیر شئی کے لیے لفظ ''الدون'' استعمال ہوتا ہے پھر اس کو احوال و مراتب کے تفاوت اور درجہ بندیوں کو بتلانے کے لیے استعمال کیا جانے لگا۔

چنانچہ کہا جاتا ہے ''زید دون عمرو فی العلم و الشرف'' (زید علم اور شرف میں عمرو سے کم درجہ ہے) پھر اس کا استعمال تجاوز حد الی حد (ایک حد پار کرکے دوسرے حد میں داخل ہوجانا) کے معنی میں ہونے لگا۔

پس آیت اولیٰ کا مطلب ہوگا ''لا تتجاوز ولایة المؤمنین إلی ولایة الکافرین'' مومنین کی ولایت تجاوز کرکے کافرین کی ولایت میں داخل نہیں ہوسکتی۔

اور آیت ثانیہ کا مطلب ہوگا:

تجاوزوا اللہ فی دعائکم الی دعاہ الھتکم الذین تزعمون انھم یشھدون لکم إلی یوم القیامۃ۔

قرآن کا چیلنج قبول کرنے کے لیے اللہ سے تجاوز کر کے اپنے ان معبودان کو بلالو جن کے متعلق تمہارا عقیدہ ہے کہ وہ بروز قیامت تمہارے سفارشی ہوں گے۔

مثال برطریقہ سادسہ:

(شان نزول کی معرفت)

وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۚ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝ (سورۃ البقرۃ:۱۱۵)

ترجمہ: ''اور اللہ کی مملوک ہیں (سب سمتیں) مشرق بھی اور مغرب بھی کیونکہ تم لوگ جس طرف منہ کرو ادھر (ہی) اللہ تعالیٰ کا رخ ہے''۔

اس کے ظاہر سے مفہوم ہوتا ہے کہ استقبال قبلہ کی ضرورت نہیں جس سمت رخ کرلیا جائے نماز ہوجائے گی، مگر شانِ نزول سے یہ اشکال رفع ہوجاتا ہے وہ یہ کہ یہ آیت سفر میں نفل نماز کے متعلق نازل ہوئی ہے۔

دوسرا شان نزول یہ ذکر کیا جاتا ہے کہ یہ آیت یہودیوں کی تحویل قبلہ کے متعلق نکتہ چینیوں کے جواب میں نازل ہوئی ہے یا اس شخص کے بارے میں وارد ہے جس کو جہت قبلہ معلوم نہ ہو اور وہ تحری کرے اور اس میں خطا کر جائے۔

مثال برطریقہ سابعہ:

(احتراز از متعارض)

وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَاۗفَّةً ۭ فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ

مِّنْهُمْ طَآىِٕفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ۝ (سورۃ التوبہ:۱۲۲)

ترجمہ: ''اور (ہمیشہ کے لیے) مسلمانوں کو یہ (بھی) نہ چاہیے کہ (جہاد کے واسطے) سب کے سب (ہی) نکل کھڑے ہوں سو ایسا کیوں نہ کیا جائے کہ ان کی ہر ہر بڑی جماعت میں سے ایک چھوٹی جماعت (جہاد میں) جایا کرے تا کہ (یہ) باقی ماندہ لوگ دین کی سمجھ بوجھ حاصل کرتے رہیں''۔

اس آیت کے دو معنی بیان کیے گئے ہیں۔

اول یہ کہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ تمام جماعتیں مومنین کی ایک ساتھ اپنے اپنے علاقوں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دین سیکھنے کے لیے نہ آئیں بلکہ ان میں سے ایک جماعت آئے اور علم دین سیکھ کر غیر حاضرین کو بتلادے تا کہ نظام زندگی برقرار رہے۔

دوسری تفسیر یہ کی گئی ہے کہ یہاں ''لینفروا'' سے نفیر غزوہ مراد ہے یعنی تمام مومنین ایک ساتھ آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوہ کے لیے نہ نکلیں بلکہ بعض اپنے علاقوں میں رکے رہیں اور نکلنے والی جماعت علم دین کا جو حصہ غزوہ میں سیکھے وہ آخر ان لوگوں کو بتادے جو شریک نہ ہو سکے تھے۔

آیت کی تفسیر دونوں طرح سے کی گئی ہے مگر پہلی تفسیر راجح اور اقرب ہے۔ کیونکہ اس میں کسی آیت سے معارضہ لازم نہیں آتا جبکہ دوسری تفسیر کا دو آیتوں سے معارضہ ہورہا ہے وہ آیتیں یہ ہیں:

مَا كَانَ لِاَهْلِ الْمَدِيْنَةِ وَمَنْ حَوْلَهُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ اَنْ يَّتَخَلَّفُوْا عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ وَلَا يَرْغَبُوْا بِاَنْفُسِهِمْ عَنْ نَّفْسِهٖ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ لَا يُصِيْبُهُمْ ظَمَاٌ وَّلَا نَصَبٌ وَّلَا مَخْمَصَةٌ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَطَـُٔوْنَ مَوْطِئًا يَّغِيْظُ الْكُفَّارَ وَلَا يَنَالُوْنَ مِنْ عَدُوٍّ نَّيْلًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ

بِهٖ عَمَلٌ صَالِحٌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۲۰﴾

(سورۃ التوبۃ:۱۲۰)

ترجمہ: ''مدینے کے رہنے والوں کو اور جو دیہاتی ان کے گرد و پیش (رہتے) ہیں ان کو یہ زیبا نہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ نہ دیں''۔

اور دوسری آیت ہے:

''فَانْفِرُوْا ثُبَاتٍ اَوِ انْفِرُوْا جَمِيْعًا ﴿۷۱﴾ (سورۃ النساء:۷۱)

ترجمہ: پھر متفرق طور پر یا مجتمع طور پر نکلو''۔

علامہ بدر الدین زرکشی نے ''البرہان'' میں اسی قاعدہ کو اس طرح بیان فرمایا ہے

''و إذا تعارض محملان يلزم من أحدهما معارضته و لا يلزم من الآخر فالثاني أولى''۔ (البرہان: ج ۲ ص ر ۲۰۴ دار احیاء الکتب العربیۃ)

یعنی کسی آیت کے دو محمل ہوں ایک پر تعارض لازم آتا ہے اور دوسرا تعارض سے پاک ہے تو دوسرے پر محمول کرنا اولیٰ ہوگا۔

قاعدہ نمبر (۹۲)

''سَبِيْلُ الْمَنْدُوْبَاتِ الْاِتْيَانُ بِالْمَصْدَرِ مَنْصُوْبًا''۔

(الاتقان فی علوم القرآن ج ر ۱ ص ۴۰۲ قدیمی کتب خانہ کراچی، الکلیات لابی البقاء ج ر ۱ ص ۱۰۱۴ مؤسسۃ الرسالۃ، المحرر الوجیز فی تفسیر الکتاب العزیز ج ر ۱ ص ۲۴۶ دار الکتب العلمیۃ)

حاصل قاعدہ:

مصدر کو مرفوعاً ذکر کرنے سے وجوب مستفاد ہوتا ہے، اور منصوب ذکر کرنے سے استحباب۔

تشریح:

اس قاعدہ کی علت یہ ہے کہ مصدر مرفوع مبتدا و خبر جملہ اسمیہ کی ترکیب پر مشتمل ہوتا ہے، اور مصدر منصوب فعل فاعل یعنی جملہ فعلیہ پر اور جملہ اسمیہ جملہ فعلیہ کے مقابلہ میں

زیادہ موکد ہوتا ہے، اس لیے اس میں وجوب کا معنی پیدا ہوجاتا ہے۔

مثال: ''فَقَالُوْا سَلٰمًا ؕ قَالَ سَلٰمٌ ۚ قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ ۝ ''

(سورۃ ذاریات:۲۵)

ترجمہ: ''اس میں پہلا سلام جو منصوب ہے ملائکہ کا سلام ہے، انہوں نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوکر ابتداءً پہل کر کے پیش کیا تھا جو مستحب تھا، اور دوسرا سلام جو مرفوع ہے ابراہیم علیہ السلام کی طرف سے جوابی سلام ہے جو واجب تھا۔

دیگر امثلہ

(۱) فَمَنْ عُفِيَ لَهٗ مِنْ اَخِيْهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ

(سورۃ البقرۃ:۱۷۸)

(۲) فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ سَرِّحُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ

(سورۃ البقرۃ:۲۲۹)

(۳) وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا ۚۖ وَّصِيَّةً لِّاَزْوَاجِهِمْ۔

(سورۃ البقرۃ:۲۴۰)

قاعدہ نمبر (۹۳)

صِيغَةُ التَفضِيلِ قَدْ تُطْلَقُ فِي الْقُرآنِ وَ اللُّغَةِ مُراداً بِهَا الاِتِّصَافُ لاَ تَفضِيلَ شيْئٍ عَلى شيْئٍ۔

(اضواء البیان فی ایضاح القرآن بالقرآن ج ۶ ص ۲۹۵ عالم الکتب)

حاصل قاعدہ:

اسم تفضیل سے مقصود کبھی کبھی صرف اتصاف شیٔ بشیٔ کو بتلانا ہوتا ہے نہ کہ تفضیل شیٔ علی شیٔ۔

تشریح:

اسم تفضیل کا صیغہ اصلاً وضع کیا گیا ہے کسی وصف میں مشترک دو چیزوں میں سے ایک کی افضلیت کو بتلانے کے لیے یہ وصف تو دونوں میں ہے مگر ان میں سے ایک میں یہ وصف زیادہ پایا جاتا ہے۔ جیسے ''زید اعلم من عمرو'' میں یہ بتلانا مقصود ہے کہ زید اور عمرو دونوں وصف علم کے ساتھ متصف ہیں مگر زید میں یہ وصف زیادہ پایا جاتا ہے مگر کبھی کبھی اسم تفضیل کے صیغہ سے یہ زیادتی بتلانا مقصود نہیں ہوتی بلکہ صرف اس وصف کا پایا جانا بتلانا مقصود ہوتا ہے۔

مثال: قَالَ رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَيَّ مِمَّا يَدْعُوْنَنِيْۤ اِلَيْهِ ۚ وَ اِلَّا تَصْرِفْ عَنِّيْ كَيْدَهُنَّ اَصْبُ اِلَيْهِنَّ وَ اَكُنْ مِّنَ الْجٰهِلِيْنَ۝۳۳

(سورۃ یوسف: ۳۳)

ترجمہ: ''(یوسف علیہ السلام نے) دعا کی کہ اے میرے رب جس کام کی طرف یہ عورتیں مجھ کو بلا رہی ہیں اس سے تو جیل میں جانا ہی مجھ کو زیادہ پسند ہے''۔

اس میں ''احب'' اسم تفضیل کا صیغہ ہے یعنی صرف یہ بتلانا مقصود ہے کہ زلیخا کی دعوت کے مقابلے میں مجھے جیل خانہ محبوب ہے یہ مقصود نہیں ہے کہ جیل خانہ اور دعوت زلیخا دونوں محبوب ہیں لیکن جیل خانہ زیادہ محبوب ہے۔

کبھی کبھی اسم تفضیل کا صیغہ دونوں سے اس وصف کی نفی کرنے کے لیے آتا ہے جیسے کہا جاتا ہے الشیطان خیر من فلان (شیطان فلاں سے بہتر ہے) مراد یہ ہے کہ دونوں میں سے کسی کے اندر بھی خیر نہیں ہے، قرآن پاک میں اس کی مثال یہ آیت ہے ''اھم خیر ام قوم تبع'' ھم ضمیر کا مرجع بنو اسرائیل ہیں مطلب یہ ہے کہ بنو اسرائیل اور قوم تبع (ان دونوں) میں سے کسی میں بھی خیر نہیں ہے حدیث پاک میں اس کی مثال ''نحن احق بالشک من ابراھیم'' ہے اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی قدرت احیاء کی کیفیت کو معلوم کرنے کے

لیے جو (رَبِّ اَرِنِیْ کَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰی)۔ (سورۃ البقرۃ:۲۶۰)

(یعنی اے میرے رب مجھے دکھلا دے کہ آپ مردوں کو کس کیفیت سے زندہ کریں گے)

کہا تھا یہ شک کی بنیاد پر نہیں تھا ورنہ تو پھر ہم شک کرنے کے زیادہ قابل ہیں اور ظاہر ہے کہ ہمارے اندر شک نہیں تو حضرت ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام میں بدرجہ اولیٰ یہ شک نہیں۔

حاصل گفتگو یہ کہ یہاں اسم تفضیل احق سے مقصود دونوں حضرات سے شک کی نفی کرنا ہے کہ دونوں میں سے کسی میں شک نہیں ہے۔

دیگر امثلہ

(۱) اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ یَوْمَئِذٍ خَیْرٌ مُّسْتَقَرًّا وَّ اَحْسَنُ مَقِیْلًا ﴿۲۴﴾

(سورۃ فرقان:۲۴)

ترجمہ: "البتہ اہل جنت اس روز قیام گاہ میں بھی اچھے اور آرام گاہ میں بھی خوب اچھے ہوں گے"۔

(۲) اَذٰلِكَ خَیْرٌ نُّزُلًا اَمْ شَجَرَةُ الزَّقُّوْمِ ﴿۶۲﴾ (سورۃ صفت:۶۲)

(۳) اَذٰلِكَ خَیْرٌ اَمْ جَنَّةُ الْخُلْدِ الَّتِیْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ؕ كَانَتْ لَهُمْ جَزَآءً وَّ مَصِیْرًا ﴿۱۵﴾ (سورۃ فرقان:۱۵)

ترجمہ: "کیا یہ (مصیبت کی حالت) اچھی ہے یا وہ ہمیشہ رہنے کی جنت جس کا خدا سے ڈرنے والوں سے وعدہ کیا گیا"۔

قاعدہ نمبر (۹۴)

صِیغَةُ الْمُضَارِعِ بَعْدَ لَفْظَةِ "كَانَ" تَدُلُّ عَلٰى كَثْرَةِ التَّكْرَارِ وَ الْمُدَاوَمَةِ عَلٰى ذٰلِكَ الْفِعْلِ۔

حاصل قاعدہ:

فعل مضارع پر "کان" کا دخول اس فعل کی کثرت تکرار اور مداومت پر دلالت کرتا ہے۔

اس قاعدے کو علامہ محمد امین شنقیطی متوفی ۱۳۹۳ھ نے ان الفاظ میں نقل کیا ہے:

"لإن المقرر في الأصول: أن الفعل المضارع بعد لفظة "كان" يدل على المداومة على ذلك الفعل، فقول عائشة في رواية مسلم هذه "إن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يغسل" تدل على كثرة وقوع ذلك منه ومداومته عليه"۔

(اضواء البیان فی ایضاح القرآن بالقرآن ج ر ۳ ص ر ۲۹)

مثال: وَ كَانَ يَاْمُرُ اَهْلَهٗ بِالصَّلٰوةِ وَ الزَّكٰوةِ ۪ وَ كَانَ عِنْدَ رَبِّهٖ مَرْضِيًّا۝۵۵ (سورۃ مریم:۵۵)

ترجمہ: "اور وہ اپنے متعلقین کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم کرتے رہتے تھے"۔

تطبیق: "یامر" فعل مضارع پر "کان" کا دخول "امر بالصلوٰۃ والزکوٰۃ" کی کثرت پر دال ہے۔

دیگر امثلہ

(۱) اِنَّهُمْ كَانُوْا يُسٰرِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ وَ يَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّ رَهَبًا ؕ وَ كَانُوْا لَنَا خٰشِعِيْنَ۝۹۰ (سورۃ انبیاء:۹۰)

ترجمہ: "یہ سب نیک کاموں میں دوڑتے تھے"۔

(۲) وَ دَمَّرْنَا مَا كَانَ يَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَ قَوْمُهٗ وَ مَا كَانُوْا يَعْرِشُوْنَ۝ (سورۃ الاعراف:۱۳۷)

ترجمہ: "اور ہم نے فرعون کو اور اس کی قوم کے ساختہ پرداختہ کارخانوں کو اور جو کچھ وہ اونچی اونچی عمارتیں بنواتے تھے سب کو درہم برہم کر دیا"۔

(۳) تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَصُدُّوْنَا عَمَّا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا فَاْتُوْنَا

بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ⑩ (سورۃ ابراہیم:۱۰)

ترجمہ: ’’تم (یوں) چاہتے ہوں کہ ہمارے آباء (واجداد) جس چیز کی عبادت کرتے تھے (یعنی بت) اس سے ہم کو روک دو‘‘۔

قاعدہ نمبر (۹۵)

ضَمِيْرُ الْغَائِبِ قَدْ يَعُوْدُ عَلٰى غَيْرِ مَلْفُوْظٍ بِهٖ كَالَّذِىْ يُفَسِّرُهُ سِيَاقُ الْكَلَامِ۔

(الکوکب الدری فیما تخرج علی الاصول النحویۃ من القواعد الفقہیۃ ج ۱/ص ۲۰۵ دار عمان اردن)

حاصل قاعدہ:

کبھی غیر مذکور شئی کو ضمیر غائب کا مرجع قرار دیا جاتا ہے بایں وجہ کہ سیاق کلام اس پر دال ہوتا ہے۔

امثلہ مع تطبیق:

(۱) كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ۚ ㉖ (سورۂ رحمن:۲۶)

’’علیھا‘‘ کی ضمیر ’’ارض‘‘ کی طرف راجع ہے جو ماقبل میں مذکور نہیں ہے مگر سیاق کلام میں ظاہر ہے۔

(۲) حَتّٰى تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ ۫ ㉜ (سورۂ ص:۳۲)

’’توارت‘‘ میں ’’ھی‘‘ ضمیر ’’شمس‘‘ کی جانب راجع ہے جو مذکور نہیں ہے۔

(۳) كَلَّآ اِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِيَ ۙ ㉖ (سورۂ القیامۃ:۲۶)

’’بلغت‘‘ میں ’’ھی‘‘ ضمیر نفس وروح کی جانبب راجع ہے جو مذکور نہیں ہے۔

قاعدہ نمبر (۹۶)

عَطْفُ الْجُمْلَةِ الْاِسْمِيَّةِ عَلَى الْفِعْلِيَّةِ يُفِيْدُ الدَّوَامَ وَ الثَّبَاتَ۔

حاصل قاعدہ:

جملہ فعلیہ پر جملہ اسمیہ کا عطف دوام وثبات کا فائدہ دیتا ہے۔

علامہ محمد بن علی الشوکانی متوفی ۱۲۵۰ھ فرماتے ہیں:

"و ھذہ الجملة الإسمية معطوفة على الجملة اللتى قبلها و المجئ بها إسمية عقب تلك الفعلية للدلالة على الدوام و الثبات"۔

(فتح القدیر ج ۱ ص ۱۲۲ دار الفکر)

تشریح:

اسم چونکہ کہ ثبوت و دوام پر دال ہوتا ہے اور فعل حدوث وتجدد پر یہی ضابطہ جملوں کے درمیان بھی ہے یعنی جملۂ اسمیہ دوام و ثبات پر دال ہوتا ہے اور جملۂ فعلیہ حدوث وتجدد پر دلالت کرتا ہے لیکن اگر جملۂ فعلیہ پر عطف کر کے جملۂ اسمیہ کو ذکر کیا جائے تو اسمیہ اور فعلیہ دونوں جملے دوام وثبات پر دال ہوتے ہیں۔

تطبیق مثال:

قُلْ لَّآ اَتَّبِعُ اَهْوَآءَكُمْ ۙ قَدْ ضَلَلْتُ اِذًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ ﴿٥٦﴾

(سورۃ الانعام: ۵٦)

ترجمہ: "آپ کہہ دیجیے کہ میں تمہارے خیالات کی اتباع نہ کروں گا کیونکہ اس حالت میں تو میں بے راہ ہو جاؤں گا اور راہ پر چلنے والوں میں نہ رہوں گا"۔

یہاں قد ضللت جملۂ فعلیہ ہے اس کا مقتضایہ ہے کہ حدوث وتجدد پر دال ہو مگر چونکہ اس پر جملۂ اسمیہ "و ما انا من المھتدین" کا عطف کیا گیا ہے اس لحاظ سے دونوں جملے دوام وثبات پر دال ہیں پس آیت کا مفہوم یہ ہوا کہ "اگر میں کفار کی خواہشات کی اتباع کروں تو میں ہمیشہ کے لیے ضلال کا شکار اور ہدایت سے دور رہوں گا۔"

قاعدہ نمبر (۹۷)

عَطْفُ الْخَاصِ عَلیٰ الْعَامِ التَنْبِیه عَلیٰ فَضْلِه حَتّٰی کَاَنَّهٗ لَیْسَ مِنْ جِنْسِ الْعَامِ تَنْزِیلاً لِلتَغَایُر، فِیْ الْوَصْفِ مَنْزِلَةَ التَغَایُرِ فِیْ الذَّاتِ۔

(الاتقان فی علوم القرآن ج ۲ ص ۱۹۱ دار الفکر، روح المعانی ج ۱ ص ۳۳۴ دار احیاء التراث العربی، فتح القدیر للشوکانی ج ۱ ص ۱۱۷ دار الفکر تفسیر ابوالسعود ج ۱ ص ۱۳۴ دار احیاء التراث العربی)

حاصل قاعدہ:

خاص کا عطف عام پر خاص کی اہمیت وفضیلت پر دال ہوتا ہے۔ بایں طور پر کہ تغایر وصفی تغایر ذاتی کے قائم مقام ہوجاتا ہے جس سے اشارہ ہوتا ہے کہ گویا یہ فرد خاص عام کے افراد کے تحت داخل ہی نہیں تھا۔

تشریح:

قاعدہ کا حاصل یہ ہے کہ عام کے بعد خاص کو بذریعۂ عطف ذکر کیا جائے تو اس سے خاص کا مہتم بالشان اور افضل ہونا معلوم ہوتا ہے، کیونکہ عام کے ذکر میں خاص اگرچہ داخل تھا مگر چونکہ خاص میں عام کے دیگر افراد کے مقابلہ میں ایک زائد وصف پایا جاتا ہے جس سے بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ گویا عام کے افراد میں شامل ہی نہیں تھا اس لیے اس کو علیحدہ مستقلاً عطف کی شکل میں ذکر کردیا جاتا ہے جس سے اس کی اہمیت بھی ظاہر ہوتی ہے۔

تطبیق مثال:

حٰفِظُوْا عَلَی الصَّلَوٰتِ وَ الصَّلٰوةِ الْوُسْطٰی ۚ وَ قُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِیْنَ ﴿۲۳۸﴾

(سورۃ البقرۃ: ۲۳۸)

ترجمہ: ''محافظت کرو سب نمازوں کی اور درمیان والی نماز کی''۔

صلوات میں صلاۃ وسطی داخل تھی مگر اس کا انفراداً ذکر اس کی اہمیت وفضیلت پر دال ہے۔

دیگر امثلہ

(۱) مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِلّٰهِ وَ مَلٰٓئِكَتِهٖ وَ رُسُلِهٖ وَ جِبْرِيْلَ وَ مِيْكٰلَ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ ۝ (سورۃ البقرۃ:۹۸)

ترجمہ: ''جو شخص خدا تعالیٰ کا دشمن ہو اور فرشتوں کا اور پیغمبروں کا اور جبریل کا اور میکائیل کا''۔

ملائکہ کے ذکر کے بعد جبرئیل اور میکائیل کا ذکر ان کی فضیلت پر دال ہے۔

(۲) وَ الَّذِيْنَ يُمَسِّكُوْنَ بِالْكِتٰبِ وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ ؕ اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ الْمُصْلِحِيْنَ ۝ (سورۃ الاعراف:۱۷۰)

ترجمہ: ''اور جو لوگ کتاب کے پابند ہیں اور نماز کی پابندی کرتے ہیں ہم ایسے لوگوں کا جو اپنی اصلاح کریں ثواب ضائع نہ کریں گے''۔

اقامت صلاۃ تمسک بالکتاب کے تحت داخل تھا مگر استقلالاً اس کا ذکر نماز کی اہمیت وفضیلت کی دلیل ہے''۔

(۳) فِيْهِمَا فَاكِهَةٌ وَّ نَخْلٌ وَّ رُمَّانٌ ۝ (سورۃ الرحمن:۶۸)

ترجمہ: ''ان دونوں باغوں میں میوے اور کھجوریں اور انار ہوں گے''۔

نحل و رمان ''فاکھہ'' میں داخل ہیں مگر استقلالاً ذکر ان کے اعلی و افضل ہونے پر دال ہے۔

(۴) وَ مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝ (سورۃ النساء:۱۱۰)

ترجمہ: ''اور جو شخص کوئی برائی کرے یا اپنی جان کا ضرر کرے''۔

عمل سوء کے تحت ظلم نفس داخل تھا مگر اس کے عظیم ہونے کے بتلانے کے لیے انفراداً ذکر کیا گیا ہے۔

قاعدہ نمبر (۹۸)

عَطْفُ الْعَامِ عَلَى الْخَاصِ يَدُلُّ عَلَى التَّعْمِيمِ وَعَلَى اَهَمِيَّةِ الْاَوَّلِ۔

حاصل قاعدہ:

خاص پر عام کا عطف تعمیم اور خاص کی اہمیت شان پر دال ہوتا ہے۔
علامہ ابن عاشور متوفی ۱۳۹۳ھ فرماتے ہیں:
"عطف العام على الخاص للتعميم بعد ذكر الخاص اهتمامابه"۔
(التحریر والتنویر ج ۸ ص ۱۹۳ مکتبہ الدار التونسیہ للنشر)

تشریح:

خاص چونکہ عام کا جزو ہوتا ہے اس لیے خاص کے بعد عام کا ذکر مشیر ہوتا ہے کہ تعمیم افراد ملحوظ ہے مگر خاص کا ذکر چونکہ عام کے شمول کے باوجود استقلالاً ہو رہا ہے اس لیے اس سے اس کی اہمیت شان کا پتہ چلتا ہے۔

تطبیق مثال:

قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ وَ نُسُكِيْ وَ مَحْيَايَ وَ مَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۶۲﴾ لَا شَرِيْكَ لَهٗ ۚ وَ بِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَ اَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۱۶۳﴾ (سورۃ الانعام: ۱۶۲)

"نسک" کی تفسیر عبادت سے کی گئی ہے اور "صلاۃ" اس کا ایک فرد ہے مگر اس کے باوجود اس کو استقلالاً ذکر کیا گیا یہ نماز کی عظمت شان پر دال ہے۔

دیگر امثلہ

(۱) فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰىهُ وَ جِبْرِيْلُ وَ صَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ وَ الْمَلٰٓئِكَةُ

بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِيْرٌ ۝ (سورۃ التحریم: ۴)

ترجمہ: ''(یاد رکھو کہ) پیغمبر کا رفیق اللہ ہے اور جبریل ہے اور نیک مسلمان ہیں اور (ان کے علاوہ) فرشتے (آپ کے) مددگار ہیں''۔

ملائکہ میں جبریل شامل ہیں مگر اس کے باوجود ان کا انفراداً ذکر ان کے عظمت شان پر دال ہے۔

(۲) قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اَمَّنْ يَّمْلِكُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَمَنْ يُّخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ يُّدَبِّرُ الْاَمْرَ ؕ فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ ۚ فَقُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ۝ (سورۃ یونس: ۳۱)

ترجمہ: ''آپ ان مشرین سے کہیے کہ (بتلاؤ) وہ کون ہے جو تم کو آسمان اور زمین سے رزق پہنچاتا ہے یا (یہ بتلاؤ) وہ کون ہے جو (تمہارے) کانوں اور آنکھوں پر پورا اختیار رکھتا ہے، اور وہ کون ہے جو جان دار (چیز) کو بے جان (چیز) سے نکالتا ہے اور بے جان (چیز) کو جان دار سے نکالتا ہے اور وہ کون ہے جو تمام کاموں کی تدبیر کرتا ہے (ان سے یہ سوالات کیجیے) سو ضرور وہ جواب میں یہی کہیں گے کہ (ان سب افعال کا فاعل) اللہ ہے تو ان سے کہیے کہ پھر شرک سے کیوں نہیں پرہیز کرتے''۔

یہاں اللہ رب العزت نے اپنے مختلف افعال کا ذکر فرمایا:

''اعطاءِ رزق، ملکِ سمع و بصر، اخراجِ حی من المیت و اخراج میت من الحی'' ان سب کے بعد'' و من یدبر الامر'' ذکر فرمایا جو اللہ عز و جل کے تمام افعال و صفات کو شامل ہے مگر ان سے پہلے مذکور الصدر اشیاء کا انفراداً و استقلالاً ذکر ان کی اہمیت پر دال ہے۔

(۳) يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا وَاعْبُدُوْا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ (سورۃ الحج: ۷۷)

ترجمہ: ''اے ایمان والو! تم رکوع کیا کرو اور سجدہ کیا کرو اور اپنے رب کی عبادت کیا کرو، اور (تم ایسے) نیک کام (بھی) کیا کرو امید ہے کہ تم فلاح پاؤ گے''۔

یہاں عطف العام علی الخاص دو مرتبہ ہے اس طور پر کہ رکوع و سجود یعنی نماز عبادت کا

ایک فرد ہے اور عبادت کا ذکر آگے موجود ہے اس کے باوجود نماز کا استقلالاً ذکر اس کی اہمیت وعظمت پر دال ہے۔ اسی طرح ''اعبدوا ربکم'' کے بعد ''افعلوا الخیر'' وارد ہے جب کہ فعل خیر میں عبادت بھی داخل ہے مگر عبادت کا انفراداً ذکر اس کی عظمت شان کی دلیل ہے۔

قاعدہ نمبر (۹۹)

عِلْمُ الْمُبْهَمَاتِ مَوْقُوْف عَلیَ النَّقْلِ الْمَحْضِ وَلاَ مَجَالَ لِلرَّأیِ فِیهِ۔

(الاتقان فی علوم القرآن ج ۴ ص ۸۴ ۳ دار الفکر، ابجد العلوم ج ۲ ص ۸۷ ۴ دار الکتب العلمیۃ)

حاصل قاعدہ:

مبہمات کے علم کا مدار صرف اور صرف نقل پر ہے رائے اور قیاس کی اس میں بالکل گنجائش نہیں۔

تشریح:

قرآنی مبہمات کی معرفت صرف اور صرف نقل سے ہوسکتی ہے، اس طور پر کہ قرآن ہی اسے متصلا بیان کرے یا کسی ددوسری جگہ بیان کردے یا پھر سنت اور اقوال صحابہ سے اس کی معرفت ہوسکتی ہے کیونکہ نزول قرآن کے وقت وہ موجود تھے اور اس کے اسباب نزول سے واقف تھے۔

البتہ جن مبہمات کے متعلق معلومات اسرائیلیات سے حاصل ہو اور کتاب وسنت میں اس کے صحیح ہونے پر کوئی دلیل نہ ہو تو توقف کیا جائے گا۔

مثال جزء اول:

(یعنی وہ مبہمات جن کا بیان قرآن میں آیا ہو)

مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۝ (سورۃ الفاتحۃ: ۴)

ترجمہ: ''جو مالک ہے روزِ جزا کا''۔

اس کا بیان سورۃ انفطار کی آیت ۱۷ تا ۱۹ میں موجود ہے:

وَ مَآ اَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ الدِّيْنِ ﴿۱۷﴾ ثُمَّ مَآ اَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ الدِّيْنِ ﴿۱۸﴾ يَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَيْـًٔا ؕ وَ الْاَمْرُ يَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ۔

مثال جزو ثانی:

(جن کا بیان سنت میں آیا ہے)

اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰى ﴿۲﴾ (سورۃ عبس: ۲)

آیت میں لفظ اعمیٰ سے مراد سنت نے بیان کر دیا کہ عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ ہیں۔

مثال جزو ثالث:

(جن کا بیان صحابہ سے منقول ہو)

وَ اٰخَرُوْنَ مُرْجَوْنَ لِاَمْرِ اللّٰهِ

یہاں صحابہ کرام کی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آخرون سے مراد ہلال بن امیہ مرارہ بن ربیع اور کعب بن مالک رضی اللہ عنہم ہیں۔

دیگر امثلہ

امثلہ بر جزء اول:

صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ (سورۃ الفاتحۃ: ۶)

یہاں منعم علیہم کی تفسیر خود قرآن نے کی ہے۔

فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَ

الصِّدِّيۡقِيۡنَ وَ الشُّهَدَآءِ وَ الصّٰلِحِيۡنَ ۚ وَ حَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيۡقًا ؕ﴿۶۹﴾

(سورۃ النساء:۶۹)

(۲) وَ اِذۡ قَالَ رَبُّكَ لِلۡمَلٰٓئِكَةِ اِنِّىۡ جَاعِلٌ فِى الۡاَرۡضِ خَلِيۡفَةً ؕ قَالُوۡٓا اَتَجۡعَلُ فِيۡهَا مَنۡ يُّفۡسِدُ فِيۡهَا وَ يَسۡفِكُ الدِّمَآءَ ۚ وَ نَحۡنُ نُسَبِّحُ بِحَمۡدِكَ وَ نُقَدِّسُ لَكَ ؕ قَالَ اِنِّىۡٓ اَعۡلَمُ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۳۰﴾ (سورۃ البقرۃ:۳۰)

ترجمہ: ''اور جس وقت ارشاد فرمایا آپ کے رب نے فرشتوں سے کہ ضرور میں بناؤں گا زمین میں ایک نائب''۔

یہاں سیاق آیت سے خلیفہ کی توضیح ہو جاتی ہے کہ اس سے مراد حضرت آدم علیہ ا ة والسلام ہیں۔

(۳) وَ ذَا النُّوۡنِ اِذۡ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ اَنۡ لَّنۡ نَّقۡدِرَ عَلَيۡهِ فَنَادٰى فِى الظُّلُمٰتِ اَنۡ لَّاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنۡتَ سُبۡحٰنَكَ ۖ اِنِّىۡ كُنۡتُ مِنَ الظّٰلِمِيۡنَ ﴿۸۷﴾ (سورۃ الانبیاء:۸۷)

ترجمہ: ''اور مچھلی والے (پیغمبر یعنی یونس کا تذکرہ کیجیے) وہ اپنی قوم سے (جب کہ وہ ایمان نہ لائے) خفا ہو کر چل دیئے اور انہوں نے یہ سمجھا کہ ہم ان پر (اس چلے جانے میں) کوئی دارو گیر نہ کریں گے''۔

ذوالنون کی مراد ایک دوسری آیت سے واضح ہو جاتی ہے وہ یہ ہے کہ:

وَ اِنَّ يُوۡنُسَ لَمِنَ الۡمُرۡسَلِيۡنَ ﴿۱۳۹﴾ اِذۡ اَبَقَ اِلَى الۡفُلۡكِ الۡمَشۡحُوۡنِ ﴿۱۴۰﴾ فَسَاهَمَ فَكَانَ مِنَ الۡمُدۡحَضِيۡنَ ﴿۱۴۱﴾ فَالۡتَقَمَهُ الۡحُوۡتُ وَ هُوَ مُلِيۡمٌ ﴿۱۴۲﴾

(سورۃ الصافات:۱۴۱،۱۴۲)

(۴) فَقَالَ لَهُمۡ رَسُوۡلُ اللّٰهِ نَاقَةَ اللّٰهِ وَ سُقۡيٰهَا ؕ﴿۱۳﴾ (سورۃ الشمس:۱۳)

یہاں رسول اللہ سے مراد حضرت صالح علیہ ا ة و السلام ہیں کیونکہ سورۃ

اعراف کی آیت میں اس کی وضاحت آئی ہے۔

فَعَقَرُوا النَّاقَةَ وَ عَتَوْا عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ وَ قَالُوْا يٰصٰلِحُ ائْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ۝ (سورۃ الاعراف:۷۷)

امثلہ برجزو ثانی:

(۱) رَبَّنَآ اِنِّیْٓ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِیْ بِوَادٍ غَيْرِ ذِیْ زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ ۙ رَبَّنَا لِيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ فَاجْعَلْ اَفْـِٕدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِیْٓ اِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُوْنَ۝ (سورۃ ابراہیم:۳۷)

ذریۃ کی وضاحت سنت میں آئی ہے کہ اس سے مراد حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں۔

(۲) فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَآ اٰتَيْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَ عَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا۝ (سورۃ الکہف:۶۵)

حدیث شریف میں ہے کہ عبد سے مراد حضرت خضر علیہ الصلوۃ والسلام ہیں۔

امثلہ برجزو ثالث:

(۱) اِنَّ الَّذِيْنَ جَآءُوْ بِالْاِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ ۭ لَا تَحْسَبُوْهُ شَرًّا لَّكُمْ ۭ بَلْ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۭ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ مَّا اكْتَسَبَ مِنَ الْاِثْمِ ۚ وَ الَّذِیْ تَوَلّٰى كِبْرَهٗ مِنْهُمْ لَهٗ عَذَابٌ عَظِيْمٌ۝ (سورۃ النور:۱۱)

عصبہ سے مراد صحابۂ کرام (رضی اللہ عنہم) نے بیان فرمادیا کہ عبداللہ بن ابی بن سلول، مسطح بن اثاثہ، حسان بن ثابت اور حمنہ بنت جحش وغیرہ ہیں۔

(۲) هٰذٰنِ خَصْمٰنِ اخْتَصَمُوْا فِیْ رَبِّهِمْ ۡ فَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا قُطِّعَتْ لَهُمْ ثِيَابٌ مِّنْ نَّارٍ ۭ يُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوْسِهِمُ الْحَمِيْمُ۝ (سورۃ الحج:۱۹)

خصمٰن کی وضاحت صحابہ نے فرمائی کہ اس سے مراد ایک تو حمزہ، عبیدہ اور علی بن

ابی طالب رضی اللہ عنہم کی جماعت ہے اور دوسری جماعت عتبہ، شیبہ اور ولید بن عتبہ کی ہے۔

(۳) وَ اِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِیْٓ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِ اَمْسِكْ عَلَیْكَ زَوْجَكَ وَ اتَّقِ اللّٰهَ وَ تُخْفِیْ فِیْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِیْهِ وَ تَخْشَی النَّاسَ ۚ وَ اللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰىهُ ؕ فَلَمَّا قَضٰی زَیْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا لِكَیْ لَا یَكُوْنَ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ حَرَجٌ فِیْٓ اَزْوَاجِ اَدْعِیَآىِٕهِمْ اِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا ؕ وَ كَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ۝۳۷ (سورۃ الاحزاب: ۳۷)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے فرمایا کہ یہاں زوج سے مراد حضرت ام المؤمنین زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا ہیں۔

قاعدہ نمبر (۱۰۰)

عِنْدَ عَطْفِ صِفَةٍ عَلٰی صِفَةٍ لِمَوْصُوْفٍ وَاحِدٍ فَالْأَفْصَحُ فِیْ كَلَامِ الْعَرَبِ تَرْكُ اِدْخَالِ الْوَاوِ وَ اِذَا اُرِیْدَ بِالْوَصْفِ الثَّانِیْ مَوْصُوْفٌ آخَرُ غَیْرُ الْأَوَّلِ اُدْخِلَتِ الْوَاوُ۔

(تفسیر طبری ج ۸ ص ۳۵۷ موسسۃ الرسالۃ بیروت)

حاصل قاعدہ:

ایک موصوف کی متعدد صفات ذکر کرنا ہو تو افصح یہ ہے کہ واو عاطفہ کو نہ لایا جائے اور اگر دوسری صفت کسی دوسرے موصوف کی ہو تو "واؤ" کا لانا ضروری ہے۔

تطبیق:

مثال بر جزء اول: (ایک موصوف کی متعدد صفات ہوں)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝۱ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝۲ مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ ۝۳ (سورۃ الفاتحۃ: ۱، ۲، ۳)

ترجمہ: ''سب تعریفیں اللہ ہی کو لائق ہیں جو مربی ہیں ہر ہر عالم کے جو بڑے بڑے مہربان نہایت رحم والے ہیں جو مالک ہیں روزِ جزا کے''۔

یہاں ایک ہی موصوف یعنی اللہ رب العزت کی چار صفت کا ذکر ہے''رب العلمین الرحمن الرحیم ملک یوم الدین''اس لیے حرفِ عطف کو ترک کردیا گیا ہے۔

مثال بر جزء ثانی: (متعدد موصوف کی صفات ہوں)

الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ وَ يَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ وَ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ۝ وَ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ رِئَآءَ النَّاسِ وَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ لَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ

(سورۃ النساء: ۳۸،۳۷)

ترجمہ: ''جو کہ بخل کرتے ہوں اور دوسرے لوگوں کو بھی بخل کی تعلیم کرتے ہوں، اور وہ اس چیز کو پوشیدہ رکھتے ہوں جو اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے فضل سے دی ہے، اور ہم نے ایسے ناسپاسوں کے لیے اہانت آمیز سزا تیار کر رکھی ہے اور جو لوگ کہ اپنے مالوں کو لوگوں کے دکھانے کے لیے خرچ کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ پر اور آخری دن پر اعتقاد نہیں رکھتے''۔

یہاں چند صفات کا ذکر ہے جو اگرچہ ساری کی ساری کفار سے ہی متعلق ہیں مگر چونکہ ہر ہر صفت کا تعلق ایک الگ نوع کے کافر سے ہے اس لیے ہر دو صفت کے درمیان واؤ فصل لایا گیا۔

قاعدہ نمبر (۱۰۱)

فِیْ تَفْسِیرِ الْقُرْآنِ بِمُقْتَضَی اللُّغَةِ یُرَاعَی الْمَعْنَی الْأَغْلَب وَ الْأَشْهَرِ وَ الْأَفْصَحِ دُوْنَ الشَّاذِ اَوِ الْقَلِیْلِ۔

حاصل قاعدہ:

مقتضائے لغت کے مطابق قرآن کی تفسیر میں غالب و مشہور اور فصیح معنی کا لحاظ کیا

جائے گا، شواذ اور قلیل الاستعمال معانی سے احتراز کیا جائے گا۔

علامہ ابن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ نے اس قاعدے کو ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا ہے:

”و أما تأويل من تأوّله بمعنى الحبة من النسبلة، و النسبلة من الحبة، و البيضة من الدجاجة، و الدجاجة من البيضة، و المؤمن من الكافر، و الكافر من المؤمن، فإن ذلك و إن كان له وجه مفهوم، فليس ذلك الأغلب الظاهر في استعمال في الناس في الكلام، و توجيه معاني كتاب الله عزو جل إلى الظاهر المستعمل الناس، أولى من توجيهها الى الخفي القليل في الاستعمال“۔

(تفسیر طبری ج/۶ ص/۳۰۹ موسسۃ الرسالۃ بیروت)

تطبیق مثال:

(۱) لَا يَذُوْقُوْنَ فِيْهَا بَرْدًا وَّلَا شَرَابًا (سورۃ نباء: ۲۴)

ترجمہ: ”اور اس میں نہ تو وہ کسی ٹھنڈک (یعنی راحت) کا مزہ چکھیں گے اور نہ پینے کی چیز کا۔“

بعض مفسرین نے ”بردا“ کی تفسیر ”نوم“ سے کی ہے مگر یہ معنی قلیل الاستعمال ہے مشہور معنی اس کا ٹھنڈک ہے۔ لہٰذا اسی معنی پر محمول کیا جائے گا۔

دیگر امثلہ

(۱) تَحْمِلُهُ الْمَلٰٓئِكَةُ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ

(سورۃ البقرۃ: ۲۴۸)

یہ آیت حمل تابوت کے بارے میں ہے جس کی مختصر تشریح یہ ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک صندوق چلا آتا تھا اس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام وغیرہ انبیاء کے تبرکات تھے۔

بنی اسرائیل اس صندوق کو لڑائی میں آگے رکھتے اللہ تعالیٰ اس کی برکت سے فتح

ہوتی جب جالوت بنی اسرائیل پر غالب آیا تو یہ صندوق بھی لے گیا، جب اللہ تعالیٰ کو صندوق کا پہنچانا منظور ہوا تو یہ کیا کہ وہ کافر جہاں صندوق کو رکھتے وہیں وبا اور بلا آتی پانچ شہر ویران ہوگئے ناچار ہو کر دو بیلوں پر اس کو لاد کر ہانک دیا فرشتے بیلوں کو ہانک کر طالوت کے دروازے پر پہنچا گئے، بنی اسرائیل اس نشانی کو دیکھ کر طالوت کی بادشاہت پر یقین لائے اور طالوت نے جالوت پر فوج کشی کر دی اور موسم نہایت گرم تھا۔

بعض مفسرین نے ''تحمل'' کی تفسیر ''تسوق'' سے کی ہے یعنی ملائکہ بذات خود تابوت کو اٹھائے ہوئے نہیں تھے بلکہ دو جانور اسے اٹھائے ہوئے تھے اور ملائکہ انہیں ہانک رہے تھے۔

دیگر مفسرین نے حمل کو اس کے مشہور معنی (بذات خود اٹھانا) پر رکھا ہے قاعدۂ مذکورہ کے مطابق حمل کے مشہور معنی ہی پر محمول کیا جائے گا۔

(۲) وَ تُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَ تُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ۔

(سورۃ البقرۃ:۲۷)

ترجمہ: ''اور آپ جاندار چیز کو بے جان سے نکال لیتے ہیں (جیسے بیضہ سے بچہ) اور بے جان چیز کو جاندار سے نکال لیتے ہیں''۔ (جیسے پرندہ سے بیضہ)

حی اور میت کی مختلف تفسیریں کی گئی ہیں:

اول: یہ کہ حی سے مراد ''جاندار'' اور میت سے مراد ''مراد نطفہ''۔

دوم: یہ کہ حی سے مراد ''پودا'' اور میت سے مراد ''بیج یا گٹھلی''۔

سوم: ''یہ کہ حی سے مراد ''مومن'' اور میت سے مراد ''کافر''۔

مگر پہلا قول راجح ہے کیونکہ دوسرے اور تیسرے قول میں گو حیات و ممات کا مفہوم ہے مگر حقیقی اور مشہور معنی میں نہیں ہے اور قول اول میں حیات و ممات اپنے حقیقی اور مشہور معنی میں مستعمل ہے لہٰذا اس معنی کو دیگر معانی پر تقدیم و ترجیح ہوگی۔

(۳) اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً ؕ وَ يُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ؕ وَ اِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ﴿۲۸﴾ (آل عمران:۲۸)

یہ آیت کفار سے موالات کے متعلق ہے جس میں کفار سے موالات اختیار کرنے کی ممانعت کی گئی ہے مگر ایک استثنائی صورت میں اجازت دی گئی ہے۔ ''الا ان تتقوا منهم تقة الخ'' کے ذریعہ اس کی تفسیر میں دو قول ہیں۔

مشہور قول یہ ہے کہ اتقاء کا تعلق کفار سے ہے یعنی کفار کی جانب سے اگر اذیت و آزمائش کا اندیشہ ہو تو ظاہری موالات کی اجازت ہے البتہ قلبی موالات اس صورت میں بھی ممنوع ہے۔

دوسری تفسیر یہ ہے کہ اتقاء کا تعلق ''اللہ تعالیٰ'' سے ہے یعنی اگر تم کو ان سے قرابت کے متعلق اللہ کا ڈر ہے تو موالات کرو۔

پہلی توجیہ کلام عرب کے اسلوب غالب و شائع کے موافق ہے جب کہ دوسری توجیہ کی بھی گنجائش ہے، مگر چونکہ وہ مشہور اسلوب عرب سے الگ ہے اس لیے پہلی توجیہ راجح ہوگی۔

قاعدہ نمبر (۱۰۲)

قَدْ یَتَجَاذَبُ اللَّفْظَةُ الْوَاحِدَةُ الْمَعْنٰی وَلِاعْرَابَ فَیَتَمَسَّکُ بِصِحَّةِ الْمَعْنٰی وَیُؤَوَّلُ لِصِحَّةِ الْاِعْرَابِ۔

حاصل قاعدہ:

کبھی معنی اور اعراب (نحوی ترکیب) کے مقتضا میں تخالف ہوتا ہے تو وہاں معنی کو اختیار کیا جائے گا اور اعراب کی تصحیح کے لیے کوئی تاویل کر لی جائے گی۔

علامہ بدرالدین زرکشی متوفی ۷۹۴ھ نے اس قاعدہ کو اپنے الفاظ میں یوں بیان کیا:

''قد یتجاذب الإعراب و المعنی الشئی الواحد و کان أبوعلي

الفارسی یلم کثیراً و ذلک أنه یوجد فی الکلام أن المعنی یدعوا إلی أمروالإعراب یمنع منه قالوا و التمسک بصحة المعنی یؤول لصحة الإعراب وذلک کقوله‌تعالی: إنه‌علی رجعه‌لقادر یوم‌تبلی السرائر"۔

(البرھان فی علوم القرآن ج ۱ ص ۳۰۹ دار المعرفۃ بیروت)

علامہ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ نے بھی اس قاعدے کو ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا ہے:

"قد یتجاذب المعنی والإعراب الشئی الواحد بأن یوجد فی الکلام أن المعنی یدعوا إلی امر والإعراب یمنع منه و التمسک به صحة المعنی ویؤول لصحة المعنی الإعراب"۔

(الاتقان فی علوم القرآن ج ۲ ص ۵۳۵ دار الفکر)

تشریح:

بعض مواقع پر ایسا ہوتا ہے کہ اگر لفظ کے معنی پر نظر کی جائے تو ایک مفہوم نکلتا ہے مگر جملہ کی ترکیب اس مفہوم سے اباء کرتی ہے ایسے موقع پر معنی کو اختیار کیا جائے گا کیونکہ وہی اصل ہے اور ترکیب کی کوئی ایسی شکل اختیار کی جائے گی جو اس معنی صحیح کے موافق ہو۔

تطبیق مثال:

اِنَّهٗ عَلٰی رَجۡعِهٖ لَقَادِرٌ ﴿۸﴾ یَوۡمَ تُبۡلَی السَّرَآئِرُ ﴿۹﴾ (سورۃ الطارق: ۸، ۹)

ترجمہ: "(تو اس سے ثابت ہوا کہ) وہ اس کے دوبارہ پیدا کرنے پر ضرور قادر ہے (اور یہ دوبارہ پیدا کرنا اس روز ہوگا) جس روز سب کی قلعی کھل جاوے گی"۔

یہاں جب آیت کے معنی ومراد پر نظر کی جائے تو مطلب یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ

قیامت کے دن انسان کو دوبارہ پیدا کرنے پر قادر ہے اور اس صورت میں ''یوم'' ظرف ہوگا ''رجع'' مصدر کا، مگر اصول عربیت کے اعتبار سے یہ ترکیب درست نہیں، اس لیے کہ اس میں مصدر (رجع) اور اس کے معمول یعنی یوم کے درمیان فصل بالاجنبی ہو رہا ہے لہٰذا قاعدہ مذکورہ کی رو سے معنی کی رعایت کرتے ہوئے اس کو صحیح قرار دیا جاوے گا اور ترکیب میں کوئی مناسب تاویل کرلی جائے گی۔

مثلاً یہ کہ ''یوم تبلی السرائر'' سے پہلے ''رجع'' مصدر کے مناسب کوئی فعل مقدر مان لیا جائے گا اور تقدیر آیت یہ ہوگی

''اِنَّهٗ عَلٰی رَجْعِهٖ لَقَادِرٌ فرجعه یَوْمَ تُبْلَی السَّرَآئِرُ ۝۹''

اب اس صورت میں معنی بھی اپنی جگہ صحیح برقرار رہے گا اور نحوی ترکیبی خلل بھی نہیں آئے گا۔

اشباہ و نظائر

(۱) لَمَقْتُ اللّٰهِ اَكْبَرُ مِنْ مَّقْتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ اِذْ تُدْعَوْنَ اِلَى الْاِیْمَانِ فَتَكْفُرُوْنَ ۝۱۰ (سورۃ غافر:۱۰)

ترجمہ: ''جیسی تم کو (اس وقت) اپنے سے نفرت ہے اس سے بڑھ کر خدا کو (تم سے) نفرت تھی جب کہ تم (دنیا میں) ایمان کی طرف بلائے جاتے تھے پھر تم نہیں مانا کرتے تھے''۔

یہاں معنی کا مقتضا یہ ہے کہ ''اذا'' کو ''مقت'' مصدر سے متعلق کیا جائے، مگر اس ترکیب میں مصدر اور اس کے معمول کے درمیان فصل بالاجنبی لازم آرہا ہے اس لیے معنی کو اسی حالت پر رکھا جائے گا اور ''اذ'' کا متعلق کوئی ایسا فعل مقدر مانیں گے جس پر مصدر دلالت کررہا ہو۔

(۲) اَفَلَا یَعْلَمُ اِذَا بُعْثِرَ مَا فِی الْقُبُوْرِ ۝۹ وَ حُصِّلَ مَا فِی الصُّدُوْرِ ۝۱۰ اِنَّ رَبَّهُمْ بِهِمْ یَوْمَئِذٍ لَّخَبِیْرٌ ۝۱۱ (سورۃ عادیات:۹ تا ۱۱)

ترجمہ: ''کیا اس کو وہ وقت معلوم نہیں جب زندہ کیے جاویں گے جتنے مردے قبروں میں ہیں''۔

اور آشکارا ہو جاوے گا جو کچھ دلوں میں ہے بیشک ان کا پروردگار ان کے حال سے اس روز پورا آگاہ ہوگا۔

یہاں معنی کا تقاضا یہ ہے کہ ''إذا'' کو ''خبیر'' کا ظرف بنایا جائے مگر نحوی ترکیب اس سے اباء کرتی ہے، کیونکہ نحو کا قاعدہ ہے کہ ''إن'' کا مابعد اپنے ماقبل پر عمل نہیں کرتا یہاں ''خبیر'' إن کی خبر ہے اور ''إذا'' اس سے پہلے ہے اس لیے معنی کو درست رکھا جائے گا اور ترکیب کی صحت کے لیے ''إن'' سے پہلے ایک عامل مقدر مان لیا جائے گا۔

قاعدہ نمبر (۱۰۳)

قَدْ یُثَنَّی الضَّمِیْرُ مَعَ کَوْنِہٖ عَائِدًا عَلٰی اَحَدِ الْمَذْکُوْرَیْنِ دُوْنَ الْاٰخَرِ۔

(ماخوذ من کتاب الکلیات لابی البقاء ج۱؍ ص ۵۶۹ موسسۃ الرسالۃ، الاتقان فی علوم القرآن ج۲؍ ص ۵۴۹ دار الفکر)

حاصل قاعدہ:

بسا اوقات ضمیر سے پہلے دو چیزیں مذکور ہوتی ہیں اور مقصود ان میں سے ایک چیز ہی ہوتی ہے مگر ان کی جانب لوٹنے والی ضمیر تثنیہ کی لائی جاتی ہے۔

مثال: (۱) نَسِیَا حُوْتَہُمَا فَاتَّخَذَ سَبِیْلَہٗ فِی الْبَحْرِ سَرَبًا ﴿۶۱﴾
(سورۃ الکہف: ۶۱)

دونوں کلموں میں ضمیر تثنیہ کی لائی گئی ہے جب کہ ناسی صرف ایک شخص (موسیٰ علیہ السلام کا خادم) تھا۔

(۲) فَلَا جُنَاحَ عَلَیْہِمَا فِیْمَا افْتَدَتْ بِہٖ ؕ تِلْکَ حُدُوْدُ اللّٰہِ فَلَا

تَعۡتَدُوۡهَا ۚ وَمَنۡ يَّتَعَدَّ حُدُوۡدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوۡنَ ﴿۲۲۹﴾

(سورۂ بقرۃ:۲۲۹)

ترجمہ:''تو دونوں پر کوئی گناہ نہ ہوگا اس (مال کے لیے دینے) میں جس کو دے کر عورت اپنی جان چھڑا لے''۔

فدیہ دینے والی صرف عورت ہوتی ہے مگر ''علیھما'' میں ضمیر تثنیہ کی لائی گئی۔

قاعدہ نمبر (۱۰۴)

قَدۡ يَجِیءُ الضَّمِيۡرُ مُتَّصِلاً بِشَیءٍ وهُوَ لِغَيۡرِهٖ عَائِدًا عَلٰی مُلَابِسِ مَا هُوَ لَهٗ۔

(الاتقان فی علوم القرآن ج ۲ ص ۵۵۰ دار الفکر، الکلیات لابی البقاء ج ۱ ص ۵۶۹ مؤسسۃ الرسالۃ)

حاصل قاعدہ:

بسا اوقات ضمیر کسی شئ سے متصل آتی ہے مگر اس کا مرجع شئ متصل کا غیر ہوتا ہے یا شئ متصل کے متعلقات میں سے کوئی متعلق ہوتا ہے۔

مثال: (الف) جب کہ مرجع شئ متصل کے علاوہ ہو۔

''وَلَقَدۡ خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ مِنۡ سُلٰلَةٍ مِّنۡ طِيۡنٍ ﴿۱۲﴾ ثُمَّ جَعَلۡنٰهُ نُطۡفَةً فِیۡ قَرَارٍ مَّكِيۡنٍ ﴿۱۳﴾'' (سورہ المؤمنون:۱۲۔۱۳)

ترجمہ:''اور ہم نے انسان کو مٹی کے خلاصہ (یعنی غذا) سے بنایا''۔

یہاں جعلنٰہ نطفۃ میں ''ہ'' ضمیر سے قبل انسان مذکور ہے جس سے مراد آدم علیہ السلام ہیں مگر یہ ''ہ'' ضمیر کا مرجع نہیں ہے بلکہ اس کا مرجع اولاد آدم ہے کیونکہ نطفہ کا تعلق تخلیق آدم سے نہیں بلکہ تخلیق اولاد آدم سے ہے۔

مثال: (ب) جب کہ ضمیر کا مرجع متعلق شئ ہو اِلَّا عَشِيَّةً اَوۡ ضُحٰهَا ﴿۴۶﴾

(سورہ النازعات:۴۶)

ضحٰھا میں ھا کا مرجع ''عیشة'' نہیں بلکہ ''یوم'' ہے۔ جو عشیہ کے متعلقات میں سے ہے اور تقدیر آیت اس طرح ہے ''او ضحی یوم العشیة'' اور اس تقدیر کی ضرورت اس لیے پڑی کہ ضحی سے مراد آفتاب کی چڑھتی ہوئی روشنی ہے اور عشیہ کہتے ہیں شام کے وقت کو اور ظاہر ہے آفتاب کی چڑھتی ہوئی روشنی کا تعلق دن سے ہے نہ کہ شام سے۔

دیگر امثلہ

(۱) لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ ۚ وَاِنْ تَسْـَٔلُوْا عَنْهَا حِيْنَ يُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ تُبْدَ لَكُمْ ؕ عَفَا اللّٰهُ عَنْهَا ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۱۰۱﴾ (سورہ المائدہ:۱۰۱)

ترجمہ: ''اور ایسی فضول باتیں مت پوچھو کہ اگر تم سے ظاہر کر دی جائیں تو تمہاری ناگواری کا سبب ہو''۔

قَدْ سَاَلَهَا قَوْمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ ثُمَّ اَصْبَحُوْا بِهَا كٰفِرِيْنَ ﴿۱۰۲﴾

(سورۃ المائدہ:۱۰۲)

ترجمہ: ''ایسی باتیں تم سے پہلے اور لوگوں نے بھی پوچھی تھیں''۔

سالھا میں ''ھا'' ضمیر کا مرجع اشیاء کے علاوہ دوسری چیز ہے۔

(۲) وَاٰيَةٌ لَّهُمُ الَّيْلُ ۚ نَسْلَخُ مِنْهُ النَّهَارَ فَاِذَا هُمْ مُّظْلِمُوْنَ ﴿۳۷﴾

(سورۃ یٰس:۳۷)

ترجمہ: ''اور ایک نشانی ان لوگوں کے لیے رات ہے کہ ہم اس (رات) پر سے دن کو اتار لیتے ہیں سو یکا یک وہ لوگ اندھیرے میں رہ جاتے ہیں''۔

''فاذا ھم مظلمون'' میں ''ھم'' ضمیر کا مرجع ''لیل و نہار'' کا غیر ہے یعنی کفار مراد ہیں۔

(۳) مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ ؕ هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ جب کہ بعض

مفسرین نے ''ھو'' کا مرجع اللہ کو قرار دیا ہے۔

قاعدہ نمبر (۱۰۵)

قَدْ یَحْتَمِلُ اللَّفظُ عِدَّةَ مَعَانٍ وَ یَکُوْنُ اَحَدُھَا ھُوَ الْغَالِبُ اِسْتِعْمَالاً فِی الْقُرآن فَیُقَدَّمُ۔

حاصل قاعدہ:

جہاں چند معانی کا احتمال ہو تو اس معنی کو اختیار کرنا راجح ہوگا جو قرآن میں کثرت سے مراد لیا گیا ہے۔

تطبیق مع امثلہ

مثال: (۱) وَ مَا یَعْلَمُ تَاْوِیْلَهٗۤ اِلَّا اللّٰهُ۔ (سورۃ آل عمران: ۷)

ترجمہ: ''حالانکہ ان کا صحیح مطلب بجز حق تعالیٰ کے کوئی اور نہیں جانتا۔''

لفظ تاویل قرآن میں دو معنوں میں استعمال ہوا ہے:

اول: التفسیر و ادراک المعنی

(یعنی مراد کو واضح کرنا اور روشن کرنا)۔

دوم: حقیقۃ الامر التی یؤول الیھا

(یعنی کسی شئی کی حقیقت مصداق انجام اور غرض وغایت) مگر دوسرا معنی مراد لینا راجح ہوگا، کیونکہ دوسرے معنی میں استعمال بکثرت ہوا ہے جیسا کہ مندرجہ ذیل آیات سے ظاہر ہوتا ہے۔

(الف) ھٰذَا تَاْوِیْلُ رُءْیَایَ مِنْ قَبْلُ۔ (سورۃ یوسف: ۱۰۰)

ترجمہ: ''یہ ہے میرے خواب کی تعبیر جو پہلے زمانے میں دیکھا تھا''۔

(ب) ھَلْ یَنْظُرُوْنَ اِلَّا تَاْوِیْلَهٗ ؕ یَوْمَ یَاْتِیْ تَاْوِیْلُهٗ یَقُوْلُ

الَّذِيْنَ نَسُوْهُ مِنْ قَبْلُ قَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ۚ فَهَلْ لَّنَا مِنْ شُفَعَآءَ فَيَشْفَعُوْا لَنَآ اَوْ نُرَدُّ فَنَعْمَلَ غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ ۗ قَدْ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَ ضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۵۳﴾ (سورۃ الاعراف:۵۳)

ترجمہ: ''ان لوگوں کو اور کسی بات کا انتظار نہیں صرف اس کے اخیر نتیجہ کا انتظار ہے جس روز اس کا اخیر نتیجہ پیش آئے گا''۔

(ج) بَلْ كَذَّبُوْا بِمَا لَمْ يُحِيْطُوْا بِعِلْمِهٖ وَ لَمَّا يَاْتِهِمْ تَاْوِيْلُهٗ ۗ كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۳۹﴾ (سورۃ یونس:۳۹)

ترجمہ: ''بلکہ ایسے چیز کی تکذیب کرنے لگے جس کو (یعنی اس کے صحیح وسقیم ہونے کو) اپنے احاطۂ علمی میں نہیں لائے اور ہنوز ان کو اس (قرآن کی تکذیب) کا نتیجہ نہیں ملا جو لوگ ان سے پہلے ہوئے ہیں''۔

(د) ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّ اَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ﴿۵۹﴾ (سورۃ النساء:۵۹)

ترجمہ: ''یہ امور سب بہتر ہیں اور ان انجام خوش تر ہے''۔

ان تمام مثالوں میں دوسرا معنی مراد ہے اس لیے دوسرا معنی ہی راجح ہوگا۔

مثال: (۲) وَ الَّيْلِ اِذَا عَسْعَسَ ﴿۱۷﴾ (سورۃ التکویر:۱۷)

ترجمہ: ''اور قسم رات کی جب وہ جانے لگے''۔

آیت کریمہ میں لیل کی طرف **عسعس** کی نسبت کی گئی ہے اور لفظ **عسعس** اقبال و ادبار کے معنی میں مشترک ہے پس آیت مذکورہ میں رات کا آنا اور جانا دونوں کا احتمال ہوگا اور قرآن میں لیل کے لیے اقبال و ادبار (آنے اور جانے) دونوں صفتوں کا استعمال ہوا ہے جیسے وَ الَّيْلِ اِذْ اَدْبَرَ ﴿۳۳﴾ (سورۃ مدثر:۳۳) اس میں ادبار کی صفت وارد

ہے اور وَ الَّيْلِ اِذَا يَغْشٰى ۝ وَ النَّهَارِ اِذَا تَجَلّٰى ۝ (سورۃ اللیل: ۱، ۲) وَ النَّهَارِ اِذَا جَلّٰىهَا ۝ وَ الَّيْلِ اِذَا يَغْشٰىهَا ۝ (سورۃ الشمس: ۴) وَ الضُّحٰى ۝ وَ الَّيْلِ اِذَا سَجٰى ۝ (سورۃ الضحیٰ: ۱، ۲) ان آیتوں میں لیل کے لیے اقبال کی صفت آئی ہے۔

ان آیات سے معلوم ہوا کہ اقبال لیل کی قسم ادبار لیل کے مقابلہ میں زیادہ وارد ہوئی ہے اس لیے ''عسعس'' میں اقبال کا معنی راجح ہوگا۔

مثال: (۳) كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَ رُسُلِيْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ ۝ (سورۃ المجادلۃ: ۲۱)

ترجمہ: ''اور اللہ تعالیٰ نے یہ بات (اپنے حکم ازلی میں) لکھ دی ہے کہ میں اور میرے پیغمبر غالب رہیں گے''۔

غلبہ دو معنوں میں مستعمل ہے غلبۂ لسان، غلبۂ سنان اور دونوں معنی یہاں درست ہیں مگر غلبۂ سنانی کے لیے اس کا استعمال قرآن میں زیادہ ہوا ہے مثلاً:

(الف) كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةًۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَ اللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۝ (سورۃ البقرۃ: ۲۴۹)

ترجمہ: ''بہت سی چھوٹی چھوٹی جماعتیں بڑی بڑی جماعتوں پر خدا کے حکم سے غالب آ گئی ہیں''۔

(ب) وَ مَنْ يُّقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيُقْتَلْ اَوْ يَغْلِبْ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝ (سورۃ النساء: ۷۴)

ترجمہ: ''اور جو شخص اللہ کی راہ میں لڑے گا پھر خواہ جان سے مارا جاوے یا غالب آ جاوے''۔

(ج) اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ يَغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ وَ اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ يَّغْلِبُوْۤا اَلْفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا

يَفْقَهُوْنَ ﴿٦٥﴾ (سورۃ الانفال:٦٥)

ترجمہ:"اور (اسی طرح) اگر تم میں کے سو آدمی ہوں گے تو ایک ہزار کفار پر غالب آجاویں گے"۔

پس قاعدۂ ہذا کی رو سے غلبۂ سنانی والے معنی کو ترجیح ہوگی۔

قاعدہ نمبر (۱۰۶)

قَدْ يَخْتَلِفُ اللَّفْظَانِ الْمُعَبَّرُ بِهِمَا عَنِ الشَّيْءِ الْوَاحِدِ فَيَسْتَمْلِحُ ذِكْرُهُمَا عَلٰى وَجْهِ التَّاكِيْدِ۔

حاصل قاعدہ:

کبھی ایک ہی شئ کو دو مختلف لفظوں سے تعبیر کردیا جاتا ہے تاکید و تحسین کی غرض سے۔

علامہ ابوالفضل عمر بن مسعود نے شعر میں اسی قاعدے کو نقل کیا ہے:

قد يختلف لفظان حقا عبرا عن واحد يستملح ان يذكرا

ذكرا على وجه من التاكيد و العلم فى هذا لذى التجويد

(نشر العبیر فی منظومۃ قواعد التفسیر ج/۱ص۸۹)

تشریح:

بلاغت کا یہ بہت اہم قاعدہ ہے اہل عرب کہتے ہیں سحقًا و بعدًا حلال وطیب۔ قرآن کریم میں بھی اس کا استعمال ہوا ہے اس طرح کی تعبیر اپنے اندر تاکید کے ساتھ تاسیس کا معنی بھی لیے ہوئے رہتی ہے اس لیے کہ ہر لفظ دوسرے لفظ سے ایسا زائد معنی رکھتا ہے جس کو اول شامل نہیں ہوتا۔

مثال: فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ﴿٣٠﴾ (سورۃ الحجر:۳۰)

ترجمہ:"سو سارے کے سارے فرشتوں نے سجدہ کیا"۔

اس آیت میں ''کلھم'' سے ملائکہ کے تمام افراد کا استغراق معلوم ہوا اور ''اجمعون'' سے یہ معلوم ہوا کہ ان ملائکہ کا سجدہ ایک ساتھ مل کر ہوا تھا۔

دیگر امثلہ

(۱) وَغَرَابِيْبُ سُوْدٌ ﴿۲۷﴾ (سورۃ فاطر:۲۷)

ترجمہ: ''اور بہت گہرے سیاہ''۔

(۲) وَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ ﴿۸۰﴾ (سورۃ النمل:۸۰)

ترجمہ: ''وہ پیٹھ پھیر کر چل دیں''۔

(۳) وَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ○ (سورۃ التوبۃ:۷۶)

ترجمہ: ''اور (اطاعت سے) روگردانی کرنے لگے''۔

قاعدہ نمبر (۱۰۷)

قَدْ يُذْكَرُ شَيْئَانِ وَيَعُوْدُ الضَّمِيْرُ عَلٰى اَحَدِهِمَا اِكْتِفَاءً بِذِكْرِهٖ عَنِ الْآخَرِ مَعَ كَوْنِ الْجَمِيْعِ مَقْصُوْدًا۔

حاصل قاعدہ:

بسا اوقات ضمیر سے پہلے دو چیزیں مذکور ہوتی ہیں مگر ضمیر کسی ایک ہی چیز کی جانب لوٹائی جاتی ہے، جب کہ اس ضمیر سے دونوں چیزوں کا اشارہ مقصود ہوتا ہے۔

ماجاء في التنزيل عقيب اسمين كني عن أحدهما اكتفاء بذكره عن صاحبه و قد ذكر ذلك سيبويه في الكتاب، و احتج بابيات، و ربما أسوقها لك بعد البداية بآي التنزيل فمن ذلك قوله تعالى واستعينوا بالصبر و الصلاة و إنها لكبيرة، و لم يقل و إنهما اكتفاء بذكر الصلاة عن ذكر الصبر۔ (اعراب القرآن للزجاج ج۱ص ۱۳۵)

تشریح:

یہاں کل چار صورتیں ہیں لیکن قاعدۂ مذکورہ کا تعلق صرف چوتھی صورت سے ہے۔

اول: دونوں چیزوں کو مرجع بناتے ہوئے ضمیر تثنیہ کی لائی جائے۔

مثال: ''الف'' اِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا اَوْ فَقِيْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا ۫ فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰٓى اَنْ تَعْدِلُوْا ۚ وَ اِنْ تَلْوٗٓا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ۝ (سورۃ النساء:۱۳۵)

ترجمہ: ''وہ شخص اگر امیر ہے تو اور غریب ہے تو دونوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو زیادہ تعلق ہے۔

''ب'' كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا ؕ وَ جَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ ؕ اَفَلَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ (سورۃ انبیاء:۳۰)

''ج'' وَّ خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَ بَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّ نِسَآءً ۚ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَ الْاَرْحَامَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا ۝ (سورۃ النساء:۱)

ترجمہ: ''اس جاندار سے اس کا جوڑ پیدا کیا اور ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلائیں''۔

دوم: مرجع اول المذکورین کو بنایا جائے اور ضمیر مفرد لائی جائے۔

مثال: وَ اِذَا رَاَوْا تِجَارَةً اَوْ لَهْوَا انْفَضُّوْٓا اِلَيْهَا وَ تَرَكُوْكَ قَآئِمًا ؕ قُلْ مَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ مِّنَ اللَّهْوِ وَ مِنَ التِّجَارَةِ ؕ وَ اللّٰهُ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ۝ (سورۃ الجمعہ:۱۱)

ترجمہ: ''اور (بعضے لوگوں کا یہ حال ہے کہ) وہ لوگ جب کسی تجارت یا مشغولی کی چیز کو دیکھتے ہیں تو وہ اس کی طرف دوڑنے کے لیے بکھر جاتے ہیں''۔

اس میں مرجع ''تجارۃ'' کو مان کر واحد مؤنث کی ضمیر لائی گئی ہے۔

سوم: مرجع آخر المذکورین کو بنایا جائے اور ضمیر مفرد لائی جائے۔

مثال: والذین یکنزون الذھب و الفضۃ و لا ینفقونھا فی سبیل اللہ۔

اس میں مرجع صرف ''الفضۃ'' کو بنایا گیا ہے اور ضمیر مفرد مؤنث کی لائی گئی ہے۔

چہارم: مرجع دونوں چیزیں ہوں اور مراد بھی دونوں ہوں مگر ضمیر واحد کی لائی جائے۔

مثال: ''الف'' يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ لِيُرْضُوْكُمْ ۚ وَ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗۤ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ اِنْ كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿۶۲﴾ (سورۃ التوبۃ:۶۲)

''ب'' وَّ النَّخْلَ وَ الزَّرْعَ مُخْتَلِفًا اُكُلُهٗ وَ الزَّيْتُوْنَ وَ الرُّمَّانَ مُتَشَابِهًا وَّ غَيْرَ مُتَشَابِهٍ ؕ كُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖۤ اِذَاۤ اَثْمَرَ وَ اٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ ۖ وَ لَا تُسْرِفُوْا ؕ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿۱۴۱﴾ (سورۃ الانعام:۱۴۱)

''ج'' هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَآءً وَّ الْقَمَرَ نُوْرًا وَّ قَدَّرَهٗ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَ الْحِسَابَ ؕ مَا خَلَقَ اللّٰهُ ذٰلِكَ اِلَّا بِالْحَقِّ ۚ يُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۵﴾ (سورۃ یونس:۵)

فائدہ:

مرجع کی وحدت اور تعدد کے اعتبار سے ضمیروں کا لانا تو موافق اصل ہے لیکن جو صورتیں اصل کے خلاف ہیں ان میں کوئی معنوی علت یا نکتہ پوشیدہ ہوا کرتا ہے جس کے سبب خلاف اصل کا ارتکاب کیا جاتا ہے۔

قاعدہ نمبر (۱۰۸)

قَدْيَرِدُ التَّكْرَارُ لِتَعَدُّدِ الْمُتَعَلَّقِ۔

(الاتقان فی علوم القرآن ج/۳ ص/۱۸۰ دار الفکر، البرھان فی علوم القرآن ج/۳ ص/۱۸

دار المعرفۃ، الایضاح فی علوم البلاغۃ ج ۱ ص ۱۰۸ دار احیاء العلوم)

حاصل قاعدہ:

کبھی تکرار متعلق کے متعدد ہونے کی وجہ سے ہوتا ہے۔

تشریح:

قرآن کریم کی بہت سی آیتیں اور جملے مکرر آئے ہوئے ہیں جن سے تکرار محض کا واہمہ ہوتا ہے مگر حقیقت میں تکرار نہیں بلکہ ہر جگہ آیت کا مفہوم متعلق کے اعتبار سے جداگانہ ہے۔

مثال: فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۱۳﴾ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ ﴿۱۴﴾ وَ خَلَقَ الْجَآنَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ ﴿۱۵﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۱۶﴾ رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ وَ رَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ ﴿۱۷﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۱۸﴾ (سورۃ الرحمٰن: ۱۳، ۱۶، ۱۸)

ترجمہ: ''سوائے جن وانس! تم اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے''۔

سورۂ رحمن میں یہ آیت تیس سے زائد مرتبہ آئی ہے مگر ہر جگہ اس کا مفہوم اپنے ما قبل کے مضمون سے مربوط ہے اس طرح ہر جگہ یہ آیت اپنے اندر تاسیس کا معنی لیے ہوئے اور وہ اس طور پر کہ سورۂ رحمن میں حق جل مجدہٗ نے اپنی نعمتوں کا ذکر فرمایا ہر ایک نوع کے انعام کے بعد بندوں سے اقرار و شکر کا مطالبہ کیا ہے۔

اشباہ و نظائر

(۱) وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۱۹﴾ اَلَمْ نَخْلُقْكُّمْ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ ﴿۲۰﴾ فَجَعَلْنٰهُ فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ﴿۲۱﴾ اِلٰى قَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۲۲﴾ فَقَدَرْنَا فَنِعْمَ الْقٰدِرُوْنَ ﴿۲۳﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۲۴﴾ (سورۃ المرسلات: ۱۹، ۲۴)

ترجمہ: ''اس روز (حق کے) جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہوگی''۔

یہ آیت سورۂ مرسلات میں دس مرتبہ آئی ہے بایں طور کہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ مرسلات میں مختلف قصوں کو ذکر فرمایا ہے اور ہر قصے کے بعد فرمایا: ''ویل یومئذ الخ کہ اس قصہ کے جھٹلانے والے کے لیے ہلاکت ہے۔

(۲) اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً ؕ وَ مَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ۝۸

وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ ۝۶۸

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً ؕ وَ مَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ۝۱۰۳

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً ؕ وَ مَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ۝۱۳۹

(سورۃ الشعراء: ۸، ۶۸، ۱۰۳، ۱۳۹)

ترجمہ: ''اس میں ایک بڑی نشانی ہے اور (باوجود اس کے) ان میں کے اکثر لوگ ایمان نہیں لائے''۔

یہ آیت سورۂ شعراء میں الگ الگ قصہ کے بعد آٹھ مقامات پر آئی ہے لہٰذا ہر جگہ قصہ سے مستفاد آیت کا معنی مراد ہے۔

قاعدہ نمبر (۱۰۹)

قَدْ یَرِدُ الْخِطَابُ بِالشَّیْئِ فِی الْقُرْآنِ عَلیٰ اِعْتِقَادِ الْمُخَاطَبِ دُوْنَ مَا فِیْ نَفْسِ الْأَمْرِ۔

(البرھان فی علوم القرآن ج/۴ ص ۵۵ دار المعرفۃ بیروت، طرح التثریب فی شرح التقریب ج/۷ ص ۶۶ دار الکتب العلمیۃ)

حاصل قاعدہ:

کبھی قرآن مجید میں کلام مخاطب کے اعتقاد کے مطابق آتا ہے اگرچہ کہ حقیقت کچھ اور ہو۔

مثال: (۱) وَ الَّذِیْنَ یُحَآجُّوْنَ فِی اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا اسْتُجِیْبَ لَهٗ

حُجَّتُهُمْ دَاحِضَةٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَ عَلَيْهِمْ غَضَبٌ وَّ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ﴿۱۶﴾
(سورہ شوریٰ:۱۶)

اس میں کفار کی بے سرو پاباتوں کو حجت کہا گیا ہے، ان کے خیال کے مطابق۔

مثال:(۲) ادْعُوا شُرَكَآءَكُمْ . وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا اس میں ''شر کاء'' اور ''انداد'' معبودان باطلہ کے لیے بولا گیا ہے، یہ بھی محض کفار کے خیال کے مطابق اس لیے کہ حقیقت میں اللہ کا کوئی شریک اور اس کا کوئی ہمسر و مساوی ہے ہی نہیں۔

قاعدہ نمبر (۱۱۰)

قَدْ يَرِدُ نَفْيُ الشَّيْءِ مُقَيَّدًا وَ الْمُرَادُ نَفْيُهُ مُطْلَقًا مُبَالَغَةً فِي النَّفْيِ وَ تَاكِيْدًا لَهُ۔

(الاتقان فی علوم القرآن ج ۳ ص ۲۰۸ دار الفکر، الکلیات لابی البقاء ج ۱ ص ۸۹۰ مؤسسۃ الرسالۃ)

حاصل قاعدہ:

شئی کی نفی کبھی بصورت تقیید کی جاتی ہے لیکن مراد اس سے مطلق نفی ہوتی ہے اور ایسا نفی میں مبالغہ اور تاکید پیدا کرنے کے لیے کیا جاتا ہے۔

تشریح:

اہل عرب کبھی کسی شئی کی مقید انداز میں نفی کرتے ہیں جس سے بظاہر معلوم ہوگا کہ مقصود صرف اس قید کی نفی کرنا ہے حالانکہ ان کا مقصد اصل شئی کی نفی کرنا ہوتا ہے اور اس انداز سے نفی میں مبالغہ اور تاکید کا معنی پیدا ہو جاتا ہے۔

مثال: وَلَا تَكُوْنُوْٓا اَوَّلَ كَافِرٍ بِهٖ (سورۃ البقرۃ:۴۱)

ترجمہ: ''اور مت بنو تم سب میں پہلے انکار کرنے والے اس قرآن کے''۔

اس میں بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اول کافر ہونے (یعنی سب سے پہلے کفر

کرنے) سے روکا گیا جس سے یہ وہم ہوتا ہے کہ کچھ لوگوں کے کفر کر لینے کے بعد کفر کرنے کی ممانعت نہیں ہے حالانکہ یہاں صرف اولیت کی نفی مراد نہیں ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ ہر قسم کا کفر مطلقاً ممنوع ہے خواہ اول ہو یا بعد میں البتہ اس انداز کی وجہ سے کفر سے دور رہنے کے حکم میں مبالغہ اور تاکید کا معنی آ گیا۔

اشباہ ونظائر

(۱) وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۡ وَّاِيَّايَ فَاتَّقُوْنِ ﴿۴۱﴾

(سورۃ البقرۃ:۴۱)

سے مطلق ثمن مراد ہے خواہ قلیل ہو یا کثیر، قلیل کی قید مقصود نہیں۔

ترجمہ: ''اور مت لو بہ مقابلہ میرے احکام کے معاوضہ حقیر کو''۔

(۲) مَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ حَمِيْمٍ وَّلَا شَفِيْعٍ يُّطَاعُ ﴿۱۸﴾ (سورۃ مؤمن:۱۸)

میں مطلق شفیع مراد ہے خواہ ''مطاع'' ہو یا ''غیر مطاع''، مطاع کی قید مقصود نہیں۔

ترجمہ: ''(اور اس روز) ظالموں کا نہ کوئی دلی دوست ہوگا اور نہ کوئی سفارشی ہوگا جس کا کہنا مانا جاوے''۔

(۳) وَمَنْ يَّدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۙ لَا بُرْهَانَ لَهٗ بِهٖ ۙ فَاِنَّمَا حِسَابُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۭ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۱۱۷﴾ (سورۃ مؤمنون:۱۱۷)

میں ''الٰھا آخر لا برھان'' سے مطلق غیر اللہ مراد ہے خواہ اس کے متعلق برہان ہو (جیسا کہ اہل باطل اپنے لیے برہان تصور کر لیتے ہیں) یا برہان نہ ہو ''لا برھان'' کی قید مقصود نہیں۔

ترجمہ: ''اور جو شخص (اس امر پر دلیل قائم ہونے کے بعد) اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کی بھی عبادت کرے جس (کے معبود ہونے) پر اس کے پاس کوئی بھی دلیل نہیں''۔

قاعدہ نمبر (۱۱۱)

قَدْ يَقْتَضِي الْمَقَامُ ذِكْرَ شَيْئَيْنِ بَيْنَهُمَا تَلَازُمٌ وَّارْتِبَاطٌ فَيَكْتَفِي

بِاَحَدِهِمَا عَنِ الْاٰخَرِ۔

حاصل قاعدہ:

کبھی مقام ایسی دو چیزوں کے ذکر کرنے کا متقاضی ہوتا ہے جن کے درمیان تلازم یا خاص ربط ہوتا ہے تو ان میں سے ایک ہی کے ذکر پر اکتفاء کیا جاتا ہے جو دونوں کے لیے کافی ہوتا ہے۔

مثال: وَّ جَعَلَ لَکُمْ سَرَابِیْلَ تَقِیْکُمُ الْحَرَّ۔

(سورۃ نحل:۸۱)

کپڑا تو حر و برد دونوں سے حفاظت کا ذریعہ ہے مگر اکتفاء علی ذکر الحر اس وجہ سے کیا گیا کہ بلاد عرب گرم تھے اور ان کے نزدیک حفاظت عن الحر حفاظت عن البرد سے زیادہ اہم تھی۔

ترجمہ: ''اور اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے ایسے کرتے بنائے جو گرمی سے تمہاری حفاظت کریں''۔

دیگر امثلہ

(۱) وَلَهٗ مَا سَكَنَ فِي الَّيْلِ وَالنَّهَارِ ۭ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ⑬

(سورۃ انعام:۱۳)

ای ما اسکن و تحرک۔

ترجمہ: ''اور اللہ تعالیٰ ہی کی ملک ہے سب جو کچھ رات میں اور دن میں رہتے ہیں''۔

(۲) بِیَدِکَ الْخَیْرُ۔ (سورۃ آل عمران:۲۶)

ای الخیر و الشر۔

ترجمہ: ''آپ ہی کے اختیار میں ہے سب بھلائی''۔

(۳) اَلَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ۔ (سورۃ بقرۃ:۳)

ای بالغیب و الشھادۃ۔

ترجمہ: ''اور وہ خدا سے ڈرنے والے لوگ ایسے ہیں کہ یقین لاتے ہیں چھپی ہوئی چیزوں پر''۔

قاعدہ نمبر (۱۱۲)

قَدْ يَكُوْنُ اللَّفْظُ مُحْتَمَلاً لِمَعْنَيَيْنِ فِيْ مَوْضِعٍ وَ يُعَيَّنُ فِيْ مَوْضِعٍ آخَرَ۔

(البرھان فی علوم القرآن ج ۲ ص ۱۹۷ دار المعرفۃ بیروت)

حاصل قاعدہ:

جہاں چند معنی کا احتمال ہو مگر کسی دوسری جگہ سے کوئی ایک معنی متعین ہو جائے تو اسی معنی کو ترجیح ہوگی۔

تطبیق مع امثلہ

(۱) خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَ عَلٰى سَمْعِهِمْ ؕ وَ عَلٰۤى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ ۫ وَّ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ (سورۃ البقرۃ:۷)

ترجمہ: ''بند لگا دیا ہے اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر اور ان کے کانوں پر اور ان کی آنکھوں پر پردہ ہے''۔

یہاں ''وعلی سمعھم'' میں دو احتمال ہیں۔

اول: یہ کہ ماقبل (وعلی قلوبھم) پر عطف ہو یعنی قلب کی طرف سمع کے لیے ختم ثابت ہو۔ (اور آیت کا ترجمہ یہ ہوگا کہ اللہ نے ان کے دلوں اور کانوں پر مہر لگا دی ہے اور ان کی آنکھوں پر پردہ ہے)۔

ثانی: یہ کہ جملہ مستانفہ ہو اس صورت میں سمع کے لیے ابصار کی طرح غشاوۃ ثابت

ہوگا۔(اور ترجمہ یہ ہوگا کہ اللہ نے ان کے دلوں پر مہر لگادی اوران کے کان اور آنکھ پر پردہ ہے)

مگر سورۂ جاثیہ میں یہ مضمون واضح طور پر اس طرح آیا ہے۔

اَفَرَءَیۡتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰـهَهٗ هَوٰىهُ وَ اَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلۡمٍ وَّ خَتَمَ عَلٰى سَمۡعِهٖ وَ قَلۡبِهٖ وَ جَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ غِشٰوَةً ؕ (سورۃ جاثیہ:۲۳)

پس قاعدہ مذکورہ کی رو سے چونکہ ایک توجیہ قرآن میں تعیین کے ساتھ آئی ہے۔

لہٰذا اس صورت کو ترجیح ہوگی۔

مثال: (۲) وَلۡيَطَّوَّفُوۡا بِالۡبَيۡتِ الۡعَتِيۡقِ ۝۲۹ (سورۃ الحج:۲۹)

عتیق کے لغت کے اعتبار سے تین معنے ہیں: (۱) قدیم۔ (۲) کریم۔ (۳) من الجبارہ (یعنی اہل تسلط کے جبر و استبداد سے آزاد) اور تینوں معنوں کا حمل یہاں درست ہے مگر ایک آیت سے پہلے معنی کی تعیین ہوتی ہے۔

اِنَّ اَوَّلَ بَيۡتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِىۡ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلۡعٰلَمِيۡنَ ۝۹۶ (سورۃ آل عمران:۹۶)

پس اس لحاظ سے قدیم کے معنی کو ترجیح ہوگی۔

مثال: (۳) ثُمَّ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا بِرَبِّهِمۡ يَعۡدِلُوۡنَ ۝۱

(سورۃ الانعام:۱)

عدل دو معنوں میں مشترک ہے تسویہ اور اعراض اور دونوں معنوں کا انطباق مذکورہ آیت میں ممکن ہے مگر معنی تسویہ کی تائید دیگر آیات سے ہوتی ہے۔

(۱) تَاللّٰهِ اِنۡ كُنَّا لَفِىۡ ضَلٰلٍ مُّبِيۡنٍ ۝۹۷ اِذۡ نُسَوِّيۡكُمۡ بِرَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ ۝۹۸ (سورۃ الشعراء:۹۷،۹۸)

ترجمہ: ''بخدا بیشک ہم صریح گمراہی میں تھے جب کہ تم کو (عبادت میں) رب العالمین کے برابر کرتے تھے۔''

(۲) وَمِنَ النَّاسِ مَنۡ يَّتَّخِذُ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ اَنۡدَادًا يُّحِبُّوۡنَهُمۡ

كَحُبِّ اللّٰهِ ؕ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ؕ وَ لَوْ يَرَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اِذْ يَرَوْنَ الْعَذَابَ ۙ اَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ۙ وَّ اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعَذَابِ ۝۱۶۵

(سورۃ البقرۃ:۱۶۵)

ترجمہ:''اور بعض لوگ وہ (بھی) ہیں جو علاوہ خدائے تعالیٰ کے اوروں کو بھی شریک (خدائی) قرار دیتے ہیں ان سے ایسی محبت رکھتے ہیں جیسی محبت اللہ سے رکھنا ضروری ہے۔

پس مذکورہ قاعدہ کی بناء پر ان آیات کی تائید سے یعدلون میں تسویہ کا معنی راجح ہوگا''۔

قاعدہ نمبر (۱۱۳)

قَدْ يَكُوْنُ سَبَبُ النُّزُوْلِ وَاحِدًا وَ الآيَاتُ النَّازِلَةُ مُتَفَرِّقَةً وَ الْعَكْسُ۔

(ماخوذ من العجاب فی بیان الاسباب ج/۱ص/۲۹۸ دار ابن الجوزی الدمام)

حاصل قاعدہ:

کبھی سببِ نزول ایک ہوتا ہے اور اس کے تحت نازل ہونے والی آیات متعدد ہوتی ہیں کبھی اس کے برعکس (متعدد اسبابِ نزول کے تحت ایک آیت نازل ہوتی ہے)۔

تطبیق مثال

(الف)سببِ نزول ایک اور نازل شدہ آیات متعدد۔

امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی سنن میں ایک قصے کی تخریج کی ہے جس کو متعدد آیات کا سبب نزول بتایا گیا ہے وہ روایت یہ ہے۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے ایک مرتبہ حسرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا:

''مردوں کو غزوات میں شرکت کا موقع ملتا ہے، اور ہم عورتیں اس سے محروم رہتی

ہیں میراث میں بھی ہم کو نصف حصہ ملتا ہے، اس واقعہ کو درج ذیل متعدد آیات کا سبب نزول بتایا گیا ہے''۔

(۱) وَ لَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ لِلرِّجَالِ نَصِیْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا ؕ وَ لِلنِّسَآءِ نَصِیْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ؕ وَ سْـَٔلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمًا ﴿۳۲﴾ (سورۃ النساء: ۳۲)

(۲) امام التفسیر مجاہد رحمہ اللہ تعالیٰ سے منقول ہے کہ اس کے تحت یہ آیت نازل ہوئی:

اِنَّ الْمُسْلِمِیْنَ وَ الْمُسْلِمٰتِ وَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ۔۔۔ اِلٰی قولہ تعالیٰ۔۔۔ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّ اَجْرًا عَظِیْمًا۔ (سورۃ الاحزاب: ۳۵)

(۳) اَنِّیْ لَاۤ اُضِیْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰی ۚ۔

(سورۃ آل عمران: ۱۹۵)

(سنن الترمذی ج ۲ ص ۵۹۸ مکتبہ رحمانیہ لاہور، لباب النقول ج ۱ ص ۶۷ دار احیاء العلوم بیروت)

(ب) سبب نزول متعدد اور نازل شدہ آیت ایک۔

یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ ۚ تَبْتَغِیْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ ؕ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱﴾ (سورۃ التحریم: ۱)

ترجمہ: ''اے نبی! جس چیز کو اللہ نے آپ کے لیے حلال کیا ہے، آپ (قسم کھا کر) اس کو (اپنے اوپر) کیوں حرام فرماتے ہیں، (پھر وہ بھی) اپنی بیبیوں کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔''

اس کے سبب نزول کے سلسلے میں دو روایتیں منقول ہیں:

(۱) ایک روایت میں یہ ہے کہ آپ علیہ السلام نے اپنے اوپر شہد حرام کرلیا تھا اس کی بابت یہ آیت نازل ہوئی ہے۔

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یشرب عسلا عند زینب بنت

جحش و یمکث عندھا فواطیت أنا و حفصة علی أیتنا دخل علیھا فلتقل له اکلت مغافیر إنی اجد منک ریح مغافیر قال لا و لکنی کنت أشرب عسلا عندزینب بنت جحش فلن أعودله وقدحلفت لاتخبری بذلک احدا۔

(صحیح البخاری ج ۲ ص ۷۲۹ قدیمی کتب خانہ کراچی، سنن ابی داؤد ج ۲ ص ۱۶۱ دار الفکر)

(۲) دوسری روایت یہ بتلاتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی باندی حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا کو اپنے اوپر حرام کرلیا تھا اس کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی ہے۔

عن انس رضی اللہ عنہ أن رسول اللہ کانت له أمة یطؤھا فلم تزل به عائشه و حفصة حتی حرمھا فانزل اللہ عز و جل یا ایھا النبی لم تحرم ما احل اللہ لک۔

(سنن النسائی الکبری ج ۶ ص ۴۹۵ دار الکتب العلمیة، سنن البیہقی الکبری ج ۷ ص ۳۵۳ مکتبہ دار الباز، روح المعانی ج ۲۸ ص ۱۴۶ دار احیاء التراث العربی)

قاعدہ نمبر (۱۱۴)

قَدْ یُنْفَی الشَّیئُ فِیْ الْقُرْآن رَأسًا وَاِنْ کَانَتْ صُوْرَتُهٗ مَوْجُوْدَةً لِعَدَمِ کَمَالِ وَصْفِهٖ اَوْ لِاِنْتِفَاءِ ثَمَرَتِهٖ۔

(الاتقان فی علوم القرآن ج ۳ ص ۲۰۸ دار الفکر، الکلیات لابی البقاء ج ۱ ص ۸۹۰ موسسۃ الرسالۃ)

حاصل قاعدہ:

قرآن کبھی کسی شئی کے وصف میں کامل نہ ہونے یا مقصود سے خالی ہونے کی وجہ سے نفس شئی کی نفی کردیتا ہے جب کہ وہ شئی موجود ہوتی ہے۔

مثال: وَاَکْثَرُھُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ ﴿۱۰۳﴾ (سورۃ المائدۃ: ۱۰۳)

ترجمہ: ''ان میں سے اکثر بے عقل ہیں''۔

اس میں کفار سے عقل کی نفی ہے جب کہ ظاہر ہے کہ ان کو عقل و دانش دی گئی ہے مگر چونکہ عقل کا مقصود (نصیحت قبول کرنا) حاصل نہیں تھا اس لیے اس کی نفی کردی گئی۔

دیگر امثلہ

(۱) هٰذَا يَوْمُ لَا يَنْطِقُوْنَ ﴿۳۵﴾ (سورۃ مرسلات:۳۵)

ترجمہ: ’’یہ وہ دن ہوگا جس میں لوگ بول نہ سکیں گے‘‘۔

اس میں علی الاطلاق نطق کی نفی کی گئی ہے جب کہ قیامت کے روز وہ یہ کہہ رہے ہوں گے:

يٰلَيْتَنَا نُرَدُّ وَلَا نُكَذِّبَ بِاٰيٰتِ رَبِّنَا وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲۷﴾

(سورۃ الانعام:۲۷)

کیونکہ ان کا یہ بولنا کسی کام کا نہ ہوگا۔

(۲) وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ (سورۃ الانعام:۳۷)

ترجمہ: ’’لیکن ان میں سے اکثر علم نہیں رکھتے‘‘۔

(۳) لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا ۡ وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا ۡ وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا ؕ اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ﴿۱۷۹﴾ (سورۃ اعراف:۱۷۹)

ترجمہ: ’’ان کو دل ہے پر وہ اس سے سمجھتے نہیں اور ان کے پاس آنکھیں ہیں مگر وہ ان سے دیکھتے نہیں اور ان کے کان ہیں مگر وہ سنتے نہیں‘‘۔

قاعدہ نمبر (۱۱۵)

قَدْيَرِدُ اللَّفْظُ فِي الْقُرْآنِ مُتَّصِلاً بِالْاٰخَرِ، وَالْمَعْنٰى عَلٰى خِلَافِ۔

حاصل قاعدہ:

قرآن مجید میں کبھی دو چیزیں بظاہر ایک دوسرے کے ساتھ مربوط نظر آتی ہیں

جب کہ حقیقت میں وہ مربوط نہیں ہوتیں۔

علامہ بدرالدین زرکشی متوفی ۷۹۴ھ فرماتے ہیں:

"قدیکون اللفظ بالاخر و المعنی علی خلافہ"۔

(البرھان فی علوم القرآن ج ۱ ص ۵۰ دار المعرفۃ بیروت)

مثال: قَالُوْا یٰوَیْلَنَا مَنْۢ بَعَثَنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا ۜ هٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمٰنُ وَ صَدَقَ الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۵۲﴾ (سورۃ یٰس: ۵۲)

ترجمہ: "کہیں گے ہائے ہماری کم بختی ہم کو ہماری قبروں سے کس نے اٹھایا یہ وہی (قیامت) ہے جس کا رحمن نے وعدہ کیا تھا اور پیغمبر سچ کہتے تھے"۔

"هٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمٰنُ"۔

یہاں بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ "هٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمٰنُ" قالوا کے مقولہ "یا ویلنا" سے مربوط ہو کر ایک ہی قائل کا مقولہ ہے مگر ایسا نہیں بلکہ "یَاوَیْلَنَا" تو منافقین کا مقولہ ہے اور "هٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمٰنُ" ملائکہ کا ہے۔

دیگر امثلہ

(۱) قَالَتْ اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً اَفْسَدُوْهَا وَ جَعَلُوْۤا اَعِزَّةَ اَهْلِهَاۤ اَذِلَّةً ۚ وَ كَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ ﴿۳۴﴾ (سورہ نمل: ۳۴)

ترجمہ: "والیانِ ملک (کا قاعدہ ہے کہ) جب کسی بستی میں (مخالفانہ طور پر) داخل ہوتے ہیں تو اس کو تہہ و بالا کر دیتے ہیں اور اس کے رہنے والوں میں جو عزت دار ہیں ان کو ذلیل کیا کرتے ہیں اور یہ لوگ بھی ایسا ہی کریں گے۔"

"و کذلک یفعلون" اللہ تعالیٰ کا قول ہے اور ماقبل کا جملہ بلقیس کا ہے کما قال کثیر من المفسرین مگر بظاہر دونوں بلقیس کے قول معلوم ہوتے ہیں۔

(۲) الْـٰٔنَ حَصْحَصَ الْحَقُّ ۫ اَنَا رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ وَ اِنَّهٗ لَمِنَ

الصّٰدِقِیْنَ ﴿۵۱﴾ ذٰلِکَ لِیَعْلَمَ اَنِّیْ لَمْ اَخُنْهُ بِالْغَیْبِ وَ اَنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِیْ کَیْدَ الْخَآئِنِیْنَ ﴿۵۲﴾ (سورہ یوسف:۵۱،۵۲)

ترجمہ: ''اب تو حق بات ظاہر ہو ہی گئی میں نے ان سے اپنے مطلب کی خواہش کی تھی اور بیشک وہی سچے ہیں (یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ اہتمام محض) اس وجہ سے ہے تا کہ اس (یعنی عزیز) کو یقین کے ساتھ معلوم ہو جائے کہ میں نے ان کی عدم موجودگی میں اس کی آبرو پر دست اندازی نہیں کی اور یہ کہ اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں کے فریب کو چلنے نہیں دیتا''۔

''ذلک لیعلم'' یوسف علیہ السلام کا قول ہے اور اَلْئٰنَ حَصْحَصَ الْحَقُّ زلیخا کا۔

(۳) اِنَّ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّیْطٰنِ تَذَکَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ ﴿۲۰۱﴾ وَ اِخْوَانُهُمْ یَمُدُّوْنَهُمْ فِی الْغَیِّ ثُمَّ لَا یُقْصِرُوْنَ ﴿۲۰۲﴾ (سورہ اعراف:۲۰۱،۲۰۲)

ترجمہ: ''یقینا جو لوگ خدا ترس ہیں جب ان کو کوئی خطرہ شیطان کی طرف سے آ جاتا ہے تو وہ یاد میں لگ جاتے ہیں سو یکا یک ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں''۔

''وَاخوانهم یمدونهم'' سے کفار مراد ہیں اور اس سے پہلے مؤمنین متقین کا ذکر ہے۔

قاعدہ نمبر (۱۱۶)

قَدْ یَقْتَضِی الْکَلَامُ ذِکْرَ شَیْئَیْنِ فَیُقْتَصَرُ عَلٰی اَحَدِهِمَا لِاَنَّهُ هُوَ الْمَقْصُوْدُ۔

(البرهان فی علوم القرآن ج ۳/ ص ۱۲۶ دار المعرفۃ بیروت، الکلیات لابی البقاء ج ۱/ ص ۳۸۶ مؤسسۃ الرسالۃ)

حاصل قاعدہ:

کبھی کلام دو چیزوں کے ذکر کا متقاضی ہوتا ہے لیکن ان میں سے ایک ہی کے ذکر پر اکتفاء کیا جاتا ہے اس کے مقصود ہونے کی وجہ سے۔

مثال: قَالَ فَمَنْ رَّبُّكُمَا يٰمُوْسٰى ۝ (سورۃ طہ:۴۹)

ربکما کی ضمیر تثنیہ کا مقتضا تھا کہ کہا جاتا یا موسیٰ و ھارون مگر چونکہ موسیٰ علیہ السلام ہی مقصود خطاب تھے اس لیے ان ہی کے ذکر پر اکتفاء کیا گیا۔

ترجمہ: ''وہ کہنے لگا کہ پھر (یہ بتلاؤ کہ) تم دونوں کا رب کون ہے اے موسیٰ''۔

قاعدہ نمبر (۱۱۷)

كَثِيْرًا مَا تُخْتَمُ الآيَاتُ الْقُرْاٰنِيَّةُ بِبَعْضِ الْاَسْمَاءِ الْحُسْنٰى لِلتَّدْلِيْلِ عَلٰى اَنَّ الْحُكْمَ الْمَذْكُوْرَ لَهٗ تَعَلُّقٌ بِذٰلِكَ الْاِسْمِ الْكَرِيْمِ۔

(القواعد الحسان فی تفسیر القرآن ج ۱/ص ۱/۴۱ مکتبہ مشکاۃ الاسلامیۃ)

حاصل قاعدہ:

بیشتر آیات کا اختتام اسمائے حسنیٰ پر ہوا ہے جس سے اشارہ ہوتا ہے کہ مضمون آیت کا اس اسم شریف کے ساتھ خاص تعلق ہے۔

مثال مع تطبیق:

وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝ (سورۃ الاعراف:۲۰۰)

ترجمہ: ''اور اگر آپ کو کوئی وسوسہ شیطان کی طرف سے آنے لگے تو اللہ کی پناہ مانگ لیا کیجیے۔ بلاشبہ وہ خوب سننے والا خوب جاننے والا ہے''۔

آیت شریفہ کا اختتام ذات باری تعالیٰ کے دو ناموں پر ہوا سمیع اور علیم اس میں اشارہ ہے اس امر کی طرف کہ استعاذہ میں قلب و زبان کی موافقت ضروری ہے، یعنی زبان سے وہی بات کہے جو دل میں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ سمیع ہے اور دل میں جو کچھ ہے اللہ اسے جانتا ہے کیونکہ وہ علیم ہے۔

اشباہ ونظائر

(۱) وَ السَّارِقُ وَ السَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَ اللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝۳۸ (سورۃ المائدہ:۳۸)

ترجمہ: ''اور جو مرد چوری کرے اور جو عورت چوری کرے سو ان دونوں کے (داہنے) ہاتھ (گٹے پر سے) کاٹ ڈالو ان کے کردار کے عوض سزا کے اللہ کی طرف سے اور اللہ تعالیٰ بڑے قوت والے ہیں۔ (جو سزا چاہیں مقرر فرمائیں) بڑے حکمت والے ہیں (کہ مناسب ہی سزا مقرر فرماتے ہیں)''۔

یہاں اللہ کے اسماء حسنیٰ میں عزیز اور حکیم کا حوالہ دیا گیا اس میں اشارہ ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ عزیز (غلبہ والا) جو چاہے حکم دے سکتا ہے تاہم اس کا حکم مبنی بر حکمت ہی ہوا کرتا ہے اس لیے کہ وہ حکیم ہے۔

(۲) فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝۱۱

(سورۃ النساء:۱۱)

ترجمہ: ''یہ حکم منجانب اللہ مقرر کر دیا گیا بالیقین اللہ تعالیٰ بڑے علم اور حکمت والے ہیں''۔

یہ آیت مواریث کے متعلق ہے اس کا اختتام اللہ عز وجل کے دو ناموں پر ہوا ہے۔ علیم سے اشارہ ہے کہ اللہ رب العزت نے جس کا جتنا حق متعین فرمایا وہ بالکل صحیح اور قرین انصاف ہے۔

(۳) وَ رَدَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِغَيْظِهِمْ لَمْ يَنَالُوْا خَيْرًا ؕ وَ كَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ قَوِيًّا عَزِيْزًا ۝۲۵ (سورۃ الاحزاب:۲۵)

ترجمہ: ''اور اللہ تعالیٰ نے کافروں کو ان کے غصہ میں بھرا ہوا ہٹا دیا کہ ان کی کچھ مراد بھی پوری نہ ہوئی اور جنگ میں اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے لیے آپ ہی کافی ہو گیا اور اللہ تعالیٰ بڑی قوت والا زبردست ہے''۔

یہ آیت غزوۂ خندق کے بارے میں نازل ہوئی ہے اس میں ''و کفی اللہ مؤمنین القتال'' پر اکتفاء کیا جاتا تو کسی کو یہ وہم ہو سکتا تھا کہ کفار شکستگی کا سبب آنے والی آندھی تھی جو ایک اتفاقی چیز ہے پس اللہ نے اس وہم کو دور کرنے کے لیے **قویا عزیزاً** فرمایا کہ اللہ بڑی قوت وغلبہ والا ہے اس نے اپنے ارادہ سے آندھی بھیج کر قوت وغلبہ کا اظہار فرمایا اور مومنین کو فتح نصیب ہوئی۔

قاعدہ نمبر (۱۱۸)

كُلُّ اِسْمٍ مَعْرِفَةٍ ذِیْ اَفْرَادٍ یُفِیْدُ الْعُمُوْمَ۔

(المسودة ج ۱/ص ۹۱ مکتبہ المدنی قاہرة)

حاصل قاعدہ:

وہ اسم معرفہ جو ذی افراد ہو عموم کا فائدہ دیتا ہے۔

تشریح:

ذی افراد کی قید سے علم شخصی جیسے احمد، زید وغیرہ سے احتراز ہے اس قاعدہ کے تحت مندرجہ ذیل اسما آتے ہیں۔

اول: الاسماء الموصولة:

اسمائے موصولہ خواہ مفرد ہوں یا تثنیہ یا جمع عموم پر دلالت کرتے ہیں۔

مثال: اَلزَّانِیَةُ وَ الزَّانِیْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ ۪ وَّ لَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِیْ دِیْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ ۚ وَ لْیَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَآىِٕفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ۝۲ (سورۂ نور: ۲)

الف لام اسمی اسم موصول ''الذی'' کے معنی میں لہٰذا ہر زانی اور زانیہ کو شامل ہے۔

ترجمہ: ''زنا کرانے والی عورت اور زنا کرنے والا مرد ان میں سے ہر ایک کو کوڑے لگاؤ''۔

وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ﴿۳۳﴾
(سورۃ زمر:۳۳)

ترجمہ: ''اور جو لوگ سچی بات لے کر آئے (اور خود بھی) اس کو سچ جانا ہے''۔

ہر راستی کے ساتھ آنے والے اور تصدیق کرنے والے کو شامل ہے اسی لیے آگے فرمایا گیا ہے: اولئک هم المتقون۔

اشباہ ونظائر

(۱) اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُوْمُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَآبُّ وَكَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ ؕ وَكَثِيْرٌ حَقَّ عَلَيْهِ الْعَذَابُ ؕ وَمَنْ يُّهِنِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّكْرِمٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ ﴿۱۸﴾
(سورۃ حج:۱۸)

ترجمہ: ''(اے مخاطب) کیا تجھ کو (عقل سے یا مشاہدے سے) یہ (بات) معلوم نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے (اپنی اپنی حالت کے مناسب) سب عاجزی کرتے ہیں جو کہ آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے''۔

(۲) سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱﴾
(سورۃ حشر:۱)

ترجمہ: ''اللہ کی پاکی بیان کرتے ہیں سب جو کچھ آسمانوں اور زمین میں (مخلوقات) ہیں''۔

(۳) وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ ﴿۴۶﴾
(سورۃ رحمن:۴۶)

ترجمہ: ''اور جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے (ہر وقت) ڈرتا رہتا ہے اس کے لیے (جنت میں) دو باغ ہوں گے''۔

(۴) مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ؕ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ

اَیۡدِیۡهِمۡ وَ مَا خَلۡفَهُمۡ ۚ وَ لَا یُحِیۡطُوۡنَ بِشَیۡءٍ مِّنۡ عِلۡمِهٖۤ اِلَّا بِمَا شَآءَ ۚ وَسِعَ کُرۡسِیُّهُ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ ۚ وَ لَا یَـُٔوۡدُهٗ حِفۡظُهُمَا ۚ وَ هُوَ الۡعَلِیُّ الۡعَظِیۡمُ ﴿۲۵۵﴾ (سورۃ البقرۃ:۲۵۵)

ترجمہ: ’’ایسا کون شخص ہے جو اس کے پاس (کسی کی) سفارش کر سکے بدون اس کی اجازت کے‘‘۔

قاعدہ نمبر (۱۱۹)

کُلُّ اَمۡرٍ قَدۡ عَلِقَ بِمَا لَا یَکُوۡنُ فَقَدۡ نُفِیَ کَوۡنُهٗ عَلٰی اَبۡعَدِ الۡوُجُوۡهِ۔

(البرہان فی علوم القرآن ج ۳ ص ۱۰۴ دار المعرفۃ بیروت)

حاصل قاعدہ:

جس امر کی نفی محال پر معلق کر کے کی گئی ہو وہ نفی سب سے زیادہ بلیغ ہوتی ہے۔

مثال: (۱) قُلۡ اِنۡ کَانَ لِلرَّحۡمٰنِ وَلَدٌ ٭ۖ فَاَنَا اَوَّلُ الۡعٰبِدِیۡنَ ﴿۸۱﴾

(سورۃ الزخرف:۸۱)

ترجمہ: ’’آپ کہیے کہ اگر خدائے رحمن کے اولاد ہو تو سب سے اول اس کی عبادت کرنے والا میں ہوں‘‘۔

تطبیق:

یہ مثال ہے نفی معلق علی المحال کی یعنی کہ اس آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے غیر اللہ کی عبادت کی نفی کی گئی ہے اس طرح کہ اس کو معلق کیا گیا ہے رحمن یعنی اللہ تعالیٰ کے لیے اولاد ہونے پر جو محال ہے اور تعلیق بالمحال کی شکل میں نفی نہایت بلیغ مانی جاتی ہے اس لیے نتیجہ یہ نکلا کہ جس طرح اللہ تعالیٰ کے لیے اولاد کا ثبوت کبھی نہیں ہو سکتا اسی طرح

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے غیر اللہ کی عبادت بھی کبھی متحقق نہیں ہو سکتی۔

(۲) ''اِنَّ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَ اسْتَكْبَرُوْا عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ وَ لَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ ؕ وَ كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُجْرِمِيْنَ﴿۴۰﴾ (سورۃ الاعراف:۴۰)

ترجمہ: ''جو لوگ ہماری آیتوں کو جھوٹا بتلاتے ہیں اور ان (کے ماننے) سے تکبر کرتے ہیں ان کے لیے آسمان کے دروازے نہ کھولے جائیں گے اور وہ لوگ کبھی جنت میں نہ جاویں گے جب تک کہ اونٹ سوئی کے ناکے کے اندر سے نہ چلا جاوے''۔

یہاں ''مکذبین'' کے دخول جنت کی نفی کو اونٹ کے سوئی کے سوراخ میں داخل ہونے پر معلق کیا گیا ہے جو کہ محال امر ہے پس اسی طرح ''مکذبین'' کے لیے دخول جنت بھی محال ہے۔

قاعدہ نمبر (۱۲۰)

كُلُّ حَرْفٍ زِيْدَ فِيْ كَلَامِ الْعَرَبِ (لِلتَّاكِيْدِ) فَهُوَ قَائِمٌ مَقَامَ اِعَادَةِ الْجُمْلَةِ مَرَّةً اُخْرٰی۔

(البرھان فی علوم القرآن ج۳ ص ۷۱، دارالمعرفۃ بیروت، الاتقان فی علوم القرآن ج۲ ص۱۲۸ قدیمی کتب خانہ کراچی)

توضیح:

کلام عرب میں تاکید لہ اعادۂ جملۂ اولیٰ کے ہوتی ہے۔

مثال: فَيَكِيْدُوْا لَكَ كَيْدًا۔ (سورۃ یوسف:۵)

ای فیکیدو الک فیکیدو الک۔

ترجمہ: ''ورنہ وہ تیرے خلاف سازشیں کرنے لگیں گے''۔

حذف سے متعلق چند اہم قواعد

(۱) لاتقبل دعوی الحذف الا بدلیل (بغیر دلیل کے کوئی حذف کا دعوی معتبر نہیں)۔

(۲) حذف خلاف اصل ہے اس لیے یہاں دو امر کا لحاظ ضروری ہے۔

اول: جب حذف اور عدم حذف دونوں کی گنجائش ہو تو عدم حذف اولیٰ ہے۔

دوم: جب حذف قلیل وکثیر دونوں کی گنجائش ہو تو قلیل پر اکتفاء اولیٰ ہے۔

(۳) جس مقام پر حذف ذکر کے مقابلہ میں زیادہ مناسب ہو تو وہاں حذف کا عمل ذکر سے بہتر ہوگا۔

(۴) کلام اللہ کے محذوفات میں جہاں مختلف احتمالات ہوں تو وہاں احسن کو اختیار کرنا، احسن اور اولیٰ ہوگا کہ یہی بلاغتِ قرآن کے شایانِ شان ہے۔

(۵) کلام محذوف کے متعلق مجمل اور مبین دونوں کا احتمال ہو تو مبین کو مقدر ماننا بہتر ہوگا۔

قاعدہ نمبر (۱۲۱)

كُلُّ حَرْفٍ لَهُ مَعْنىً مُتَبَادِرٌ ثُمَّ اسْتُعْمِلَ فِيْ غَيْرِهٖ فَاِنَّهُ لَا يُتْرَكُ ذٰلِكَ الْمَعْنَى الْمُتَبَادِرُ بِالْكُلِّيَةِ بَلْ يَبْقىٰ فِيْهِ رَائِحَةٌ مِنْهُ وَيُلَاحَظُ مَعَهُ۔

(الکلیات لابی البقاء فصل فی المتفرقات ج/۱ ص/۹۹۷ موسسۃ الرسالۃ بیروت)

حاصل قاعدہ:

جس حرف کو اس کے معنیٰ متبادر سے ہٹا کر دوسرے معنی میں استعمال کیا گیا ہو اس میں معنی اول کی بو باقی رہتی ہے اور معتبر بھی ہوتی ہے۔

مثال: قَالَ هٰذَا صِرَاطٌ عَلَيَّ مُسْتَقِيْمٌ ﴿۴۱﴾ (سورۃ الحجر: ۴۱)

ترجمہ: ''یہ ایک سیدھا راستہ ہے جو مجھ تک پہنچتا ہے''۔

تطبیق:

یہاں ''علیٰ''، ''الیٰ'' کے معنی میں لایا گیا ہے اور ''علیٰ'' کا معنی ہے ''استعلاء'' اور ''استقرار'' پس اس میں اشارہ ہے کہ اس راہ پر چلنے والے کو حق اور ہدایت پر استعلاء کے ساتھ استقرار حاصل ہے یعنی ہدایت پر پوری قوت کے ساتھ جمے ہوئے ہیں۔

قاعدہ نمبر (۱۲۲)

كُلُّ فِعْلٍ لِلّٰهِ تَعَالٰى مَذْكُوْرٌ فِي الْقُرْآنِ فَإِنَّهٗ يَصِحُّ فِيْهِ إِضْمَارُ لَفْظِ الْجَلَالَةِ ''الله'' وَإِنْ لَمْ يَسْبِقْ ذِكْرُهٗ لِتَعَيُّنِهٖ فِي الْعُقُوْلِ۔

(الكليات لابي البقاء فصل الالف والضاد ج ۱ ص ۱۸۷ موسسة الرسالة بيروت)

حاصل قاعدہ:

قرآن میں جو افعال اللہ تعالیٰ کے مذکور ہیں، ان کو اگرچہ اللہ کی طرف نسبت کیے بغیر ذکر کیا گیا ہے پھر بھی اللہ تعالیٰ ہی کی طرف منسوب ہوں گے کیونکہ یہ نسبت ذہنوں میں متعین ہے۔

مثال: ''وَّ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۚ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۲﴾ (سورۂ بقرہ: ۲۲)

أی انزل الله۔

''خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ جَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَ النُّوْرَ ۬ ثُمَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ ﴿۱﴾''۔ (سورۂ انعام: ۱)

ای خلق الله۔

قاعدہ نمبر (۱۲۳)

كُلُّ مَا أَضَافَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى إِلٰى نَفْسِهٖ فَلَهٗ مِنَ الْمَزِيَّةِ وَ الْاِخْتِصَاصِ

عَلٰی غَیْرِہٖ مَا اَوْجَبَ لَهُ الْاِصْطِفَاءَ وَالْاِجْتِبَاءَ۔

(زاد المعاد فی ھدی خیر العباد ج ۱ص ۴۷ موسسۃ الرسالۃ بیروت)

حاصل قاعدہ:

جن چیزوں کی نسبت اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف کی ہے ان کو دوسروں کے مقابلہ میں فضیلت اور امتیاز حاصل ہے نیز ان کے عنداللہ مقبول اور منتخب ہونے کی دلیل ہے۔

تنبیہ:

جو چیزیں اللہ تعالیٰ شانہٗ کی طرف منسوب اور مضاف ہیں ان کی دو قسمیں ہیں:

پہلی قسم: وہ جو مقتضیٔ تشریف نہ ہو جیسے:

(الف) ''اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ﴿۱۱۸﴾ (سورۃ المائدۃ:۱۱۸)

ترجمہ: ''اگر آپ ان کو سزا دیں تو یہ آپ کے بندے ہیں''۔

(ب) اَنْتَ تَحْكُمُ بَیْنَ عِبَادِكَ فِیْ مَا كَانُوْا فِیْهِ یَخْتَلِفُوْنَ ﴿۴۶﴾

(سورۃ الزمر:۴۶)

ترجمہ: ''آپ ہی (قیامت کے روز) اپنے بندوں کے درمیان ان امور میں فیصلہ فرمادیں گے جن میں وہ باہم اختلاف کرتے تھے''۔

یہاں نفس مضمون سے پتہ چل رہا ہے کہ یہ اضافت بغرض تشریف واکرام نہیں بلکہ ان دونوں آیتوں میں یعنی اضافت الی اللہ سے مقصود بندوں کی بارگاہِ خداوندی میں مقہوریت ومغلوبیت کو بتلانا ہے۔

دوسری قسم ''وہ جو مقتضیٔ کرامت ہو جیسے ''وعباد الرحمن الذین یمشون۔۔۔'' یہ اضافت سیاق مدح میں وارد ہے اس لیے مقتضی کرامت ہے''۔

قاعدۂ مذکورہ بالا اسی نوع ثانی کے متعلق ہے۔

حاصل یہ ہے کہ مخلوقات میں جس کی نسبت اللہ کی طرف مقام مدح میں ذکر کی گئی ہواس کے عند اللہ مصطفی اور مقبول ہونے کی دلیل ہے۔

تطبیق:

یٰعِبَادِ لَا خَوۡفٌ عَلَیۡکُمُ الۡیَوۡمَ وَ لَاۤ اَنۡتُمۡ تَحۡزَنُوۡنَ ﴿۶۸﴾

(سورۃ الزخرف: ۶۸)

ترجمہ: ”(اور مؤمنین کو حق تعالیٰ کی طرف سے ندا ہوگی کہ) اے میرے بندو تم پر آج کوئی خوف نہیں اور نہ غمگین ہوں گے“۔

یہاں عبودیت اصطفاء مراد ہے، پس یہ اضافت مقتضی تکریم وتشریف ہے۔

اشباہ ونظائر

(۱) فَاَرۡسَلۡنَاۤ اِلَیۡهَا رُوۡحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِیًّا ﴿۱۷﴾

(سورۃ مریم: ۱۷)

ترجمہ: ”پس اس حالت میں ہم نے اپنے فرشتے (جبرئیل) کو بھیجا“۔

یہاں روح سے مراد جبرئیل علیہ السلام ہیں۔

(۲) نَاقَةَ اللّٰهِ وَ سُقۡیٰهَا ﴿۱۳﴾ (سورۃ الشمس: ۱۳)

ترجمہ: ”اللہ کی (اس) اونٹنی سے اور پانی پینے سے خبردار رہنا“۔

(۳) فَوَجَدَا عَبۡدًا مِّنۡ عِبَادِنَاۤ اٰتَیۡنٰهُ رَحۡمَةً مِّنۡ عِنۡدِنَا وَ عَلَّمۡنٰهُ مِنۡ لَّدُنَّا عِلۡمًا ﴿۶۵﴾ (سورۃ الکہف: ۶۵)

ترجمہ: ”سو (وہاں پہنچ کر) انہوں نے ہمارے بندوں میں سے ایک بندے کو پایا جن کو ہم نے اپنی خاص رحمت (یعنی مقبولیت) دی تھی“۔

ان تمام مثالوں میں اضافت تکریم وتشریف کی غرض سے ہے۔

قاعدہ نمبر (۱۲۴)

كُلُّ مَا كَانَ مِنَ الْاَوْصَافِ أَبْعَدَ مِنْ بِنْيَةِ الْفِعْلِ فَهُوَ اَبْلَغُ۔

(الصاحبی فی فقہ اللغۃ ج/۱ص ۱۷)

حاصل قاعدہ:

جو وصف فعل کے وزن سے جتنا بعید ہوگا وہ اسی قدر بلیغ ہوگا۔

تشریح:

اس قاعدہ کی علت یہ ہے کہ چونکہ اسم میں ثبوت و دوام کا مفہوم ہوتا ہے اور فعل میں تجدد اور حدوث کا اس لیے جو وصف فعل کے وزن سے جس قدر دور ہوگا اسی قدر اس کو اسم سے قرب ہوگا اور اس میں معنی وصفی زیادہ بلیغ انداز میں پایا جاوے گا۔

مثال: الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ (سورۃ الفاتحہ: ۲)

''الرحمن'' الرحیم سے ابلغ ہے اس لیے کہ یوں کہا جاتا ہے'' رحم فھو راحم و رحیم'' مثال مذکور میں'' رحمن'' راحم اور رحیم کے مقابلہ میں وزن فعل (رَحِمَ) سے زیادہ دور ہے اس لیے اس میں رحمت کا معنی بھی زیادہ ہے۔

قاعدہ نمبر (۱۲۵)

كُلُّ مَعْنىً مُسْتَنْبَطٍ مِنَ الْقُرْآنِ غَيْرَ جَارٍ عَلَى اللِّسَانِ الْعَرَبِيِّ فَلَيْسَ مِنْ عُلُوْمِ الْقُرْآنِ فِي شَيْءٍ۔

(الموافقات فی اصول الشریعۃ ج/۳ص ۳۹۱دار المعرفۃ بیروت)

حاصل قاعدہ:

قرآن کریم سے اخذ کردہ ہر ایسا نکتہ جو زبان عربی کے مزاج و اسلوب سے عدول کر کے مستنبط کیا گیا ہو اس کا علوم قرآنی سے کوئی تعلق نہیں۔

تشریح:

قرآن کریم عربوں کی زبان اور ان کے مزاج ومحاورہ کو سامنے رکھ کر نازل کیا گیا ہے، لہٰذا قرآن فہمی کے لیے عربوں کی فہم اور ان کا طریقہ استنباط ہی معتبر ہوگا اس سے ہٹ کر جو مضمون مستنبط کیا گیا ہو اس کو قرآنی علوم میں شمار نہیں کیا جائے گا۔

اس قاعدہ کی رو سے ملاحدہ اور زنادقہ کی تفسیریں باطل ہو جاتی ہیں، جو اصول عربیت سے ہٹ کر اپنے باطل مدعی کی موافقت کے لیے کی گئی ہیں نیز اس سے فرقۂ باطنیہ کی تاویلات وتفسیرات کا باطل ہونا بھی سمجھ میں آتا ہے جو نصوص کتاب اللہ میں ہیر پھیر کر کے اپنے مسلک کے اثبات میں کی گئی ہیں۔

اسی طرح حساب جمل کے ذریعہ مستخرج کیے ہوئے نکتے بھی اس قاعدہ کی رو سے قرآنیات سے خارج ہیں، نیز قرآن سے استنباط کردہ فقہی مسائل جو اصول عربیت کے موافق نہیں ہے اسی ضمن میں داخل ہیں اسی طرح بعض حضرات رسم عثمانی سے کچھ مسائل استنباط کرتے ہیں وہ بھی اس میں داخل ہیں۔

تطبیق مثال: (الف ملاحدہ کی تفسیروں کے چند نمونے:

(۱) هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَ هُدًى وَّ مَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۳۸﴾

(سورۃ آل عمران: ۱۳۸)

فرقۂ بیانیہ کا سرغنہ جس کا نام تھا ''بیان بن سمعان'' وہ کہا کرتا تھا کہ یہاں ''بیان'' سے میں ہی مراد ہوں۔

(۲) فرقۂ منصوریہ کا رئیس ابو منصور جس کا نام ''کسف'' تھا وہ کہا کرتا تھا ''وان یروا کسفا من السماء'' میں کسف سے مراد میں ہی ہوں۔

(۳) عبید اللہ شیعی جس کا لقب مہدی تھا اس کے دو درباری تھے جن سے وہ مدد لیا

کرتا تھا ایک کا نام ''نصر اللہ'' اور دوسرے کا نام ''فتح اللہ'' رکھا تھا اور کہتا تھا کہ ''اذا جاء نصر اللہ والفتح'' میں تمہارا ہی ذکر آیا ہے۔

(ب) استنباط مسائل میں تحریف آیات کے چند نمونے:

(۱) فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَ ثُلٰثَ وَ رُبٰعَ ۚ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۭ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَلَّا تَعُوْلُوْا ③ (سورۃ النساء: ۳)

ترجمہ: ''تو نکاح کرلو ان عورتوں سے جو تم کو پسند ہوں دو دو عورتوں سے اور تین تین عورتوں سے اور چار چار عورتوں سے''۔

بعض حضرات نے اس آیت سے نو عورتوں سے نکاح کے جواز پر استدلال کیا ہے اس طور پر کہ مثنیٰ سے دو اور ثلاث سے تین اور رباع سے چار اس طرح مجموعی طور پر کل نو عورتوں سے نکاح کی اباحت ثابت ہوتی ہے۔

یہ تفسیر عربیت کے اصول وقواعد سے میل نہیں کھاتی ہے اس لیے کہ اہل عرب مثنیٰ وثلاث وغیرہ جیسے اعداد میں ہر لفظ کا معنی انفراداً مراد لیتے ہیں سب کا ماحصل اور مجموعہ مراد نہیں لیتے۔

(۲) حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيْرِ۔

(سورۃ المائدۃ: ۳)

ترجمہ: ''تم پر حرام کیے گئے ہیں مردار اور خون اور خنزیر کا گوشت''۔

''لحم الخنزیر'' سے بعض لوگوں نے خنزیر کی چربی حلال ہونے پر استدلال کیا ہے یہ تفسیر اصول عربیت کے موافق نہیں ہے کیونکہ اہل عرب کبھی اعظم منافع کو ذکر کر کے کل شئی مراد لیتے ہیں اور یہ اسی قبیل سے ہے گوشت اعظم المنافع ہے اس لیے اس کا ذکر کیا گیا ورنہ مراد خنزیر کا ہر جزو ہے۔

(ج) اپنے مذہب کی موافقت کے لیے آیات میں تحریف کے نمونے:

(۱) وَ لَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ ۖ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا ۚ وَ لَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا ۚ وَ لَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا ؕ اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ﴿۱۷۹﴾

(سورۃ الاعراف:۱۷۹)

ترجمہ: ''اور ہم نے ایسے بہت سے جن اور انس دوزخ کے لیے پیدا کیے ہیں۔''

بعض منکرین تقدیر نے ''ولقد ذرانا لجھنم'' کی تفسیر ''القینا فی جھنم'' سے کی ہے اس طور پر کہ ''ذرأنا'' مہموز کو ''ذرنا'' معتل کے معنی میں قرار دیا جب کہ ''ذرأنا'' مہموز کے معنی ہیں پیدا کرنا اور ''ذری'' معتل کے معنی ہیں بکھیرنا، گرانا، ڈالنا، کیونکہ ''ذرأ'' کو اپنے معنی پر رکھا جائے تو تقدیر کا اثبات ہوتا ہے جس کے انکار پر ان کے مذہب کی بنیاد ہے۔

یہ تفسیر اصول عربیت سے بالکل منحرف ہے لہٰذا اس کا اعتبار نہیں ہے۔

(۲) وَ كَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا ﴿۱۶۴﴾ (سورۃ النساء:۱۶۴)

معتزلہ کا عقیدہ ہے کہ اللہ واجب الوجود انسانوں سے بالمشافہ کلام نہیں کرتا اس لیے انہوں نے آیت میں کلّم کو کلم بمعنی جرح سے مشتق مانا ہے اور آیت کی تفسیر یہ کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو حکمت کے پنجوں سے زخمی کیا۔

یہ تفسیر عربی اسلوب وقواعد سے معارض محض اپنے مذہب فاسد کی حمایت کے لیے کی گئی تحریف کا ایک نمونہ ہے اس کا قرآن سے کوئی تعلق نہیں۔

(د) باطنیہ کی تفسیر کے چند نمونے:

(۱) وَ وَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوٗدَ وَ قَالَ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ وَ اُوْتِيْنَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ ؕ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَضْلُ الْمُبِيْنُ ﴿۱۶﴾ (سورۃ النمل:۱۶)

ترجمہ: ''اور داؤد کی وفات کے بعد ان کے قائم مقام سلیمان ہوئے''۔

باطنیہ نے سلیمان (علیہ السلام) کی تفسیر ''امام'' سے کی ہے اور داؤد کی تفسیر ''علم نبی'' سے کی ہے یعنی امام علم نبی کے وارث ہوئے۔

اس فرقہ نے قرآن کی بہت سی آیات میں اس طرح کی تفسیریں کی ہیں جن کا الفاظ اور اصول عربیت سے کوئی واسطہ نہیں یہاں تک کہ قرآن میں وارد شدہ بعض کلمات کے معنی اپنی طرف سے متعین کر لیے ہیں جس سے ان کے مذہب کی تائید ہوتی ہے۔

چنانچہ لفظ غسل کی تفسیر ''تجدید عہد'' سے کرتے ہیں اور لفظ طہور کی تفسیر کرتے ہیں امام کی متابعت کے علاوہ ہر مذہب کے اعتقاد سے بیزاری کرنا۔

اسی طرح ان کے نزدیک صیام کا معنی ہے کشفِ سر سے رکنا۔

کعبہ کی تفسیر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے، باب کی تفسیر حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کرتے ہیں۔ اسی طرح صفا سے مراد نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور مروہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ لیتے ہیں۔

قاعدہ نمبر (۱۲۶)

كُلَّمَا عَظُمَ الْاِهْتِمَامُ كَثُرَ التَّاكِيْدُ۔

حاصل قاعدہ:

جو چیز جس قدر اہم ہوتی ہے اس میں اسی قدر زیادہ تاکید لائی جاتی ہے۔

تشریح:

یہ قاعدہ ماسبق میں گزر چکا ہے کہ اہل عرب کے یہاں جو بات اہم اور قابل اعتناء ہوتی ہے اس کو بصیغۂ تاکید ذکر کرتے ہیں اسی طرح جو مضمون جس قدر زیادہ اہم ہوتا ہے اسی قدر تاکید زیادہ لائی جاتی ہے، نیز معلوم ہونا چاہیے کہ کبھی مخاطب کے لحاظ

سے بھی تاکید کا اضافہ کیا جاتا ہے یعنی مخاطب کا انکار جس درجہ کا ہوتا ہے اسی اعتبار سے تاکید لائی جاتی ہے۔

مثال: وَاِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ ﴿١٠﴾ (سورۃ الانفطار:۱۰)

ترجمہ: ''اور تم پر تمہارے (سب اعمال) یاد رکھنے والے (فرشتے) مقرر ہیں''۔

یہاں اہمیت مضمون کے پیش نظر ''اِنَّ'' اور ''لام'' دو دو تاکیدیں لائی گئی ہیں۔

اشباہ ونظائر

(۱) اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِيْ نَعِيْمٍ ﴿١٣﴾ وَاِنَّ الْفُجَّارَ لَفِيْ جَحِيْمٍ ﴿١٤﴾

(سورۃ الانفطار:۱۳،۱۴)

ترجمہ: ''نیک لوگ بیشک آسائش میں ہوں گے اور بدکار (یعنی کافر) لوگ بیشک دوزخ میں ہوں گے''۔

(۲) وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿٤٣﴾ (سورۃ الحجر:۴۳)

ترجمہ: ''اور ان سب سے جہنم کا وعدہ ہے''۔

(۳) اِنَّ عَلَيْنَا لَلْهُدٰى ﴿١٢﴾ (سورۃ اللیل:۱۲)

ترجمہ: ''واقعی ہمارے ذمے راہ کا بتلانا ہے''۔

قاعدہ نمبر (۱۲۷)

لَا زَائِدَ فِي الْقُرْآنِ۔

(البحر المحیط فی اصول الفقہ ج ۱/ص ۴۵۹ وزارۃ الاوقاف والشؤن الاسلامیۃ)

حاصل قاعدہ:

قرآن چونکہ فصاحت و بلاغت کے اعلیٰ میعار کا ایک نمونہ ہے، اور حشو و زائد فصاحت و بلاغت کے منافی و معارض ہے کیونکہ زیادتی دو حال سے خالی نہیں یا تو ایسی زیادتی

ہوگی جس کا کوئی فائدہ نہ ہوگا یا ایسی زیادتی جو کسی فائدہ پر مشتمل ہوگی مگر اس کے حذف سے کلام میں کوئی خلل نہ پیدا ہو اور یہ دونوں قسمیں کلام کے نقائص میں ہیں اور جس طرح اللہ منزہ عن النقائص ہے اسی طرح اس کا کلام بھی منزہ ہے لہٰذا قرآن کو حشو و زائد سے پاک رکھا گیا۔

شبہ:

یہاں ایک شبہ ہوتا ہے کہ مفسرین کرام تو بہت سارے مواقع پر لکھتے ہیں ما زائدہ ہے باء زائدہ ہے من زائدہ ہے وغیرہ وغیرہ۔

جواب: مفسرین کا بعض کلمات کو زائدہ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ کلام کی مراد اصلی کے اعتبار سے وہ زائد ہیں یعنی اگر یہ حرف زائدہ نہ ہوتا تب بھی کلام کا معنی اصلی حاصل ہو جاتا ہے یہ مطلب نہیں ہے کہ ان کلمات (زائدہ) کا کوئی فائدہ نہیں ہے کیونکہ کلمہ زائدہ عموماً دوسرے معانی کے ساتھ تاکید کا فائدہ دیتا ہی ہے مثلاً فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ اور "عَمَّا قَلِيْلٍ لَّيُصْبِحُنَّ" ان دونوں آیتوں پر کلمہ ما زائد ہے مگر کسی نہ کسی معنی پر مشتمل ہے۔

قاعدہ نمبر (۱۲۸)

لَا يُبْحَثُ عَنْ مُبْهَمٍ اَخْبَرَ اللّٰهُ بِاسْتِئْثَارِهٖ بِعِلْمِهٖ۔

حاصل قاعدہ:

جس امر مبہم کے علم کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ساتھ خاص ہونے کی خبر دی ہو اس پر اطلاع کے درپے ہونا لا حاصل ہے۔

تشریح:

قرآن کریم میں بہت سی چیزوں کو اللہ رب العزت نے مبہم رکھا ہے اس کا علم مخلوق میں کسی کو نہیں دیا ایسے مبہمات دو قسم پر ہیں۔

پہلی قسم:

جن کے بارے میں خود اللہ تعالیٰ نے صراحت کردی ہو کہ اس کا علم میرے علاوہ کسی کے پاس نہیں جیسے یوں کہا لا یعلمہ الا اللہ وغیرہ۔

دوسری قسم:

ان مبہمات کی ہے جن کو اللہ نے فقط مبہم رکھا ہو اپنے ساتھ اختصاص علم کی صراحت نہ کی ہو۔

دونوں قسموں کے مبہمات کی تعیین وتفصیل اور اس کی جزئیات کے درپے ہونا تضیع اوقات کے سوا کچھ بھی نہیں، البتہ قسم اول کے متعلق تلاش وجستجو کرنا اور ہی زیادہ بے سود اور مذموم ہے کیونکہ جس امر کے علم سے متعلق خود اللہ نے نفی کردی ہو اس پر اطلاع پانا کسی طرح ممکن نہیں۔ پس ان مبہمات کے درپے رہنا علم الٰہی سے منازعہ ومقابلہ کے مترادف ہے۔

قاعدہ مذکورہ اسی قسم سے متعلق ہے۔

تطبیق مثال:

وَ اٰخَرِیْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ ۚ اَللّٰهُ یَعْلَمُهُمْ ؕ وَ مَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَیْءٍ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ یُوَفَّ اِلَیْكُمْ وَ اَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ﴿۶۰﴾

(سورۃ الانفال:۶۰)

ترجمہ: ''اور ان کے علاوہ دوسروں پر بھی جن کو تم (بالتعیین) نہیں جانتے ان کو اللہ ہی جانتا ہے''۔

آیت مذکورہ سے قبل وَ لَا یَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا سَبَقُوْا ؕ اِنَّهُمْ لَا یُعْجِزُوْنَ میں ان کفار کا بیان تھا۔ جو بدر کی لڑائی میں شرکت سے بچ نکلے تھے ان کے متعلق مومنین کو حکم دیا گیا ہے کہ ان کے خلاف ہر طرح کی طاقتیں اور قوتیں صرف کرو پھر

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''وآخرین من دونھم'' کہ ان کے علاوہ کفار کی ایک اور جماعت ہے مگر اس جماعت کی بابت اللہ تعالیٰ نے کچھ تفصیل وتبیین نہیں فرمائی بلکہ فرمایا: ''لا تعلمونھم اللہ یعلمھم'' کہ اس کا علم کے پاس ہے تمہیں نہیں ہے پس اس جماعت کے متعلق تحقیق وجستجو کرنا سعی لا حاصل ہے۔

اشباہ ونظائر

(۱) وَ مِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ مُنٰفِقُوْنَ ؕ وَ مِنْ اَهْلِ الْمَدِیْنَةِ ؔ مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ ۫ لَا تَعْلَمُهُمْ ؕ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ ؕ سَنُعَذِّبُهُمْ مَّرَّتَیْنِ ثُمَّ یُرَدُّوْنَ اِلٰى عَذَابٍ عَظِیْمٍ ۝ (سورۃ التوبۃ:۱۰۱)

ترجمہ: ''اور کچھ تمہارے گرد وپیش والے دیہاتیوں میں اور کچھ مدینہ والوں میں ایسے منافق ہیں کہ نفاق کی حد کمال پر پہنچے ہوئے ہیں کہ آپ (بھی) ان کو نہیں جانتے (کہ یہ منافق ہیں بس) ان کو ہم ہی جانتے ہیں''۔

آیت مذکورہ میں دو قسم کے منافقین کا بیان ہے۔

اول: وہ منافقین جن کا نفاق ان کے اقوال وافعال سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ظاہر ہو چکا تھا۔

دوم: وہ منافقین جن کے نفاق کی اطلاع آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں تھی اس گروہ کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا: لا تعلمھم نحن نعلمھم کہ ان کا علم ہمارے پاس ہے تمہیں نہیں ہے پس اب اس جماعت پر اطلاع پانے کے درپے ہونا سعی لا حاصل کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔

(۲) وَ الَّذِیْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ۛؕ لَا یَعْلَمُهُمْ اِلَّا اللّٰهُ ؕ

(سورۃ ابراہیم:۹)

ترجمہ: ''اور جو لوگ ان کے بعد ہوئے ہیں جن کو بجز اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا''۔

اس آیت کا سیاق یہ ہے کہ اس سے کفار مکہ کو قوم نوح، قوم عاد اور قوم ثمود کے واقعات وانجام سے عبرت دلائی گئی ہے: "اَلَمْ یَاْتِکُمْ نَبَؤُا الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ قَوْمِ نُوْحٍ وَّ عَادٍ وَّ ثَمُوْدَ" پھر اس کے بعد فرمایا کہ عاد وثمود کے بعد انہی کی ڈگر پر چلنے والی اور بھی قومیں ان کے بعد آئیں مگر اس قوم کے متعلق اللہ نے کچھ خبر نہیں دی بلکہ یوں کہا لا یعلمهم الا الله کہ اس کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں پس ان کے متعلق بحث وجستجو کرنا اللہ کے علم غیب پر اطلاع کے درپے ہونا ہے۔

قاعدہ نمبر (۱۲۹)

لَا یُقَدَّرُ مِنَ الْمَحْذُوْفَاتِ اِلَّا اَفْصَحُهَا اَوْ اَشَدُّهَا مُوَافَقَةً لِلْغَرَضِ۔

حاصل قاعدہ:

ایسے محذوفات مقدر مانے جائیں جو فصیح اور مقصود کے زیادہ موافق ہیں۔

علامہ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ نے اسی قاعدے کو ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا ہے:

"ولا یقدر من الحذوفات الا اشدها موافقة للغرض وافصحها"۔

(الاتقان فی علوم القرآن ج۲/ ص ۱۱۷ قدیمی کتب خانہ کراچی)

مثال: جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيٰمًا لِّلنَّاسِ

(سورۃ مائدہ:۹۷)

ترجمہ: "اللہ تعالیٰ نے کعبہ کو جو کہ ادب کا مکان ہے لوگوں کے قائم رہنے کا سبب قرار دے دیا"۔

بعض کے نزدیک تقدیر آیت "جعل الله نصب الكعبة" اور بعض کے نزدیک لفظ حرمة محذوف مان کر "جعل الله حرمة الكعبة" تقدیر بتائی ہے یہ دوسری تقدیر زیادہ بہتر ہے کیونکہ اس میں فصاحت اور مقصدیت اول سے زیادہ ہے۔

قاعدہ نمبر (۱۳۰)

لَا یَکُوْنُ الْقَسَمُ اِلَّا بِاسْمٍ مُعَظَّمٍ۔

(الاتقان فی علوم القرآن ج ۴ ص ۵۰ ۳ دارالفکر، البرہان فی علوم القرآن ج ۳ ص ۴۰ دارالمعرفۃ، روضۃ الطالبین ج ۸ ص ۲۴۳ المکتب الاسلامی)

حاصل قاعدہ:

معظم چیز ہی کی قسم کھائی جاتی ہے۔

تشریح:

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے اسمائے عظمیٰ کے ذریعہ سات مقامات پر قسم کھائی ہے اس کے علاوہ مقامات پر بعض مخلوقات کی بھی قسم بھی کھائی جیسے: "والتین والزیتون، والطور، والصافات، والشمس، واللیل، والضحی" وغیرہ اور جن چیزوں کی اللہ تعالیٰ نے قسم کھائی ہے ان میں سب سے زیادہ معظم اور مفخم وہ قسم ہے جو اس نے اپنی ذات کے ساتھ کھائی ہے۔

تطبیق:

وَالتِّیْنِ وَالزَّیْتُوْنِ ۝۱ وَطُوْرِ سِیْنِیْنَ ۝۲ وَھٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِیْنِ ۝۳

(سورۃ التین: ۱، ۲، ۳)

ترجمہ: "قسم ہے انجیر (کے درخت) کی اور زیتون (کے درخت) کی اور طور سینین کی اور اس امن والے شہر (یعنی مکہ معظّمہ) کی"۔

یہاں اللہ رب العزت نے انجیر، زیتون، طور سیناء، بلد امین کی قسم کھائی ہے پس یہ قسم ان اشیاء کے معظم ومحترم ہونے پر دال ہے۔

دیگر امثلہ

(۱) وَالنَّجْمِ اِذَا ھَوٰی ۝۱ (سورۃ النجم: ۱)

(۲) وَ الضُّحٰی ۙ وَ الَّیۡلِ اِذَا سَجٰی ۙ (سورۃ الضحیٰ:۱،۲)

(۳) وَ الۡفَجۡرِ ۙ وَ لَیَالٍ عَشۡرٍ ۙ وَّ الشَّفۡعِ وَ الۡوَتۡرِ ۙ وَ الَّیۡلِ اِذَا یَسۡرِ ۚ (سورۃ الفجر:۱ تا ۴)

امر کی تعریف:

امر وہ لفظ ہے جس کے ذریعے جزم کے ساتھ کسی چیز کا مطالبہ کیا جائے چاہے صیغۂ امر سے ہو جیسے: ''اقیموا الذین'' یا جملہ خبریہ سے ہو لیکن مقصود مطالبہ ہو جیسے: ''والوالدات یرضعن اولادھن حولین کاملین''۔

نہی کی تعریف:

نہی وہ لفظ خاص ہے جس میں کسی فعل سے جزم کے ساتھ روکا گیا ہو چاہے صیغۂ نہی سے ہو جیسے: ''لا تأکلوا اموالکم بینکم بالباطل'' یا لفظ نہی سے جیسے: ''ینھیٰ عن الفحشاء والمنکر والبغی'' یا امر کے صیغہ میں کسی بات سے روکا گیا ہو جیسے: ''وذروا لبیع'' یا تحریم کا لفظ استعمال کیا گیا ہو جیسے ''حرمت علیکم المیتة'' یا حلال ہونے کی نفی کی گئی ہو جیسے: ''ولا یحل لکم ان تأخذوا امما اتیتموھن شیئا''

قاعدہ نمبر (۱۳۱)

لَا یُمۡتَنُّ بِمَمۡنُوۡعٍ۔

حاصل قاعدہ:

شئ محظور کو مقام امتنان میں ذکر نہیں کیا جاتا۔

علامہ ابن قیم متوفی ۷۵۱ھ فرماتے ہیں:

''لا یصح الإمتنان بممنوع منه''۔

(بدائع الفوائد ج ر ۴ ص ر ۸۱۴ مکتبہ نزار مصطفی الباز، البرھان فی علوم القرآن ج ر ۲ ص ر ۱۴ دار المعرفۃ)

تشریح:

متعدد آیات میں اللہ تعالیٰ نے بندوں پر اپنے احسانات جتلائے ہیں اور جن امور کو لے کر احسان جتلایا ہے وہ تمام امور از قبیل مباح ہیں کیونکہ امر ممنوع کے ذریعہ احسان نہیں جتلایا جاتا۔

تطبیق مثال:

اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَ۝ ءَاَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗٓ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ۝ (سورۃ واقعہ: ۶۳، ۶۴)

ترجمہ: ''اچھا پھر یہ بتلاؤ کہ تم جو کچھ (تخم وغیرہ) بوتے ہو اس کا تم اگاتے ہو یا ہم اُگانے والے ہیں؟ اگر ہم چاہیں تو اس (پیداوار) کو چورا چورا کر دیں''۔

یہاں زراعت کو مقام امتنان میں ذکر کیا گیا ہے لہٰذا اس سے اس کی اباحت ثابت ہوتی ہے۔

قاعدہ نمبر (۱۳۲)

لَایَحِلُّ الْقَوْلُ فِيْ أَسْبَابِ النُّزُوْلِ إِلاَّ بِالرِّوَايَةِ وَ السِّمَاعِ مِمَّنْ شَاهَدُوْ التَّنْزِيْلَ وَ وَقِفُوْا عَلَى الْأَسْبَابِ۔

(اسباب النزول للواحدی ص ۸ رمؤسسۃ الریان للطباعۃ والنشر، العجاب فی بیان الاسباب ج ۱ر ص ر ۱۹۶ دار ابن الجوزی الدمام)

حاصل قاعدہ:

شانِ نزول کا دار مدار نقل وسماع پر ہے۔

تشریح:

یعنی جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آیت کے نزول کے وقت موجود تھے چوں کہ وہ

جانتے ہیں کہ آیت کس پس منظر اور حالات کے تحت نازل ہوئی ہے، ان ہی سے شانِ نزول کی بابت معلومات حاصل کی جاسکتی ہیں، عقل وقیاس کا اس میں کوئی دخل نہیں ہے۔

تطبیق مثال:

''وَلَيْسَ الْبِرُّ بِأَنْ تَأْتُوا الْبُيُوتَ مِنْ ظُهُورِهَا۔''

(البقرۃ:۱۸۹)

اس آیت کے شانِ نزول کا علم حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی مندرجہ ذیل روایت سے ہوتا ہے جو صحیحین میں مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ:

''سمعت البراء رضی اللہ عنہ یقول نزلت ہذہ الآیۃ فینا کانت الأنصار اذا حجوا فجاء وا لم یدخلوا من قبل أبواب بیوتھم ولکن من ظھورھا فجاء رجل من الأنصار فدخل من قبل بابہ فکانہ غیر بذالک فنزلت لیس البر۔''

(صحیح البخاری ج ۲ ص ۶۳۹ دار ابن کثیر یمامہ، سنن البیہقی الکبری ج ۵ ص ۲۶۱ مکتبۃ دار الباز مکہ مکرمۃ، الجمع بین الصحیحین ج ۱ ص ۵۳۱ دار ابن حزم لبنان)

انصار حج کا احرام باندھ لیتے پھر کسی ضرورت سے گھر آنا ہوتا تو سامنے کے دروازوں سے نہیں داخل ہوتے تھے بلکہ پشت کی طرف نقب لگا کر آیا کرتے تھے ایک مرتبہ ایک انصاری صحابی سامنے کے دروازہ سے مکان میں داخل ہو گئے تو لوگوں نے ان کو عار دلایا اس موقع پر یہ آیت ''لیس البر'' نازل ہوئی۔

قاعدہ نمبر (۱۳۳)

لِكُلِّ حَرْفٍ مِنْ حُرُوفِ الْمَعَانِي وَجْهٌ هُوَ أَوْلَى بِهِ مِنْ غَيْرِهِ فَلَا يَجُوزُ تَحْوِيلُ ذٰلِكَ عَنْهُ إِلَى غَيْرِهِ إِلَّا بِحُجَّةٍ۔

(تفسیر طبری ج ۱ ص ۱۳۱ دار الفکر)

حاصل قاعدہ:

حروف معانی میں ہر حرف کا ایک متعین معنی ہے وہی معنی اولیٰ اور مقدم ہوگا بغیر دلیل کے اس سے عدول جائز نہیں ہوگا۔

تشریح:

حروف دو طرح کے ہیں۔(۱) حروف مبانی۔(۲) حروف معانی۔

حروف مبانی: ان حروف کو کہا جاتا ہے جن سے کلمات کی ساخت وجود میں آتی ہے ان کا کوئی معنی نہیں ہوتا۔

حروف معانی: ان حروف کو کہتے ہیں جن کا کوئی مستقل اور متعین معنی ہو۔

فائدہ:

حروف معانی اور ان کے تفصیلات کا جاننا ایک مفسر کے لیے بے حد ضروری ہے کیونکہ ایک حرف مختلف شکلوں میں مختلف معانی میں استعمال کیا جاتا ہے، اور بسا اوقات معانی کی صحیح واقفیت کلام کی صفت تضمین کی معرفت پر موقوف ہوتی ہے، اس لیے یہاں تضمین کی کسی قدر وضاحت ضروری ہے۔

تضمین کی تعریف وتقسیم: ایک کلمہ میں دوسرے کلمہ کا معنی شامل کر دیا جائے اور یہ تضمین اسم، فعل، حرف تینوں کلموں کے اندر پائی جاتی ہے۔

تضمین اسم: ایک اسم میں دوسرے اسم کا معنی شامل کر دیا جائے تا کہ وہ اسم دونوں معنوں کو بیک وقت متضمن ہو۔

تضمین فعل: ایک فعل دوسرے فعل کے معنی کو متضمن ہو پھر وہ فعل بیک وقت دونوں معنی کو متضمن ہو بایں طور کہ وہ فعل عادۃً جس حرف کے ساتھ متعدی ہوتا ہے اس کی بجائے دوسرے حرف کے ساتھ متعدی ہو۔

تضمین حرف: ایک حرف دوسرے حرف کے معنی کو شامل ہو جیسے ''علی'' کا ''فی'' کے معنی کو شامل ہونا۔

مثال: وَاِذَا خَلَوْا اِلٰی شَیٰطِیْنِهِمْ (سورہ بقرہ:۱۴)

ترجمہ: ''اور جب خلوت میں پہنچتے ہیں اپنے شریر سرداروں کے پاس''۔

خلاء باصلہ کے ساتھ متعدی ہوتا ہے مگر یہاں بصلہٗ الی متعدی ہے اس لیے کہ ''خَلَوْا اِلٰی شَیٰطِیْنِهِمْ'' یہاں ''صرفوا خلاءهم الی شیاطینهم'' کے معنی میں ہے اس اعتبار سے ''الی'' کے علاوہ اس مقام پر دوسرے کا استعمال درست نہیں ہے کیونکہ ''الی'' کا ایک متعین معنی ہے جس سے عدول بغیر دلیل کے جائز نہیں۔

دیگر امثلہ

(۱) عَیْنًا یَّشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللّٰهِ یُفَجِّرُوْنَهَا تَفْجِیْرًا ۝

(سورۃ الدھر:۶)

ترجمہ: ''یعنی ایسے چشمہ سے (پئیں گے) جس سے اللہ تعالیٰ کے خاص بندے پئیں گے''۔

یہاں ''یشرب'' فعل کا صلہ ''ب'' آیا ہے جب کہ ''یشرب'' کا صلہ ''من'' آیا کرتا ہے پس یا تو ''ب''، ''من'' کے معنی میں ہے یا یشرب ''یرتوی'' یا ''یتلذذ'' کے معنی کو متضمن ہے۔ اور قاعدہ مذکورہ کی رو سے یہی دوسری وجہ راجح ہے کیونکہ اس میں ''یشرب'' بیک وقت شرب اور استلذاذ دونوں معنوں کو متضمن ہورہا ہے اور ''ب'' اپنے معنی معین میں مستعمل ہے۔

(۲) ''اُحِلَّ لَکُمْ لَیْلَةَ الصِّیَامِ الرَّفَثُ اِلٰی نِسَآئِکُمْ''

(سورۃ البقرۃ:۱۸۷)

ترجمہ: ''تم لوگوں کے لیے روزے کی شب میں اپنی بیبیوں سے مشغول ہونا حلال کر دیا گیا''۔

''رفث الی'' صلہ کے ساتھ نہیں آیا کرتا مگر ''رفث'' یہاں افضاء کے معنی کو متضمن ہے پس ''الی'' اپنے اصلی معنی میں ہے اور ''رفث'' میں تضمین ہے۔

(۳) فَقُلْ هَلْ لَّكَ اِلٰٓى اَنْ تَزَكّٰى ﴿۱۸﴾ (سورہ النازعات:۱۸)

ترجمہ:''کیا تجھ کو اس بات کی خواہش ہے کہ تو درست ہو جائے''۔

یہاں ''الی'' ''ان ادعوک'' کے معنی کو متضمن ہے۔

(۴) وَهُوَ الَّذِىْ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ (سورۃ الشوریٰ:۲۵)

ترجمہ:''اور وہ ایسا (رحیم) ہے جو اپنے بندہ کی توبہ قبول کرتا ہے''۔

تاب کا صلہ ''عن'' نہیں آیا کرتا مگر یہاں ''تاب'' ''عفا و صفح'' کے معنی کو متضمن ہے اور ان دونوں کا صلہ ''عن'' آتا ہے پس ''عن'' اپنے معنی میں ہے۔

(۵) الَّذِيْنَ يَسْتَحِبُّوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ وَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ يَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ؕ اُولٰٓئِكَ فِىْ ضَلٰلٍۢ بَعِيْدٍ ﴿۳﴾

(سورہ ابراھیم:۳)

ترجمہ:''ان (کافروں) کو جو دنیاوی زندگانی کو آخرت پر ترجیح دیتے ہیں''۔

یہاں ''علی'' اپنے معنی حقیقی میں مستعمل ہے اور ''یستحبون، یؤثرون'' کے معنی کو متضمن ہے۔

قاعدہ نمبر (۱۳۴)

لَمْ يَقَعْ فِىْ كِتَابِ اللّٰهِ تَكْرَارٌ بَيْنَ مُتَجَاوِرَيْنِ۔

حاصل قاعدہ:

قرآن کریم میں بلا فصل تکرار واقع نہیں ہے۔

علامہ ابو الفضل عمر بن مسعود نے شعر میں اسی قاعدے کی طرف اشارہ کیا ہے:

لم یأت فی وحی الإله المکرر　　　بین المُجاوِرَینِ حقا حَرَّرُوْا

(نشر العبیر فی منظومۃ قواعد التفسیر ج ۱ ص ۹۸)

قرآن مجید میں کہیں دو آیتیں ایسی نہیں ہیں جو یکے بعد دیگرے ایک ہی الفاظ میں اسی معنے کے ساتھ لوٹائی گئی ہوں ہاں البتہ دونوں آیتوں کے درمیان کوئی جملہ معترضہ یا ماقبل سے مختلف مضمون پر مشتمل آیت واقع ہوئی ہو تو اس طرح کا تکرار واقع ہوا ہے۔

قاعدہ نمبر (۱۳۵)

مَافِیْ جِسْمِ الإنْسَانِ مِنْ أَجْزَاءٍ مُفْرَدَۃٍ لاَ تَتَعَدَّدُ إذَا ضُمَّ اِلَیْهَا مِثْلُهَا جَازَ فِیْهَا ثَلاَثَۃُ اَوْجُهٍ۔

اول: اَلْجَمْعُ وَ هُوَ الاَکْثَرُ وَ الاَفْصَحُ ۔الثانی: اَلتَّثْنِیَۃُ۔ الثالث: اَلإفْرَادُ۔

حاصل قاعدہ:

انسان کے جسم میں جو عضو طاق ہے یعنی جفت نہیں ہے (مثلاً سر، ناک، پیٹ، دل) اگر ان اعضاء میں سے کسی کی اضافت دو شخصوں کی طرف کرنی ہو مثلاً کہنا ہو کہ "تم دونوں کا سر، تم دونوں کی ناک تو جائز ہے کہ اس عضو کو واحد، تثنیہ، جمع تینوں شکلوں میں استعمال کریں لیکن جمع کے ساتھ استعمال کرنا افصح و ابلغ و اشہر ہے مثلاً یہ کہنا صحیح ہوگا:

رأسکما، راسا کما، رؤسکما مگر آخر الذکر ابلغ ہے۔

علامہ ابو الفضل عمر بن مسعود نے ان اشعار میں اس قاعدے کو بیان کیا ہے:

ما فی البدن إن أفردت أجزاؤہ　　　ما لا تعدد فیه أو أعضاؤہ

إن ضَمّ (فعلا) ذا إلیها مثلُها　　　نوعُ الثلاثه مَن إلیها یُنتهی

جَمْعٌ و هو الأکثر و الأفصح　　　تثنیة إفرادہ ذا الأرجَعُ

(نشر العبیر فی منظومۃ قواعد التفسیر ج ۱ ص ۷۹)

مثال: قرآن کریم میں ہے:

اِنْ تَتُوْبَآ اِلَى اللّٰهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا ۚ وَاِنْ تَظٰهَرَا عَلَيْهِ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰىهُ وَ جِبْرِيْلُ وَ صَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ وَ الْمَلٰٓئِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِيْرٌ ۝ (سورۃ تحریم: ۴)

قاعدہ نمبر (۱۳۶)

مَتٰى جَاءَ تْ "بَلٰى" اَوْ "نَعَمْ" بَعْدَ كَلَامٍ يَتَعَلَّقُ بِهَا الْجَوَابُ وَلَيْسَ قَبْلَهَا مَا يَصْلَحُ اَنْ يَكُوْنَ جَوَابًا لَهُ فَاعْلَمْ اَنَّ هُنَاكَ سُوَالًا مُقَدَّرًا لَفْظُهُ لَفْظُ الْجَوَابِ۔

(البرہان فی علوم القرآن ج ر ۴ ص ر ۲۶۴ دار المعرفۃ بیروت)

حاصل قاعدہ:

بلٰی اور نعم جو الفاظ جواب میں سے ہیں اگر یہ ایسے کلام کے بعد آئیں جو کلام اس قابل نہ ہو کہ اس کا جواب بن سکے تو سمجھ لو کہ وہاں کوئی سوال مقدر ہے جس کا یہ جواب ہے۔

مثال: بَلٰى ۚ مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَ هُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗٓ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۪ وَ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ لَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ (سورۃ بقرۃ: ۱۱۲) یہاں سوال مقدر ہے الیس من اسلم وجهه لله له اجره عند ربه الخ۔

ترجمہ: "جو کوئی شخص بھی اپنا رخ اللہ کی طرف جھکا دے اور وہ مخلص بھی ہو تو ایسے شخص کو اس کا عوض ملتا ہے اس کے پروردگار کے پاس پہنچ کر"۔

مثال: (۲) بَلٰى مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَّ اَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْٓئَتُهٗ (سورۃ بقرۃ: ۸۱)

ترجمہ: "کیوں نہیں جو شخص قصدا بری باتیں کرتا رہے اور اس کو اس کی خطا اور قصور اس طرح احاطہ کرے (کہ کہیں نیکی کا اثر تک نہ رہے)"

یہاں بھی سوال مقدر ہے یعنی الیس من کسب سیئة۔۔۔الخ کے جواب میں بلی من کسب سیئة وارد ہے۔

قاعدہ نمبر (۱۳۷)

مَتیٰ عَلَّقَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عِلْمَہٗ بِالامُوْرِ بَعْدَ وُجُوْدِھا کَانَ الْمُرَادُ بِذٰلِکَ اَلْعِلْمِ الَّذِیْ یَتَرَتَّبُ علیہ الجزاءُ۔

(القواعد الحسان فی تفسیر القرآن ج/۱ص/۱۰۲ مکتبہ مشکاۃ الاسلامیۃ)

حاصل قاعدۃ:

جب اللہ تعالیٰ کسی فعل کے وجود پر اپنے علم کو موقوف کریں تو مراد اس سے اس فعل کا انجام (جزاء وسزاء) مرتب کرنا ہوتا ہے۔

تشریح:

اللہ تعالیٰ کا علم ہر شئی کو محیط ہے خواہ وہ شئی وجود میں آ چکی ہو یا ابھی معدوم ہو پھر بھی کہیں کہیں کسی شئی کے وجود پر اپنے علم کا موقوف ہونا ظاہر کرتے ہیں یعنی یوں کہتے ہیں کہ ہم نے ایسا اس لیے کیا تا کہ ہم یہ جان لیں تو ایسی جگہوں پر یہ شبہ ہوتا ہے کہ کیا اللہ تعالیٰ اس کام سے پہلے نہیں جانتے تھے۔

تو اس کا جواب اس قاعدہ سے نکلتا ہے کہ اس قسم کے مواقع پر علم سے مراد اس کا جاننا نہیں ہوا کرتا بلکہ اس کی جزا وسزا اور نتیجہ کو مرتب کرنا ہوتا ہے۔ پس ''ہم جان لیں'' کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم اس پر نتیجہ کو مرتب کریں اور نتیجہ اگر چہ اللہ کے علم ازلی ابدی میں معلوم و معین ہے مگر چونکہ اللہ تعالیٰ نتائج افعال، اعمال کے وجود میں آنے کے بعد ہی مرتب فرماتے ہیں۔ لہٰذا نتیجہ کو صدور عمل پر موقوف کر دیتے ہیں۔

مثال مع تطبیق:

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَیَبْلُوَنَّكُمُ اللّٰهُ بِشَیْءٍ مِّنَ الصَّیْدِ تَنَالُهٗٓ

اَيۡدِيۡكُمۡ وَ رِمَاحُكُمۡ لِيَعۡلَمَ اللّٰهُ مَنۡ يَّخَافُهٗ بِالۡغَيۡبِ ۚ فَمَنِ اعۡتَدٰى بَعۡدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيۡمٌ ﴿۹۴﴾ (سورۃ المائدۃ: ۹۴)

ای لیجزی من یخافه۔

ترجمہ: ''اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ قدرے شکار سے تمہارا امتحان کرے گا جن تک تمہارے ہاتھ اور تمہارے نیزے پہنچ سکیں گے تا کہ اللہ تعالیٰ معلوم کرے کہ کون شخص اس سے بن دیکھے ڈرتا ہے''۔

دیگر امثلہ

(۱) وَ مَا جَعَلۡنَا الۡقِبۡلَةَ الَّتِىۡ كُنۡتَ عَلَيۡهَآ اِلَّا لِنَعۡلَمَ مَنۡ يَّتَّبِعُ الرَّسُوۡلَ مِمَّنۡ يَّنۡقَلِبُ عَلٰى عَقِبَيۡهِ ؕ وَاِنۡ كَانَتۡ لَكَبِيۡرَةً اِلَّا عَلَى الَّذِيۡنَ هَدَى اللّٰهُ ؕ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيۡعَ اِيۡمَانَكُمۡ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوۡفٌ رَّحِيۡمٌ ﴿۱۴۳﴾ (سورۃ البقرۃ: ۱۴۳)

ترجمہ: ''اور جس (سمت) قبلہ پر آپ رہ چکے ہیں (یعنی بیت المقدس) وہ تو محض اس لیے تھا کہ ہم کو معلوم ہو جائے کہ کون رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع اختیار کرتا ہے اور کون پیچھے کو ہٹتا جاتا ہے''۔

(۲) وَ اَنۡزَلۡنَا الۡحَدِيۡدَ فِيۡهِ بَاۡسٌ شَدِيۡدٌ وَّ مَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَ لِيَعۡلَمَ اللّٰهُ مَنۡ يَّنۡصُرُهٗ وَ رُسُلَهٗ بِالۡغَيۡبِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ قَوِىٌّ عَزِيۡزٌ ﴿۲۵﴾ (سورۃ الحدید: ۲۵)

ترجمہ: ''اور ہم نے لوہے کو پیدا کیا جس میں شدید ہیبت ہے اور (اس کے علاوہ) لوگوں کے اور بھی طرح طرح کے فائدے ہیں اور (اس لیے لوہا پیدا کیا)

تاکہ اللہ تعالیٰ جان لے کہ بغیر دیکھے اس کے اور اس کے رسولوں کی (یعنی دین حق) کون مدد کرتا ہے"۔

(۳) وَ لَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ لَيَعْلَمَنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ ⑪

(سورۃ العنکبوت: ۱۱)

ترجمہ: "اور (یہ واقعات اس لیے ہوتے رہتے ہیں کہ) اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو معلوم کر کے رہے گا اور منافقوں کو بھی معلوم کر کے رہے گا"۔

قاعدہ نمبر (۱۳۸)

"اَلْمُقَرَّرُ فِیْ عِلْمِ الْحَدِیْثِ اَنَّ تَفْسِیْرَ الصَّحَابِیِّ الْمُتَعَلِّقَ بِسَبَبِ النُّزُوْلِ لَهٗ حُکْمُ الرَّفْعِ کَمَا اَشَارَ لَهٗ صَاحِبُ طَلْعَةِ الْاَنْوَارِ بِقَوْلِهٖ"۔

تَفْسِیْرُ صَاحِبٍ لَهٗ تَعَلُّقٌ بِالسَّبَبِ الرَّفْعِ لَهٗ مُتَحَقِّقٌ

(اضواء البیان فی ایضاح القرآن بالقرآن ج ۳ ص ۷۵ ۳ عالم الکتب)

حاصل قاعدہ:

صحابی کی وہ تفسیر جس کا تعلق شان نزول کے ساتھ ہو یہ تفسیر حدیث مرفوع کے حکم میں ہے۔

توضیح قاعدہ:

شانِ نزول کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) صریح۔ (۲) غیر صریح۔

صریح:

جس میں راوی شانِ نزول ہونے کی صراحت کر دے مثلاً یوں کہے:

"سبب نزول هذه الآیة كذا"

یا کوئی واقعہ یا سوال ذکر کرے اس کے بعد کہے:

"فنزلت" یا "ونزلت" یا "ثم نزلت"

یا یوں کہے:

"فاوحی اللہ الی نبیہ"۔

غیر صریح:

جس میں صحابی یوں کہے "نزلت الآیة فی کذا" یعنی شانِ نزول ہونے کی تصریح نہ کرے ایسی روایات میں شانِ نزول اور آیت کی تفسیر دونوں کا احتمال ہوتا ہے، اس لیے مذکورہ قاعدہ قسم اول سے متعلق ہے۔ قسم ثانی پر انطباق کے سلسلے میں اختلاف ہے، یعنی غیر صریح سببِ نزول کو شانِ نزول قرار دیا جائے گا یا نہیں، یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے۔

فائدہ:

کبھی شانِ نزول کی صراحت ایک روایت میں نہیں ہوتی مگر دوسری روایت میں صراحت آ جاتی ہے، یہ بھی قسم اول میں داخل ہے۔

لہٰذا شانِ نزول کی معرفت کے لیے تمام روایات کا استقرا اور تفحص ضروری ہے۔

تنبیہ:

مذکورہ قاعدہ اغلبی اور اکثری ہے کبھی روای کوئی قصہ ذکر کر کے "فنزلت" یا "فکنا نقول و فیہ نزلت" وغیرہ کے الفاظ ذکر کرتا ہے مگر وہ شانِ نزول نہیں ہوتا ہے۔

تطبیق امثلہ

مثال بر جزء اول:

جس میں شانِ نزول ہونے کی صراحت ہو۔

قَدْ نَرٰی تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ ۚ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰهَا

(سورۃ بقرۃ: ۱۴۴)

ترجمہ: ''ہم آپ کے منہ کا (یہ) بار بار آسمان کی طرف اٹھنا دیکھ رہے ہیں اس لیے ہم آپ کو اسی قبلے کی طرف متوجہ کردیں گے جس کے لیے آپ کی مرضی ہے''۔

اس کے شانِ نزول کے متعلق حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''صلينا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم بعد قدومه المدينة سبعة عشر شهرا نحو بيت المقدس ثم علم الله عز وجل هوى نبيه صلى الله عليه وسلم فنزلت قد نرى تقلب۔۔۔الآية''۔

(سنن دار القطنی ج ۱ ص ۲۷۳ دار المعرفۃ بیروت)

ترجمہ: ''ہم نے مدینہ منورہ پہنچ کر سترہ مہینے بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھی، لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا منشاء کچھ اور دیکھا (یعنی یہ کہ قبلہ بیت اللہ کو بنادیا جائے) تو اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی: ''قد نرى تقلب۔۔۔الآية''

اس روایت میں قصہ ذکر کرنے کے بعد راوی نے کہا: ''فنزلت'' پس اس کا سببِ نزول ہونا متعین ہوگیا۔

مثال بر جزءِ ثانی:

(شانِ نزول غیر صریح ہو)

أخرج البخاري بسنده عن حذيفه رضي الله تعالىٰ عنه في قوله تعالىٰ: وانفقوا في سبيل الله ولا تلقوا بايديكم قال نزلت في النفقة

(صحیح البخاری ج ۲ ص ۶۴۸ قدیمی کتب خانہ کراچی، صحیح ابن حبان ج ۱۳ ص ۱۶ مؤسسۃ الرسالۃ، المستدرک علی الصحیحین ج ۲ ص ۹۴ دار الکتب العلمیۃ)

اس میں ایک احتمال یہ ہے کہ سببِ نزول ہو اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ ''نزلت في النفقة'' کہہ کر آیت کی مراد بتلائی جارہی ہے کہ اس کی تفسیر یہ ہے کہ اس کا تعلق مسئلہ نفقہ سے ہے۔

مثال بر جزءِ ثالث:

(بعض روایات میں سببِ نزول کی صراحت ہو بعض میں نہ ہو)

كانت اليهود تقول اذا اتى الرجل امرأته من دبرها فى قبلها كان الولد احول فنزلت نساؤكم حرث لكم۔

(صحیح مسلم ج/۴ ص ۱۵۶ دار الجیل بیروت، السنن الکبری للبیہقی ج/۲ ص ۴۵۱ مجلس دائرۃ المعارف حیدر آباد دکن)

اس روایت میں سبب نزول کی صراحت موجود ہے جب کہ مسند احمد کی روایت میں سبب نزول کی صراحت موجود نہیں ہے دیکھئے۔

(مسند امام احمد بن حنبل ج/۶ ص ۳۱۸ موسسۃ قرطبۃ قاہرۃ)

اس آیت کے متعلق دو طرح کی روایات ہیں بعض میں سببِ نزول کی صراحت ہے بعض میں نہیں۔

قاعدہ نمبر (۱۳۹)

مِنْ شَأْنِ الْعَرَبِ اِذَا أَرَادَتْ بَيَانَ الْوَعْدِ اَوِ الْوَعِيْدِ عَلٰى فِعْلٍ اَنْ تُخْرِجَ اَسْمَاءَ أَهْلِهٖ بِذِكْرِ الْجَمِيْعِ أَوِ الْوَاحِدِ دُوْنَ الِاثْنَيْنِ اِلَّا اِذَا كَانَ الْفِعْلُ اِنَّمَا يَقَعُ مِنْ اِثْنَيْنِ۔

حاصل قاعدہ:

اہل عرب وعدہ یا وعید کو صیغۂ واحد یا جمع کے ذریعہ بیان کرتے ہیں، صیغۂ تثنیہ کے ساتھ نہیں بیان کرتے مگر یہ کہ فعل ہی ایسا ہو جس کا وجود دو کے بغیر ناممکن ہو۔

تشریح مع مثال:

اہل عرب ایسا تو کہتے ہیں کہ ''الذين يفعلون كذا فلهم كذا و الذى يفعل كذا فله كذا'' لیکن ''الذان يفعلان كذا فلهما كذا'' نہیں کہتے الا یہ کہ فعل کا وقوع دو

کے بغیر ناممکن ہو جیسے زنا اس کی وعید کو بیان کرتے ہوئے قرآن کہتا ہے:

وَالَّذٰنِ يَأْتِيٰنِهَا مِنْكُمْ فَاٰذُوْهُمَا ۚ فَاِنْ تَابَا وَاَصْلَحَا فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمَا ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ⑯ (سورۂ نساء:۱۶)

قاعدہ نمبر (۱۴۰)

مِنْ شَأْنِ الْعَرَبِ اِذَا تَطَاوَلَتْ صِفَةُ الْوَاحِدِ الْاِعْتِرَاضُ بِالْمَدْحِ وَالذَّمِ بِالنَّصْبِ اَحْيَانًا وَبِالرَّفْعِ أَحْيَانًا۔

(تفسیر طبری ج ر ۳ ص ۳۵۲ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت، تفسیر ثعلبی ج ر ۳ ص ۱۴۴ دار احیاء التراث العربی)

حاصل قاعدہ:

جب کسی شئ کی توصیف میں تطویل مقصود ہوتی ہے تو اہل عرب اعراب میں تبدیلی لا کر کبھی منصوب اور کبھی مرفوع عبارت پیش کرتے ہیں۔

تشریح:

ایسا اس لیے کرتے ہیں تا کہ اختلاف اعراب سے معانی متنوعہ ومتفننہ کی طرف اشارہ ہو اور سامع کی تنشیط طبع کا باعث ہو۔

مثال ۱: وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ۚ وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ⑰⑰ (سورہ بقرہ:۱۷۷)

ترجمہ: ''اور جو اشخاص اپنے عہدوں کو پورا کرنے والے ہوں جب عہد کرلیں اور (وہ لوگ) مستقل رہنے والے ہیں تنگ دستی میں اور بیماری میں اور قتال میں''۔

''وَالصّٰبِرِيْنَ'' یہاں اہل ایمان کی صفات کی تطویل وتفصیل مقصود تھی تو

اعراب میں تبدیلی کا لحاظ کیا گیا، چنانچہ رفع کے بعد نصب اختیار کرتے ہوئے ''والموفون بعهدهم'' کے بعد ''والصابرین'' لایا گیا۔

(۲) لٰكِنِ الرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ مِنْهُمْ وَ الْمُؤْمِنُوْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَ مَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَ الْمُقِيْمِيْنَ الصَّلٰوةَ وَ الْمُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَ الْمُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ اُولٰٓئِكَ سَنُؤْتِيْهِمْ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۱۶۲﴾ (سورہ نساء: ۱۶۲)

ترجمہ: ''لیکن ان میں جو لوگ علم (دین) میں پختہ ہیں اور جو (ان میں) ایمان لے آنے والے ہیں وہ اس (کتاب) پر بھی ایمان لاتے ہیں جو آپ کے پاس بھیجی گئی اور (اس پر بھی ایمان رکھتے ہیں) جو آپ سے پہلے بھیجی گئی تھیں اور جو (ان میں) نماز کی پابندی کرنے والے ہیں اور جو (ان میں) زکوٰۃ دینے والے ہیں''۔

قاعدہ نمبر (۱۴۱)

مِنْ شَأْنِ الْعَرَبِ اِذَا خَاطَبَتْ اِنْسَانًا وَ ضَمَمَتْ اِلَيْهِ غَائِبًا فَأَرَادَتِ الْخَبَرَ عَنْهُ، أَنْ تُغَلِّبَ الْمُخَاطَبَ، فَيَخْرُجُ الْخَبَرُ عَنْهُمَا عَلٰى وَجْهِ الْخِطَابِ۔

(تفسیر طبری ج ۶ ص ۲۷۲ دار الفکر)

حاصل قاعدہ:

اہلِ عرب بسا اوقات ایسا کرتے ہیں کہ جب کسی خبر میں مخاطب و غائب دونوں جمع ہو جاتے ہیں تو مخاطب کو غلبہ دیتے ہوئے صیغۂ خطاب استعمال کرتے ہیں، اور یہ خبر غائب کی طرف سے بھی کافی ہو جاتی ہے۔

مثال: وَ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۴۳﴾ (سورۃ بقرۃ: ۱۴۳)

ترجمہ: ”اور اللہ تعالیٰ ایسے نہیں ہیں کہ تمہارے ایمان کو ضائع کر دیں واقعی اللہ تعالیٰ تو لوگوں پر بہت ہی شفیق مہربان ہے“۔

تشریح:

”اِیْمَانَکُمْ“ مذکورہ آیت کریمہ تحویل قبلہ من بیت المقدس الی الکعبة کے موقع پر نازل ہوئی اس موقع پر مسلمانوں کو یہ سوال ہوا کہ ہمارے مسلمان بھائیوں کی نمازوں کا کیا ہوگا، جو بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے پڑھتے اس دنیا سے چل بسے تو آیت نازل ہوئی کہ اللہ تعالیٰ تمہاری نمازوں کو ضائع نہیں کرے گا، اور اس میں گذرے ہوئے مسلمانوں کی نمازوں کے بارے میں بتادیا کہ ان کی نمازیں ضائع نہیں ہوئیں بلکہ ان کا اجر ان کو ملے گا، یہاں بیان ان مومنین کا چل رہا ہے جو اس دنیا سے گذر گئے اس لحاظ سے غائب کا صیغہ استعمال کرنا مناسب تھا، مگر چونکہ حاضرین اور زندوں کو بھی اپنی نمازوں کے متعلق اندیشہ تھا اس لیے ان حاضرین کو غائبین پر غلبہ دیتے ہوئے خطاب کا صیغہ استعمال کیا گیا مذکورہ بالا قاعدہ کی رو سے۔

قاعدہ نمبر (۱۴۲)

مِنْ شَأْنِ الْعَرَبِ إِضَافَةُ أَفْعَالِ الْأَسْلَافِ إِلَى الْأَبْنَاءِ وَ خِطَابِ الْأَبْنَاءِ وَ إِضَافَةُ الْفِعْلِ إِلَيْهِمْ وَ هُوَ لِآبَائِهِمْ۔

حاصل قاعدہ:

اہل عرب کا معمول ہے کہ آباء کے افعال کو ابناء کی طرف منسوب کرتے ہیں۔

اضاف فعل الآباء الى الأبناء فى تعييرهم بفعل الآباء فقال ”ثم

اتخذتم العجل" و اذ قتلتم نفسا" خاطب به الیهود الذین کانوا فی عهد النبی صلی اللہ علیہ وسلم و کان ذلک الفعل من آبائهم"

(معالم التنزیل بغوی ج ر ۳ ص ۱۴۳ دار طیبۃ للنشر والتوزیع تفسیر ثعلبی ج ر ۴ ص ۱۶۳ دار احیاء التراث العربی)

علامہ ابن عادل حنبلی متوفی ۸۸۰ھ فرماتے ہیں:

"اضاف فعل الآباء الی الأبناء فی تعییرهم بعفل الآباء فقال ثم اتخذتم العجل، خاطب به الیهود الذین کانوا فی عهد النبی صلی اللہ علیه وسلم و کان ذلک الفعل من آبائهم"۔

(اللباب فی علوم الکتاب ج ر ۸ ص ۸۹ تفسیر خازن ج ر ۳ ص ۱۴۴)

مثال: ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَ اَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ۝۹۲

(سورہ بقرہ: ۹۲)

ترجمہ: "پھر بھی تم لوگوں نے گوسالہ کو (معبود) تجویز کرلیا موسیٰ علیہ السلام کے (طور پر جانے کے) بعد اور تم ستم ڈھا رہے تھے"۔

"اِتَّخذتم، و انتم"

• آیت کریمہ میں مخاطب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے یہود کو بنایا گیا ہے اور اتخاذ عجل اور ظلم کی نسبت ان کی طرف کی گئی ہے حالانکہ یہ افعال ان سے نہیں بلکہ ان کے اسلاف سے صادر ہوئے تھے۔

دیگر امثلہ

(۱) وَ اِذْ نَجَّيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ يُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَ يَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ؕ وَ فِيْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ۝۴۹

(سورہ بقرہ: ۴۹)

(۲) ثُمَّ اَقْرَرْتُمْ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ﴿۸۴﴾ (سورہ بقرہ:۸۴)

(۳) قُلْ فَلِمَ تَقْتُلُوْنَ اَنْبِيَآءَ اللّٰهِ مِنْ قَبْلُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴿۹۱﴾ (سورۂ بقرہ:۹۱)

ترجمہ: ''آپ کہیے کہ (اچھا تو) پھر کیوں قتل کیا کرتے تھے اللہ کے پیغمبروں کو اس سے قبل کے زمانے میں اگر تم (تورات) پر ایمان رکھنے والے تھے''۔

قاعدہ نمبر (۱۴۳)

مِنْ شَأْنِ الْعَرَبِ اَلتَّعْبِيْرُ عَنِ الْمَاضِيْ بِالْمُضَارِعِ لِاِفَادَةِ تَصْوِيْرِ الْحَالِ الْوَاقِعِ عِنْدَ حُدُوْثِ الْحَدَثِ۔

(ماخوذ من فقہ اللغۃ للثعالبی ص ۳۱۰ نور محمد کتب خانہ کراچی، فتح القدیر للشوکانی ج ۳ ص ۱۴۹ دار الفکر)

حاصل قاعدہ:

اہل عرب ماضی کی صورت حال کی منظر کشی کے لیے صیغہ مضارع استعمال کرتے ہیں۔

تشریح:

ماضی کی جگہ مضارع لاکر یہ اشارہ کرنا مقصود ہوتا ہے کہ اگرچہ یہ واقعہ ماضی کا ہے مگر ایسا اہم اور ناقابل فراموش ہے کہ گویا اس کا منظر اس وقت بھی آنکھوں سے نظر آرہا ہے۔

مثال: اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَتُصْبِحُ الْاَرْضُ مُخْضَرَّةً اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ﴿۶۳﴾ (سورۃ الحج:۶۳)

ترجمہ: ''(اور اے مخاطب) کیا تجھ کو یہ خبر نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی برسایا جس سے زمین سرسبز ہوگئی''۔

اس میں ''اصبحت'' کی جگہ ''تصبح'' استعمال کیا گیا کیونکہ اس صورت میں زمین کی

ہریالی اور شادابی کی منظر کشی مؤکد اور بلیغ انداز میں ہو جاتی ہے اور یہی بیان آیت میں مقصود ہے۔

دیگر امثلہ

(۱) وَاتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمٰنَ ۚ وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ ۗ

(سورہ بقرۃ:۱۰۲)

ترجمہ: ''اور انہوں نے ایسی چیز کا (یعنی سحر کا) اتباع کیا جس کا چرچا کیا کرتے تھے شیاطین (یعنی خبیث جن) حضرت سلیمان علیہ السلام کے عہدِ سلطنت میں اور حضرت سلیمان علیہ السلام نے کفر نہیں مگر شیاطین کفر کیا کرتے اور حالت یہ تھی کہ آدمیوں کو بھی سحر کی تعلیم کیا کرتے تھے''۔

(۲) قُلْ فَلِمَ تَقْتُلُوْنَ اَنْۢبِيَآءَ اللّٰهِ مِنْ قَبْلُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝۹۱

(سورہ بقرہ:۹۱)

ترجمہ: ''آپ کہئے کہ (اچھا تو) پھر کیوں قتل کیا کرتے تھے اللہ کے پیغمبروں کو اس کے قبل کے زمانے میں اگر تم ایمان رکھنے والے تھے۔

(۳) وَاللّٰهُ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ الرِّيٰحَ فَتُثِيْرُ سَحَابًا فَسُقْنٰهُ اِلٰى بَلَدٍ مَّيِّتٍ فَاَحْيَيْنَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۭ كَذٰلِكَ النُّشُوْرُ ۝۹

(سورہ فاطر:۹)

ترجمہ: ''اور اللہ ایسا (قادر) ہے جو (بارش سے پہلے) ہواؤں کو بھیجتا ہے، پھر وہ (ہوائیں) بادلوں کو اٹھاتی ہیں، پھر ہم بادل کو خشک قطعۂ زمین کی طرف ہانک لے جاتے ہیں پھر ہم اس کے ذریعے سے زمین کو زندہ کرتے ہیں۔

قاعدہ نمبر (۱۴۴)

مِنْ شَأْنِ الْعَرَبِ الْعَطْفُ بِالْكَلَامِ عَلٰى مَعْنًى نَظِيْرٍ لَهُ قَدْ تَقَدَّمَهُ

وَاِنْ خَالَفَ لَفْظُهٗ لَفْظَهٗ۔

(تفسیر طبری ج۵ ص۴۳۸ موسسۃ الرسالۃ)

حاصل قاعدہ:

اہل عرب دو یا زائد متقارب المعنی مضامین کو بصورت عطف ذکر کرتے ہیں گو ان کے الفاظ مختلف ہوں۔

تطبیق مثال:

اَوْ كَالَّذِيْ مَرَّ عَلٰى قَرْيَةٍ وَّ هِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا ۚ قَالَ اَنّٰى يُحْيٖ هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا ۚ فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهٗ ؕ قَالَ كَمْ لَبِثْتَ ؕ قَالَ لَبِثْتُ يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ؕ قَالَ بَلْ لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ فَانْظُرْ اِلٰى طَعَامِكَ وَ شَرَابِكَ لَمْ يَتَسَنَّهْ ۚ وَ انْظُرْ اِلٰى حِمَارِكَ وَ لِنَجْعَلَكَ اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَ انْظُرْ اِلَى الْعِظَامِ كَيْفَ نُنْشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوْهَا لَحْمًا ؕ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗ ۙ قَالَ اَعْلَمُ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۵۹﴾ (سورۃ البقرۃ:۲۵۹)

اس کا عطف ماقبل کی آیت: ''الم تر الی الذی حاج'' پر ہے گویا عبارت یوں ہے ''الم تر الی الذی حاج او کالذی مر'' اور یہ عطف اس لیے کیا گیا ہے کہ دونوں کا مضمون ایک دوسرے سے ملتا جلتا ہے۔

قاعدہ نمبر (۱۴۵)

مِنْ شَأْنِ الْعَرَبِ أَنْ تَبْتَدِئَ الْكَلَامَ فِيْ اُسْلُوْبٍ وَ تَنْتَقِلَ اِلٰى اُسْلُوْبٍ آخَرَ تَطْرِيَةً وَاسْتِدْرَارًا لِلسَّامِعِ وَتَجْدِيْدًا لِنَشَاطِهٖ وَ ذٰلِكَ يُسَمّٰى اِلْتِفَاتًا۔

(البرہان فی علوم القرآن ج۳ ص۳۱۴ دار المعرفۃ بیروت، الکلیات لابی البقاء ج۱ ص۱۷۰ موسسۃ الرسالۃ)

حاصل قاعدہ:

اہل عرب مخاطب کی تنشیط طبع کے لیے کلام کو ایک اسلوب سے دوسرے اسلوب میں منتقل کر دیتے ہیں اور اسی کا نام التفات ہے۔

التفات کی تعریف:

کلام عرب کے محاسن کی ایک اہم کڑی صنعت التفات ہے جس کا حاصل ہے ایک اسلوب سے دوسرے اسلوب کی طرف کلام کو منتقل کرنا۔ جیسے:

''حَتّٰٓى اِذَا كُنْتُمْ فِى الْفُلْكِ ۚ وَ جَرَيْنَ بِهِمْ ''

میں ''جرین بکم'' ہونا چاہیے تھا مگر اس میں خطاب سے غیبت کی طرف التفات ہے۔

تشریح:

التفات کا فائدہ دو قسم کا ہے۔ (۱) عام فائدہ۔ (۲) خاص فائدہ۔

عام فائدہ:

''التفنن و التنشیط'' یعنی کلام کا لطف بڑھانا''۔

چونکہ انسان فطری طور پر نئی نئی باتوں اور نئے نئے اسلوب کو پسند کرتا ہے اس لیے التفات کے ذریعہ کلام سے پیدا ہونے والی اکتاہٹ اور پیش آنے والی پراگندگی کو دور کر کے سامع میں تازہ دلچسپی اور نیا شوق پیدا کیا جاتا ہے۔

فائدہ خاص:

موقع اور محل کی مناسبت سے کسی باریکی یا اہم نکتہ کا حاصل کرنا جو مواقع کے اختلاف سے مختلف اور کثیر الانواع ہیں۔

اقسام التفات:

یوں تو التفات کی بہت ساری قسمیں ہیں مگر مشہور التفات کو دو حصوں میں تقسیم کیا

جا سکتا ہے۔ (۱) التفات حقیقی۔(۲) التفات حکمی۔

التفات حقیقی:

وہ التفات ہے جو ضمیروں میں پایا جائے اس کی چھ صورتیں ہیں:

(۱) تکلم سے خطاب کی طرف ''وَ مَا لِیَ لَآ اَعۡبُدُ الَّذِیۡ فَطَرَنِیۡ وَ اِلَیۡهِ تُرۡجَعُوۡنَ '' اس کی اصل ہے والیہ ارجع۔

(۲) تکلم سے غیبت کی طرف ''اِنَّا فَتَحۡنَا لَكَ فَتۡحًا مُّبِيۡنًا ۙ﴿۱﴾ لِّيَغۡفِرَ لَكَ اللّٰهُ '' اس کی اصل ہے ''لنغفر لک''

(۳) خطاب سے تکلم کی طرف '' قُلِ اللّٰهُ اَسۡرَعُ مَكۡرًا ؕ اِنَّ رُسُلَنَا يَكۡتُبُوۡنَ مَا تَمۡكُرُوۡنَ ﴿۲۱﴾ -

اس میں اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کو مخاطب کی جگہ رکھ کر کلام فرمایا ہے۔

(۴) خطاب سے غیبت کی جانب ''حَتّٰۤى اِذَا كُنۡتُمۡ فِى الۡفُلۡكِ ۚ وَجَرَيۡنَ بِهِمۡ '' اس کی اصل ہے وجرین بکم۔

(۵) غیبت سے تکلم کی جانب ''الَّذِیۡ يُرۡسِلُ الرِّيٰحَ فَتُثِيۡرُ سَحَابًا''

اس کی اصل ہے فساقه۔

(۶) غیبت سے خطاب کی طرف ''وَ قَالُوا اتَّخَذَ الرَّحۡمٰنُ وَلَدًا ﴿ؕ۸۸﴾ لَقَدۡ جِئۡتُمۡ شَيۡـًٔـا اِدًّا ﴿ۙ۸۹﴾ '' اس کی اصل ہے لقد جاؤو اشیئا اداً۔

التفات حکمی:

اصلاً تو یہ التفات نہیں مگر تبدیلیٔ اسلوب اور مقصدیت وافادیت میں التفات حقیقی کے قریب قریب ہے اور اس کی بنیادی کل تین قسمیں ہیں:

(۱) قسم اول۔ (۲) قسم ثانی۔ (۳) قسم ثالث۔

قسم اول ''التفات فی الجمل''

یعنی قرآن پاک کے اندر التفات کی ایک ایسی انوکھی قسم بھی پائی جاتی ہے، جو کسی کے کلام میں نہیں پائی جاتی، اور وہ یہ ہے کہ متکلم اپنے کلام میں دو بالترتیب ذکر کی ہوئی چیزوں کو مقدم کرے پھر ان میں سے پہلے امر کی خبر دے کر اس کے خبر دینے سے روگردانی کرتا ہوا دوسرے امر کی خبر دینے لگے، اس کے بعد پھر امر اول کی خبر دے۔

اس کی مثال ہے: ''اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌ ۚ وَ اِنَّهٗ عَلٰى ذٰلِكَ لَشَهِيْدٌ ۚ'' اس میں متکلم ایک صفت کی خبر دینے کی طرف پہنچا اور کہا ''وَ اِنَّهٗ عَلٰى ذٰلِكَ لَشَهِيْدٌ ۚ'' پھر خدا تعالیٰ کی خبر دینے سے پلٹتا ہوا دوبارہ انسان کی خبر دینے لگا اور کہا ''وَ اِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيْدٌ ؕ''۔

قسم ثانی ''التفات فی الاعداد''

یعنی واحد، تثنیہ، جمع میں سے کسی ایک سے کلام کرتے ہوئے دوسرے کی طرف کلام کو منتقل کر دینا اس کی چھ صورتیں ہیں:

(۱) واحد سے تثنیہ کی طرف ''قَالُوْۤا اَجِئْتَنَا لِتَلْفِتَنَا عَمَّا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا وَ تَكُوْنَ لَكُمَا الْكِبْرِيَآءُ فِي الْاَرْضِ۔

اس کی اصل ہے لک الکبریاء

(۲) واحد سے جمع کی طرف ''يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ''

اس کی اصل ہے اذا طلقت۔

(۳) تثنیہ سے واحد کی جانب

(۱) فَمَنْ رَّبُّكُمَا يٰمُوْسٰى۔ (۲) فَلَا يُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقٰى

(۴) تثنیہ سے جمع کی طرف ''وَ اَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰى وَ اَخِيْهِ اَنْ تَبَوَّاٰ لِقَوْمِكُمَا بِمِصْرَ بُيُوْتًا وَّ اجْعَلُوْا بُيُوْتَكُمْ قِبْلَةً۔

(۵) جمع سے واحد کی طرف ''وَّ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ ؕ وَ بَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ''

اس کی اصل ہے وبشروا المؤمنین۔

(۶) جمع سے تثنیہ کی طرف ''يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ فَانْفُذُوْا ؕ لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطٰنٍ۝۳۳ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ۝۳۴

''اس کی اصل ہے فبای الاء ربکم تکذبون (صیغۂ جمع کے ساتھ)

قسم ثالث ''التفات الافعال''

یعنی ماضی، مضارع یا امر میں سے کسی ایک سے کلام کرتے ہوئے دوسرے کی طرف کلام کو موڑ دینا اس کی بھی چھ صورتیں ہیں:

(۱) ماضی سے مضارع کی جانب ''اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ''اس کی اصل ہے وصدوا عن سبیل اللہ۔

(۲) ماضی سے امر کی طرف ''قُلْ اَمَرَ رَبِّيْ بِالْقِسْطِ ۫ وَ اَقِيْمُوْا وُجُوْهَكُمْ ''اولاً ''اَمَرَ رَبِّيْ'' ماضی سے کلام ہے پھر صیغہ امر ہے۔

(۳) مضارع سے ماضی کی طرف ''وَيَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ فَفَزِعَ''

اس کی اصل ہے فیفزع۔

(۴) مضارع سے امر کی طرف '' قَالَ اِنِّيْٓ اُشْهِدُ اللّٰهَ وَ اشْهَدُوْٓا اَنِّيْ بَرِيْٓءٌ۔

(۵) امر سے ماضی کی جانب ''وَ اتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى ؕ وَ عَهِدْنَآ''۔

(۶) امر سے مضارع کی طرف '' وَ اَنْ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اتَّقُوْهُ ؕ وَ هُوَ

الَّذِیٓ اِلَیۡہِ تُحۡشَرُوۡنَ ﴿۴۷﴾"۔

قاعدہ نمبر (۱۴۶)

مِنۡ شَأۡنِ الۡعَرَبِ أَنۡ تُخۡبِرَ عَنۡ غَیۡرِ الۡعَاقِلِ بِخَبَرِ الۡعَاقِلِ اِذَا نَسَبۡتَ اِلَیۡہِ شَیۡئًا مِنۡ اَفۡعَالِ الۡعُقَلَاءِ۔

حاصل قاعدہ:

اہل عرب غیر عاقل کے لیے ایسا صیغہ استعمال کرتے ہیں جو عاقل کے ساتھ خاص ہے، مگر شرط یہ ہے کہ اس غیر عاقل کی طرف افعالِ عقلاء میں سے کوئی فعل منسوب ہو۔

مثال: وَ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰہُ وَلَدًا ۙ سُبۡحٰنَہٗ ؕ بَلۡ لَّہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ؕ کُلٌّ لَّہٗ قٰنِتُوۡنَ ﴿۱۱۶﴾ (سورۃ بقرہ:۱۱۶)

ترجمہ: "اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ اولاد رکھتا ہے، سبحان اللہ بلکہ خاص اللہ تعالیٰ کے مملوک ہے جو کچھ بھی آسمانوں اور زمین میں ہیں سب ان کے محکوم ہیں۔

اسی قاعدے کی طرف علامہ ابوحیان اندلسی متوفی ۷۴۵ھ نے بھی اشارہ کیا ہے:

"و کثیرًا ما یوجد فی کلام العرب إسناد أشیاء تکون أفعال العقلاء الی ما لا یعقل من الحیوان و إلی الجماد او الحیوان الذی لا یعقل مکان العاقل لکان صادرًا منہ ذلک الفعل۔ و قد أکثر الزمخشری و غیرہ من إیراد الشواھد علی ذلک و من لہ ادنی مطالعۃ لکلام العرب لایحتاج إلی شاھد فی ذلک"۔ (البحر المحیط ج/۶ ص/۱۴۳ دار الکتب العلمیۃ بیروت)

تطبیق:

''مافی السموت والارض'' میں کلمہ ''ما'' وارد ہے جس کی دلالت غیر عاقل پر ہوتی ہے اور آخر میں ''قانتون'' جمع مذکر سالم کا صیغہ وارد ہے جو عاقل کے لیے آتا ہے غیر عاقل کے لیے عاقل کا صیغہ اس لیے استعمال کیا گیا کہ یہاں غیر عاقل کی طرف عقلاء کے افعال میں سے ایک فعل (قنوت یعنی قانت سجدہ ریز ہونا) کی نسبت کی جارہی ہے۔

دیگر امثلہ

(۱) اِذْ قَالَ يُوْسُفُ لِاَبِيْهِ يٰۤاَبَتِ اِنِّيْ رَاَيْتُ اَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا وَّ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ رَاَيْتُهُمْ لِيْ سٰجِدِيْنَ ۝ (سورہ یوسف:۴)

ترجمہ: ''جب یوسف نے اپنے والد سے کہا کہا اے ابا جان! میں نے گیارہ ستارے اور سورج اور چاند دیکھے ہیں ان کو اپنے روبرو سجدہ کرتے ہوئے دیکھا ہے''۔

(۲) فَقَالَ لَهَا وَ لِلْاَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا ؕ قَالَتَاۤ اَتَيْنَا طَآىِٕعِيْنَ ۝ (سورۃ حم السجدہ:۱۱)

ترجمہ: ''سو اس سے اور زمین سے فرمایا کہ تم دونوں خوشی سے آؤ یا زبردستی سے دونوں نے عرض کیا کہ ہم خوشی سے حاضر ہیں''۔

قاعدہ نمبر (۱۴۷)

مِنْ شَأْنِ الْعَرَبِ اَنْ تُدْخِلَ ''اَلْأَلِفَ وَ اللَّامَ'' فِيْ خَبَرِ ''مَا'' وَ ''اَلَّذِیْ'' إِذَا كَانَ الْخَبَرُ عَنْ مَعْهُوْدٍ قَدْ عَرَفَهُ الْمُخَاطَبُ وَ الْمُخَاطِبُ وَ إِنَّمَا يَاتِیْ بِغَيْرِ ''الْأَلِفِ وَ اللَّامِ'' إِذَا كَانَ الْخَبَرُ عَنْ مَجْهُوْلٍ غَيْرِ مَعْهُوْدٍ وَ لَا مَقْصُوْدٍ قَصْدَ شَیْءٍ بِعَيْنِهٖ۔

(تفسیر طبری ج ۱۵/ص ۱۶۱/ موسسۃ الرسالۃ)

حاصل قاعدہ:

جب کسی معہود و متعین شئی کے متعلق (جو متکلم اور مخاطب کو معلوم ہو) خبر دینا ہو تو اہل عرب ''ما'' اور ''الذی'' کی خبر دینا ہو تو خبر میں الف لام داخل نہیں کرتے۔

جزء اول کی مثال: فَلَمَّآ اَلْقَوْا قَالَ مُوْسٰی مَا جِئْتُمْ بِهِ ۙ السِّحْرُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَیُبْطِلُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُصْلِحُ عَمَلَ الْمُفْسِدِیْنَ ﴿۸۱﴾

(سورہ یونس:۸۱)

ترجمہ: ''سو جب انہوں نے (اپنا جادو کا سامان) ڈالا تو موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا جو کچھ تم (بنا کر) لائے ہو جادو (یہ) یقینی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ اس (جادو) کو ابھی درہم برہم کیے دیتا ہے (کیونکہ) اللہ تعالیٰ ایسے فسادیوں کا کام بننے نہیں دیتا''۔

''السِّحْرُ'' ما کی خبر ہے اس وقت وہ سحر ان لوگوں کے درمیان معروف و معلوم تھا اس لیے اس پر الف لام لایا گیا۔

جزء ثانی کی مثال: ''اِنَّ الَّذِیْنَ جَآءُوْ بِالْاِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ ؕ لَا تَحْسَبُوْهُ شَرًّا لَّكُمْ ؕ بَلْ هُوَ خَیْرٌ لَّكُمْ ؕ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ مَّا اكْتَسَبَ مِنَ الْاِثْمِ ۚ وَ الَّذِیْ تَوَلّٰى كِبْرَهٗ مِنْهُمْ لَهٗ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ﴿۱۱﴾

(سورۃ نور:۱۱)

ترجمہ: ''جن لوگوں نے یہ طوفان (حضرت صدیقہ کی نسبت) برپا کیا ہے (اے مسلمانو!) وہ تمہارے میں ایک چھوٹا سا گروہ ہے تم اس کو اپنے حق میں برا نہ سمجھو بلکہ یہ تمہارے حق میں بہتر ہی بہتر ان میں سے ہر شخص کو جتنا کسی نے کچھ کیا تھا گناہ ہوا اور ان میں سے جس نے اس میں سے سب سے بڑا حصہ لیا اس کو سخت سزا ہوگی''۔

''عصبة'' اس میں عصبة نکرہ ہے الف لام کے ساتھ نہیں لایا گیا کیونکہ لوگوں کی نظر میں یہ جماعت معلوم و متعین نہیں تھی۔

قاعدہ نمبر (۱۴۸)

مِنْ شَأْنِ الْعَرَبِ اَنْ تَذْكُرَ شَيْئًا مِنَ الْوَاحِدِ أَوِ التَّثْنِيَةِ أَوِ الْجَمْعِ وَ الْمُرَادُ غَيْرُهُ كَمَا تُخَاطِبُ الْوَاحِدَ وَ تُرِيْدُ غَيْرَهُ۔

حاصل قاعدہ:

اہل عرب کبھی واحد، تثنیہ اور جمع میں سے کوئی ایک صیغہ بول کر دوسرا صیغہ مراد لیتے ہیں اسی طرح کسی متعین شخص کو مخاطب بنا کر کسی اور کو مراد لیتے ہیں۔

۱۔ علامہ ابن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ فرماتے ہیں:

"ان العرب تخاطب الواحد خطاب الاثنین"۔

(تفسیر طبری ج ۱۱/ ص ۶۰ ادار الفکر)

۲۔ علامہ مکی بن ابی طالب القیسی متوفی ۴۳۷ھ فرماتے ہیں:

"لان العرب تخاطب الواحد بلفظ الأثنين و بلفظ الجماعة مشكل"۔

(اعراب القرآن ج ۲/ ص ۶۸۴ موسسۃ الرسالۃ)

۳۔ علامہ بغوی متوفی ۵۱۰ھ فرماتے ہیں:

"والعرب قد تخاطب الواحد بلفظ الجمع"۔

(معالم التنزیل ج ۱/ ص ۴۶۹ دار المعرفۃ)

۴۔ علامہ ابن جوزی متوفی ۵۹۷ھ فرماتے ہیں:

"ان العرب تخاطب بعفل الاثنین"۔

(زاد المسیر ج ۸/ ص ۱۵۹ المکتب الاسلامی بیروت)

۵۔ علامہ قرطبی متوفی ۶۷۱ھ فرماتے ہیں:

"قال الخليل و الاخفش هذا الكلام العرب الفصيح ان تخاطب الواحد بلفظ الأثنين"۔ (تفسیر قرطبی ج ۱۷/ص ۱۶ دار الشعب قاہرہ)

نوٹ: اس قاعدہ میں چند جزئیات ہیں ہر ایک کی مثال بالترتیب دی جاتی ہے۔

(الف) مثال: وہ واحد جس سے مراد جمع ہے:

يَاَيُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيْمِ ۝ (سورۂ انفطار: ۶)

اس میں انسان مفرد بول کر سارے انسان مراد ہیں۔

(ب) مثال: وہ واحد جس سے مراد تثنیہ ہے

قَالَ فَمَنْ رَّبُّكُمَا يٰمُوْسٰى ۝ (سورۂ طٰہٰ: ۴۹)

یہاں کہا گیا: "یموسیٰ" مگر مراد ہے "یموسیٰ وھارون"۔

(ج) مثال: وہ تثنیہ جس سے مراد جمع ہے:

ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ يَنْقَلِبْ اِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّ هُوَ حَسِيْرٌ ۝ (سورہ ملک: ۴)

(د) مثال: وہ تثنیہ جس سے مراد واحد ہے:

اَلْقِيَا فِيْ جَهَنَّمَ كُلَّ كَفَّارٍ عَنِيْدٍ ۝ (سورۂ ق: ۲۴)

تثنیہ مذکور ہے اور مراد واحد (مالک داروغۂ جہنم) ہے یعنی اَلْقِ۔

(ھ) مثال: وہ جمع جس سے مراد واحد ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ يُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ۝ (سورۂ حجرات: ۴)

منادی ایک ہی شخص تھا مگر صیغہ جمع لایا گیا۔

(و) مثال: وہ جمع جس سے مراد تثنیہ ہے:

"ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَآءِ وَ هِيَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَ لِلْاَرْضِ ائْتِيَا

طَوْعًا اَوْ كَرْهًا ؕ قَالَتَاۤ اَتَيْنَا طَآئِعِيْنَ ۝ (سورۂ حٰم سجدہ:۱۱)

اس میں ''طائعین'' جمع ہے مگر مراد اس سے تثنیہ ہے یعنی طائعین۔

(ز) مثال: خطاب کسی کو اور مراد کوئی اور ہو۔

اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ۝

(سورۂ بقرہ:۱۴۷)

اس میں مخاطب حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور مراد اہل ایمان ہیں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے شک کیا شائبہ شک بھی ممکن نہیں۔

قاعدہ نمبر (۱۴۹)

مِنْ شَأْنِ الْعَرَبِ أَنْ تَسْتَكْرِهَ الْجَمْعَ بَيْنَ تَثْنِيَتَيْنِ فِيْ لَفْظٍ وَاحِدٍ۔

(فتح القدیر ج/۵ ص/۲۵۰ دار الفکر)

حاصل قاعدہ:

اہل عرب ایک لفظ میں دو تثنیہ کو جمع کرنا پسند نہیں کرتے۔

مثال: اِنْ تَتُوْبَاۤ اِلَى اللّٰهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا ۚ وَاِنْ تَظٰهَرَا عَلَيْهِ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰىهُ وَجِبْرِيْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِيْرٌ ۝ (سورۂ تحریم:۴)

یہاں پر اصلاً ''قلبا کما'' ہونا چاہیے تھا مگر مذکورہ اصول کے پیش نظر ''قلوبکما'' کہا گیا۔

قاعدہ نمبر (۱۵۰)

مِنْ شَأْنِ الْعَرَبِ أَنْ تُعَبِّرَ بِالْمَاضِيْ عَنِ الْمُسْتَقْبَلِ تَنْبِيْهًا عَلٰى

تَحَقُّقِ الوُقُوعِ۔

حاصل قاعدہ:

اہل عرب شئی کے تحقق اور وقوع کو بتلانے کے لیے مستقبل کو ماضی سے تعبیر کرتے ہیں۔

انه عبر بالماضی عما سیقع فی المستقبل تنزیلا لتحقق الوقوع منزلة الوقوع۔ (اضواء البیان فی ایضاح القرآن بالقرآن ج/۲۰ ص/۱۱۰ دار الفکر)

فالتعبیر عنه بصیغة الماضی للتأکید و الدلالة علی تحقق الوقوع حتمًا۔ (تفسیر ابو السعود ج/۷ ص/۱۹۲ دار احیاء التراث العربی)

ایثار صیغة الماضی للدلالة علی تحقیق الوقوع لا محالة لأن الماضی متیقن الوجود۔ (تفسیر روح البیان ج/۴ ص/۱۱۵ دار احیاء التراث العربی)

تشریح:

ایک شئی جس کا وقوع مستقبل میں متیقن ہوتا ہے، اس کے یقینی ہونے کو بتلانے کے لیے ماضی کا صیغہ استعمال کیا جاتا ہے، جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ آئندہ واقع ہونے والی یہ شئی اس قدر یقینی ہے گویا ماضی میں واقع ہو چکی ہے۔

مثال: وَيَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ فَفَزِعَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ۗ وَكُلٌّ اَتَوْهُ دٰخِرِيْنَ ﴿۸۷﴾ (سورہ النمل:۸۷)

ترجمہ: ’’جس دن صور میں پھونک ماری جائی گی سو جتنے آسمان و زمین والے ہیں سب گھبرا جاویں گے مگر جس کو خدا چاہے اور سب کے سب اسی کے سامنے دبے جھکے حاضر رہیں گے‘‘۔

تطبیق:

اس دن اہل ارض و سماء کا گھبرانا ایک یقینی اور واقعی شئی ہے اس لیے بجائے

فیفزع من فی السموت کے ففزع من فی السموت سے تعبیر کیا۔

دیگر امثلہ

(۱) وَ نُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ؕ ثُمَّ نُفِخَ فِيْهِ اُخْرٰى فَاِذَا هُمْ قِيَامٌ يَّنْظُرُوْنَ ۞

(سورۃ زمر:۶۸)

ای ینفخ فی الصور۔

ترجمہ: ''اور (قیامت کے روز) صور میں پھونک ماری جائے گی سوتم آسمان اور زمین والوں کے ہوش اڑ جاویں گے مگر جس کو خدا چاہے پھر اس میں دوبارہ پھونک ماری جاویگی تو دفعۃً سب کے سب کھڑے ہو جاویں گے دیکھنے لگیں گے۔''

(۲) وَ بَرَزُوْا لِلّٰهِ جَمِيْعًا فَقَالَ الضُّعَفٰٓؤُا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا فَهَلْ اَنْتُمْ مُّغْنُوْنَ عَنَّا مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ؕ قَالُوْا لَوْ هَدٰىنَا اللّٰهُ لَهَدَيْنٰكُمْ ؕ سَوَآءٌ عَلَيْنَآ اَجَزِعْنَآ اَمْ صَبَرْنَا مَا لَنَا مِنْ مَّحِيْصٍ ۞

(ابراہیم:۲۱)

أی یبرزون للہ جمیعا۔

ترجمہ: ''اور خدا کے سامنے سب پیش ہوں گے پھر چھوٹے درجے کے لوگ بڑے درجہ کے لوگوں سے کہیں گے کہ ہم تمہارے تابع تھے تو کیا تم خدا کے عذاب کا کچھ جز ہم سے ہٹا سکتے ہو وہ کہیں گے کہ اگر اللہ ہم کو راہ بتلاتا تو ہم تم کو بھی راہ بتلادیتے۔ ہم سب کے حق میں دونوں صورتیں برابر ہیں خواہ ہم پریشان ہوں خواہ ضبط کریں ہمارے بچنے کی کوئی صورت نہیں''۔

(۳) وَ يَوْمَ نُسَيِّرُ الْجِبَالَ وَ تَرَى الْاَرْضَ بَارِزَةً ۙ وَّ حَشَرْنٰهُمْ فَلَمْ نُغَادِرْ مِنْهُمْ اَحَدًا ۞

(سورۃ الکہف:۴۷)

ای نحشرھم۔

ترجمہ: ”اور (اس دن کو یاد کرنا چاہیے) جس دن ہم پہاڑوں کو ہٹادیں گے اور آپ زمین کو دیکھیں گے (کہ کھلا میدان پڑا ہے) اور ہم ان سب کو جمع کردیں گے اور ان میں سے کسی کو بھی نہ چھوڑیں گے۔“

قاعدہ نمبر (۱۵۱)

مِنْ شَأْنِ الْعَرَبِ اَنْ يُضْمِرُوْا لِكُلِّ مُعَايَنٍ (نَكِرَةً كَانَ أَوْ مَعْرِفَةً) ”هذا“ و ”هذِهٖ“۔

(تفسیر طبری ج ۱۵ ص ۵۸ دار الفکر)

حاصل قاعدہ:

اہل عرب شئی معین سے پہلے ”ھذا“ یا ”ھذہٖ“ مضمر مانتے ہیں۔ خواہ وہ شئی مشاہد معرفہ ہو یا نکرہ۔

مثال: (۱) ”سُوْرَةٌ اَنْزَلْنٰهَا وَ فَرَضْنٰهَا وَ اَنْزَلْنَا فِيْهَآ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ لَّعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝“ (سورۂ نور: ۱)

ای ھذہ سورۃ۔

(۲) ”الٓرٰ ۚ كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۙ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ۝“ (سورۂ ابراھیم: ۱)

ای ھذا کتاب۔

(۳) بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖٓ اِلَى الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ (سورۂ توبہ: ۱)

ای ھذہ برآءۃ۔

قاعدہ نمبر (۱۵۲)

مِنْ شَأْنِ الْعَرَبِ تَحْوِيْلُ الْفِعْلِ عَنْ مَوْضِعِهٖ إِذَا كَانَ الْمُرَادُ بِهٖ مَعْلُوْمًا۔

حاصل قاعدہ:

جب فعل کی مراد معلوم ہو تو اہل عرب اس کو اس کے اصل مقام سے ہٹا کر استعمال کرتے ہیں۔

یہ قاعدہ علامہ ابن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ کی اس عبارت سے ماخوذ ہے:

"و هذه الكلمة مما حوّلت العرب الفعل عن موضعه، و ذلک أن الإنسان هو الذی يعمی عن إبصار الحق، اذ يعمی عن إبصاره، و الحق لا يوصف بالعمی، إلا علی الاستعمال الذی قد جری به الكلام۔ و هو فی جوازه لإستعمال العرب إياه نظير قولهم: "دخل الخاتم في يدي، و الخف في رجلي، و معلوم أن الرجل هي اللتی تدخل فی الخفّ، و الإصبع فی الخاتم، و لكنهم استعملوا ذلک كذلک، لما كان معلوما المراد فيه"۔

(تفسیر طبری ج ۱۵ ص ۲۹۹ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت)

تشریح:

کسی مقام پر کوئی مراد معلوم و متعین ہو اور خلاف مراد کا وہم نہ ہو تو وہاں فعل کی نسبت غیر اصل کی طرف کر دی جاتی ہے جیسے کہا جاتا ہے: "دخل الخاتم فی اصبعی" انگوٹھی میری انگلی میں داخل ہو گئی۔

اس میں دخول کی نسبت انگوٹھی کی طرف ہے جو خلاف اصل ہے، کیونکہ انگوٹھی داخل نہیں ہوتی ہے، بلکہ انگلی انگوٹھی میں داخل ہوتی ہے اور یہ بات چونکہ معلوم ہے اس لیے خلاف اصل استعمال کر دیا جاتا ہے۔

مثال: قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَ اٰتٰنِيْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِهٖ فَعُمِّيَتْ عَلَيْكُمْ ؕ اَنُلْزِمُكُمُوْهَا وَ اَنْتُمْ لَهَا كٰرِهُوْنَ۝۲۸ (سورۃ ہود:۲۸)

ترجمہ: ’’(نوح علیہ السلام نے) فرمایا کہ اے میری قوم! بھلا یہ تو بتلاؤ کہ اگر میں اپنے رب کی جانب سے دلیل پر (قائم) ہوں (جس سے میری نبوت ثابت ہوتی ہے) اور اس نے مجھ کو اپنے پاس سے رحمت (یعنی نبوت) عطا فرمائی ہو پھر وہ (نبوت یا اس کی حجت) تم کو نہ سوجھتی ہو تو (میں کیا کروں مجبور ہوں) کیا ہم اس (دعویٰ یا دلیل) کو تمہارے گلے مڑھ دیں اور تم اس سے نفرت کیے چلے جاؤ‘‘۔

’’فَعُمِّيَتْ‘‘ اس میں (اندھاپن) کی نسبت بینہ (دلائل حقہ) کی طرف کی گئی ہے حالانکہ دلائل حقہ کی صفات میں عمی (اندھاپن) نہیں ہے بلکہ یہ تو انسان کی صفت ہے کہ وہ حق دیکھنے اور سمجھنے سے اعمیٰ ہوتا ہے۔

قاعدہ نمبر (۱۵۳)

مِنْ شَأْنِ الْعَرَبِ اِضَافَةُ الْفِعْلِ اِلٰى مَنْ وُجِدَ مِنْهُ وَاِنْ كَانَ مُسَبِّبُهٗ غَيْرَ الَّذِيْ وُجِدَ مِنْهُ أَحْيَانًا وَ أَحْيَانًا اِلٰى مُسَبِّبِهٖ وَاِنْ كَانَ الَّذِيْ وُجِدَ مِنْهُ الْفِعْلُ غَيْرَهٗ۔

(تفسیر طبری ج۱ص ۸۴ دارالفکر)

حاصل قاعدہ:

کبھی اہل عرب فعل کی نسبت مباشر کی طرف کرتے ہیں اور کبھی متسبب کی طرف۔

تشریح:

یعنی فعل کی نسبت کبھی فعل کے کرنے والے کی طرف کی جاتی ہے اور کبھی فعل کا

سبب بننے والے کی طرف۔

مثال جزء اول: غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ۝

(سورۃ فاتحہ: ۷)

ترجمہ: ''نہ راستہ ان لوگوں کا جن پر آپ کا غضب کیا گیا اور نہ ان لوگوں کا جو راستہ سے گم ہو گئے''۔

''الضَآلِّين'' آیت کریمہ میں ضلال کی نسبت نصاریٰ کی طرف مباشرۃ ہے نہ کہ تسبباً یعنی خود ان ہی سے ضلالت صادر ہوئی تھی نہ یہ کہ وہ ضلالت کا سبب بنے تھے۔

مثال جزء ثانی: يُذَبِّحُ اَبْنَآءَهُمْ وَ يَسْتَحْيٖ نِسَآءَهُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ ۝

(سورۃ قصص: ۴)

''يُذَبِّحُ'' اس میں ذبح کی نسبت فرعون کے اعوان و انصار تھے نہ کہ فرعون، ہاں فرعون اس کا سبب ضرور تھا۔

قاعدہ نمبر (۱۵۴)

مَهْمَا أَمْكَنَ حَمْلُ أَلْفَاظِ الْقُرْآنِ عَلىٰ عَدَمِ التَّرَادُفِ فَهُوَ الْمَطْلُوْبُ۔

حاصل قاعدہ:

الفاظ قرآنیہ کو حتی المقدور عدم ترادف اور تغایر پر محمول کیا جائے گا۔

علامہ بدر الدین زرکشی متوفی ۷۹۴ھ فرماتے ہیں:

''الترادف خلاف الأصل فاذا دار اللفظ بين كونه مترادفا او متباينا فحمله على المتباين اولى۔۔۔ان المترادف خلاف الاصل و الاصل عدم الترادف''۔

(البحر المحیط فی اصول الفقہ ج ۱ ص ۳۷۶ دار الکتب العلمیۃ)

تطبیق مثال:

وَ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَ رَحْمَةٌ۔

ترجمہ: ''ان لوگوں پر ان کے رب کی جانب سے ستائش اور رحمت ہوگی''۔

صلاۃ یہاں ''ثناء اللہ علی عبدہ فی الملأ الاعلی'' (اللہ کا ملأ اعلیٰ میں اپنے بندے کی تعریف کرنا) کے معنی میں ہے اور رحمت اپنے مشہور معنی میں ہے۔

اشباہ ونظائر

(۱) فَكُلُوْهُ هَنِيْٓـًٔا مَّرِيْٓـًٔا ؇ (سورۃ النساء: ۴)

ترجمہ: ''تو تم اس کو کھاؤ مزے دار اور خوشگوار سمجھ کر''۔

یہاں هنيئا ''الخالص من کل مکدر'' کے معنی میں ہے اور ''مریئا'' محمود العاقبة کے معنی میں ہے۔

(۲) قَالَ اِنَّمَآ اَشْكُوْا بَثِّيْ وَ حُزْنِيْٓ اِلَى اللّٰهِ وَ اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ؇ (سورۃ یوسف: ۸۶)

ترجمہ: ''میں تو اپنے رنج وغم کی صرف اللہ سے شکایت کرتا ہوں''۔

حزن کا معنی غم ہے اور ''بث'' اس سے زائد ایک معنی پر مشتمل ہے وہ یہ ہے کہ وہ غم جسے چھپایا جائے پھیلایا نہ جائے۔

(۳) اِنَّهُمْ كَانُوْا فِيْ شَكٍّ مُّرِيْبٍ ؇ (سورۃ سبا: ۵۴)

ترجمہ: ''کیونکہ یہ سب بڑے شک میں تھے جس نے ان کو تردد میں ڈال رکھا تھا''۔

شک اور ریب کے مابین فرق یہ ہے کہ ریب میں شک سے زیادہ معنویت ہے بایں طور کہ ریب اس شک کو کہا جاتا ہے جس میں تہمت نہ ہو''۔

(۴) فَمَا وَهَنُوْا لِمَآ اَصَابَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ مَا ضَعُفُوْا وَ مَا اسْتَكَانُوْا ؕ وَ اللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ ؇ (سورۃ آل عمران: ۱۴۶)

ترجمہ: ”سو نہ تو ہمت ہاری انہوں نے ان مصائب کی وجہ سے جو ان پر اللہ کی راہ میں واقع ہوئیں اور نہ ان کا زور گھٹا اور نہ وہ دبے“۔

وھن کہتے ہیں ”انکسار الحدو الخوف کو اور ”ضعف“ نام ہے نقصان قوت کا اور ”استکانت“ اظہار ضعف پر بولا جاتا ہے۔

(۵) وَ مَثَلُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا كَمَثَلِ الَّذِیْ یَنْعِقُ بِمَا لَا یَسْمَعُ اِلَّا دُعَآءً وَّ نِدَآءً صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْیٌ فَهُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ۝ (سورۃ البقرۃ:۱۷۱)

ترجمہ: ”اور ان کافروں کی کیفیت (نافہمی میں) اس (جانور) کی کیفیت کے مثل ہے کہ ایک شخص ہے وہ ایسے (جانور) کے پیچھے چلا رہا ہے جو بجز بلانے اور پکارنے کے کوئی بات نہیں سنتا“۔

ندا کہتے ہیں ”رفع الصوت بمالہ معنی“۔

(معجم الفروق اللغویۃ ج ر ۱ ص ر ۵۳۴ موسسۃ النشر الاسلامی)

دعا عام ہے رفع صوت اور خفض صوت دونوں کو کہتے ہیں۔

قاعدہ نمبر (۱۵۵)

مَهْمَا اَمْكَنَ حَمْلُ كَلَامِ الشَّارِعِ عَلَى التَّشْرِيْعِ لَمْ يُحْمَلْ عَلٰى مُجَرَّدِ الْاَخْبَارِ عَنِ الْوَاقِعِ۔

(فتح الباری شرح صحیح البخاری ج ر ۳ ص ر ۱۸۲ دار المعرفۃ بیروت)

حاصل قاعدہ:

شارع کے کلام کو جب تک تشریع پر محمول کرنا ممکن ہو ”اخبار محض“ پر محمول نہیں کیا جائے گا۔

تشریح:

قرآن مجید رب العزت کا پُر حکمت کلام ہے اس کے انزال کا مقصد نوعِ انسانی کی ہدایت و رہبری ہے، اللہ رب العزت نے انسانوں کو مختلف پیرایہ میں حق کی رہنمائی کی

ہے کبھی امرونہی کے ذریعہ تو کبھی وعدووعید کے ذریعہ اور کبھی قصص وامثال کے پیرایہ میں حق کی دعوت دی ہے۔

اسی لیے احکام کا استنباط جہاں اوامرونواہی ہی صریحہ سے درست ہے وہیں قصص وامثال سے بھی استنباط احکام قرآنی اعجاز کا ایک پہلو ہے۔

تطبیق مثال:

(۱)حَتّٰٓی اِذَا رَكِبَا فِي السَّفِيْنَةِ خَرَقَهَا ۭ قَالَ اَخَرَقْتَهَا لِتُغْرِقَ اَهْلَهَا ۚ لَقَدْ جِئْتَ شَيْـــًٔا اِمْرًا ۝ (سورۃ الکہف:۷۱)

ترجمہ: ''یہاں تک کہ جب دونوں کشتی میں سوار ہوئے تو (ان بزرگ نے) اس کشتی میں چھید کردیا''۔

یہ آیت قصہ خضر (علیہ السلام کے سلسلہ میں وارد ہے تاہم اس سے یہ استنباط کیا جاسکتا ہے ''یجوز افساد البعض فی سبیل ابقاء الکل'' کل کے تحفظ کے لیے بعض کا افساد جائز ہے۔

(۲)مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ۭ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّاۗءُ عَلَي الْكُفَّارِ رُحَمَاۗءُ۔ (سورۃ الفتح:۲۹)

ترجمہ: ''محمد اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ آپ کے صحبت یافتہ ہیں وہ کافروں کے مقابلہ میں تیز ہیں اور آپس میں مہربان ہیں''۔

یہاں سے مستفاد ہوتا ہے کہ کفار کے ساتھ سختی اور مومنین کے ساتھ رحم دلی کا معاملہ ہونا چاہیے۔

قاعدہ نمبر (۱۵۶)

نَزُوْلُ الْقُرْآنِ تَارَةً يَكُوْنُ مَعَ تَقْرِيْرِ الْحُكْمِ وَتَارَةً يَكُوْنُ قَبْلَهٗ وَالْعَكْسُ۔

حاصل قاعدہ:

آیت کا نزول کبھی بیان حکم کے ساتھ ہوتا ہے کبھی حکم سے پہلے اور کبھی حکم کے بعد۔

علامہ ابوالفضل عمر بن مسعود نے شعر میں اسی قاعدے کو بیان کیا ہے۔

تقریر حکم تارة تنزيله یاتی معا إن بعده او قبله

(نشر العبیر فی منظومۃ قواعد التفسیر ج۱ص ۷۲)

توضیح قاعدہ:

قرآن مجید کی آیات نزول کے اعتبار سے تین قسموں پر ہیں۔

اول: وہ آیات جن کے احکام (مضامین) کی مشروعیت ان کے نزول کے ساتھ ہوئی ہے، یعنی یہ احکام ان آیات کے نزول سے ہی معلوم ہوئے، اور اسی کے ساتھ ان کی مشروعیت بھی وجود میں آئی، اس سے پہلے ان احکام ومضامین کو شرعی حیثیت حاصل نہیں تھی اور اسی قسم کی آیات زیادہ ہیں۔

دوم: وہ آیات جن کے احکام (مضامین) کی مشروعیت ان کے نزول سے پہلے ہوئی ہے۔ یعنی وحی کے طریقوں میں سے کسی اور طریق سے پہلے سے ان احکام کی شرعی حیثیت قرار پا چکی تھی مگر آیات بعد میں نازل ہوئی ہیں۔

سوم: وہ آیات جن کے احکام (مضامین) کی مشروعیت ان کے نزول کے بعد ہوئی ہے، یعنی نزول آیات کے کچھ مدت بعد یہ احکام مشروع قرار دیئے گئے۔

تطبیق امثلہ

پہلی قسم:

(جس میں نزول آیت کے ساتھ حکم کی مشروعیت ہوئی)

فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۔ (سورۃ البقرۃ ۱۴۹)

ترجمہ: ''اپنا چہرہ (نماز میں) مسجد حرام (یعنی کعبہ) کی طرف رکھا کیجیے۔''

اس آیت کے نزول کے ساتھ ہی بیت اللہ کو قبلہ قرار دیا گیا اس سے قبل بیت المقدس قبلہ تھا۔

دوسری قسم:

(جس میں نزولِ آیت کے بعد حکم کی مشروعیت ہوئی)

وَاٰخَرُوْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۔ (سورۃ المزمل: ۲۰)

یہ سورۂ مزمل کی آیت کا جز ہے، سورۂ مزمل مکی سورت ہے، اور مکہ میں جہاد و قتال کا امر نازل نہیں ہوا تھا، مگر مذکورہ آیت میں مجاہدین فی سبیل اللہ کی تعریف کی گئی ہے پس اس آیت میں مستقبل میں نازل ہونے والے حکم جہاد کی طرف اشارہ ہے۔

تیسری قسم:

(جس میں نزول آیت سے پہلے حکم کی مشروعیت ہوئی)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَ اَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَ اَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ ؕ وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا ؕ وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا ۔۔۔ (سورۃ المائدۃ: ۶)

ترجمہ: ''اے ایمان والو! جب تم نماز کو اٹھنے لگو تو اپنے چہروں کو دھوؤ اور اپنے ہاتھوں کو بھی کہنیوں سمیت اور اپنے سروں پر ہاتھ پھیرو اور دھوؤ، اپنے پیروں کو بھی ٹخنوں سمیت پس اگر پھر تم کو پانی نہ ملے تو تم پاک زمین سے تیمم کر لیا کرو۔''

یہ آیت حکم وضو پر مشتمل ہے جو مدینہ میں حکم تیمم کے ساتھ نازل ہوئی، مگر اس

سے قبل بھی آپ علیہ الصلوۃ والسلام نے جتنی نمازیں پڑھی تھیں وہ سب وضو کے ساتھ ہی پڑھی تھیں، پس وضو کا حکم پہلے سے موجود تھا آیت میں اسی حکم کو دہرایا گیا ہے۔

قاعدہ نمبر (۱۵۷)

نَفْيُ الْاَدْنٰى اَبْلَغُ مِنْ نَفْيِ الْأَعْلٰى۔

(البرھان فی علوم القرآن ج ر ۳ ص ر ۴۰۳ دار المعرفۃ بیروت)

حاصل قاعدہ:

ادنی کی نفی اعلی کی نفی سے زیادہ بلیغ ہوتی ہے۔

کیونکہ جب ادنی کی نفی ہوگی تو اعلی کی نفی خود بخود ہو جائے گی لیکن اگر اعلی کی نفی کی جائے تو یہ ادنی کو شامل نہیں ہوتی۔

مثال: ارشاد باری تعالیٰ:

''لَا يَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَ لَا فِي الْاَرْضِ وَ لَآ اَصْغَرُ مِنْ ذٰلِكَ وَ لَآ اَكْبَرُ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ﴿۳﴾'' (سورۃ سبا:۳)

ترجمہ: ''اس سے پوشیدہ نہیں ہے ذرہ برابر (کوئی چیز) نہ آسمانوں میں اور نہ زمین میں''۔

''مثقال ذرۃ'' کی پوشیدگی کی نفی اس سے بڑی ہر چیز کو شامل ہے۔

دیگر امثلہ

(۱) اِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيٖٓ اَنْ يَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوْضَةً۔

(سورۃ البقرۃ:۲۶)

تطبیق واضح ہے۔

(۲) اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ۚ وَ اِنْ تَكُ حَسَنَةً يُّضٰعِفْهَا وَ يُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ اَجْرًا عَظِيْمًا﴿۴۰﴾

(سورۃ النساء:۴۰)

تطبیق محتاج توضیح نہیں۔

(۳) قَالَ يٰقَوْمِ لَيْسَ بِيْ ضَلٰلَةٌ وَّ لٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ۝۶۱ (سورۃ اعراف:۶۱)

یہ جملہ حضرت سیدنا نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کے قول ''انا لنراک فی ضلال مبین'' کے جواب میں کہا تھا، لفظ ضلال معنیٰ جمع میں ہونے کی وجہ سے اعلیٰ ہے اور ضلالۃ واحد ہونے کی وجہ سے ادنیٰ ہے ادنیٰ کی نفی سے اعلیٰ کی نفی کی طرف اشارہ ہے، پس آیت کا مطلب یہ ہوا کہ اے میری قوم تم مجھ کو کیسی بڑی ضلالت میں دیکھ رہے ہو جب کہ میرے اندر میں ادنیٰ درجہ کی ضلالت یعنی معمولی گمراہی بھی نہیں ہے۔

قاعدہ نمبر (۱۵۸)

نَفْيُ الْاِسْتِطَاعَةِ قَدْ يُرَادُ بِهٖ نَفْيُ الْقُدْرَةِ وَ الْاِمْكَانِ وَ قَدْ يُرَادُ بِهٖ نَفْيُ الْاِمْتِنَاعِ وَ قَدْ يُرَادُ بِهِ الْوُقُوْعُ بِمَشَقَّةٍ وَ كُلْفَةٍ۔

(الاتقان فی علوم القرآن ج ۲ ص ۲۰۹ دار الفکر، البرھان فی علوم القرآن ج ۳ ص ۴۰۷ دار المعرفۃ بیروت، الکلیات لابی البقاء ج ۱ ص ۱۵۰ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت)

حاصل قاعدہ:

استطاعت کی نفی سے کبھی تو قدرت اور امکان کی نفی مراد ہوتی ہے اور کبھی موانع کی نفی مراد ہوتی ہے اور نفی استطاعت کبھی کسی فعل کے مشکل ہونے کو بتانے کے لیے کی جاتی ہے۔

تشریح:

مطلب یہ ہے کہ کبھی کسی فعل کی استطاعت کی نفی کر کے یہ بتانا مقصود ہوتا ہے کہ یہ فعل طاقت اور امکان سے باہر ہے جیسے کہا جائے کہ تم تارے توڑ کر نہیں لا سکتے اور کبھی اس

فعل کی استطاعت تو ہوتی ہے لیکن موانع کی وجہ سے اس کا کرنا ممنوع ہوتا ہے مثلاً مریض سے کہا جائے کہ تم ثقیل غذائیں نہیں کھا سکتے اور کبھی کوئی فعل طاقت اور بس میں ہوتا ہے اور موانع بھی موجود نہیں ہوتے ہیں لیکن محض اس فعل کے مشکل اور پر مشقت ہونے کو بتلانے کے لیے استطاعت کی نفی کر دی جاتی ہے جیسے کسی ناتجربہ کار شخص سے کہا جائے کہ تم کشتی نہیں چلا سکتے مطلب یہ ہے کہ یہ کام تمہارے لیے بڑا سخت اور مشکل ہوگا۔

مثال معنی اول:

فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ رَدَّهَا وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ۝ (سورۃ انبیاء: ۴۰)

ترجمہ: ''پھر نہ اس کے ہٹانے کی ان کو قدرت ہوگی''۔

یہاں قدرت وامکان کی نفی مقصود ہے کہ جب قیامت آئے گی تو اسے پھیرنا ان کی طاقت اور امکان سے خارج ہوگا۔

مثال معنی ثانی:

اللہ رب العزت نے حوار کا قول ذکر کیا ہے:

''هَلْ يَسْتَطِيْعُ رَبُّكَ اَنْ يُّنَزِّلَ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ ؕ قَالَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ۝'' (سورۃ مائدہ: ۱۱۲)

ترجمہ: ''کیا آپ کے رب ایسا کر سکتے ہیں کہ ہم پر آسمان سے خوان (یعنی کچھ کھانا) نازل فرمادیں''۔

حوار کا یہ کہنا کہ کیا آپ کا پروردگار ہم پر آسمان سے خوان اتار سکتا ہے اسے اللہ کی قدرت سے خارج سمجھتے ہوئے یا اس میں شک کے طور پر نہیں بلکہ مقصود کلام یہ تھا کہ ہم پر اس وقت خوان اتارنے سے کوئی چیز مانع تو نہیں ہے۔

مثال معنی ثالث:

اللہ تعالیٰ نے سورۂ کہف میں قول خضر کو ذکر کیا:

اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا﴿۶۷﴾ (سورۃ الکہف: ۶۷)

ترجمہ: ”آپ سے میرے ساتھ صبر نہ ہوسکے گا“۔

یہاں استطاعت کی نفی سے مقصد یہ بتلانا نہ تھا کہ موسیٰ علیہ السلام کے لیے خضر علیہ السلام کی معیت خارج از امکان ہے اور نہ ہی معیت کے موانع کی نفی مقصود تھی بلکہ صرف معیت کے مشکل ہونے کو بتلانا مقصود تھا۔

قاعدہ نمبر (۱۵۹)

نَفْيُ التَّفْضِيْلِ لَا يَسْتَلْزِمُ نَفْيَ الْمُسَاوَاةِ۔

(الاتقان فی علوم القرآن ج ۳ ص ۸۰ دار الفکر، الکلیات لابی البقاء ج ۱ ص ۹۸ مؤسسۃ الرسالۃ، دفع ایہام الاضطراب عن ایات الکتاب ج ۱ ص ۷)

تشریح:

افضلیت کی نفی مساوات کی نفی کو مستلزم نہیں۔

یعنی کسی وصف کی نفی اسم تفضیل کے صیغہ سے کی جاوے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اس وصف میں اس موصوف سے بڑھ کر کوئی دوسرا موصوف نہیں البتہ یہ ممکن ہے کہ اس کے مساوی کوئی موصوف ہو۔

مثال: ”وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَهٗ مِنَ اللّٰهِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ﴿۱۴۰﴾“ (سورۃ البقرۃ: ۱۴۰)

ترجمہ: ”اور ایسے شخص سے زیادہ ظالم کون ہوگا جو ایسی شہادت کا اخفا کرے جو اس کے پاس من جانب اللہ پہنچی ہو“۔

اس میں ”کاتم شہادت“ کو اظلم (یعنی سب سے بڑا ظالم) بتلادیا گیا تو اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اب اس سے بڑا کوئی دوسرا ظالم نہیں ہوسکتا البتہ یہ ممکن ہے کہ اس کے مساوی درجہ کا ظالم کوئی ہو۔

اشباہ ونظائر

(۱) وَ مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَ سَعٰى فِيْ خَرَابِهَا ؕ اُولٰٓئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ اَنْ يَّدْخُلُوْهَآ اِلَّا خَآئِفِيْنَ ؕ۬ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۱۴﴾ (سورۃ البقرۃ:۱۱۴)

ترجمہ: ''اور اس شخص سے زیادہ اور کون ظالم ہوگا جو اللہ تعالیٰ کے مسجدوں میں ان کا ذکر (عبادت) کیے جانے سے بندش کرے''۔

(۲) وَ مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ فَاَعْرَضَ عَنْهَا وَ نَسِيَ مَا قَدَّمَتْ يَدٰهُ ؕ اِنَّا جَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ؕ وَ اِنْ تَدْعُهُمْ اِلَى الْهُدٰى فَلَنْ يَّهْتَدُوْٓا اِذًا اَبَدًا ﴿۵۷﴾

(سورۃ کہف:۵۷)

ترجمہ: ''اور اس سے زیادہ کون ظالم ہوگا جس کو اس کے رب کی آیتوں سے نصیحت کی جائے پھر وہ اسی سے روگردانی کرے''۔

(۳) وَ مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ؕ اُولٰٓئِكَ يُعْرَضُوْنَ عَلٰى رَبِّهِمْ وَ يَقُوْلُ الْاَشْهَادُ هٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ ۚ اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۸﴾ (سورۃ ہود:۱۸)

ترجمہ: ''اور ایسے شخص سے زیادہ کون ظالم ہے جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھے''۔

ایک شبہ اور اس کا ازالہ:

کبھی کسی کو یہ وہم ہوسکتا ہے مذکورہ آیات میں متعدد مجرمین کو ''اظلم'' کہا گیا حالانکہ جب ایک آیت میں ایک شخص کو ''اظلم'' کہہ دیا گیا تو دوسرا کوئی اظلم نہیں ہوسکتا کیونکہ اگر دوسرا بھی اظلم ہو تو پھر دونوں میں سے کسی کو اظلم کہنا صحیح نہیں ہوگا۔

تو اس کے دو جواب دیئے جاتے ہیں:

پہلا جواب: تو یہ کہ افضلیت کی نفی مساوات کی نفی کو مستلزم نہیں ہوتی۔ لہٰذا جب ایک آیت میں یہ کہا گیا کہ اس سے بڑا ظالم نہیں ہوسکتا تو اس سے اشارہ ہو گیا کہ اس سے بڑا تو نہیں البتہ اس کے مساوی ہوسکتا ہے، دوسری آیات میں جن مجرمین کو اظلم کہا گیا ہے وہ سب ایک دوسرے کے مساوی ہوں گے۔

دوسرا جواب: یہ ہے کہ ان آیات میں مطلق ''اظلم'' کی نفی مقصود نہیں ہے بلکہ مقصود ایک خاص نوع کے ''اظلم'' کی نفی کرنا ہے یعنی کہ جب کسی مجرم کو کسی جرم کی بناء پر ''اظلم'' کہہ دیا جائے تو یہ مطلب نہیں ہوتا کہ دنیا کے تمام مجرمین اس کے مقابلہ میں ہیچ ہیں اور یہ سب سے بڑا مجرم اور ظالم ہے اس سے بڑا کوئی نہیں۔ بلکہ مطلب یہ ہوتا ہے کہ خاص اس نوع کے جتنے مجرم ہیں ان میں یہ مجرم اعلیٰ یعنی اظلم ہے۔

اب آیات مذکورہ میں اس جواب کی تطبیق اس طرح ہوگی کہ آیت کریمہ ''وَ مَنْ اظلم ممن کتم'' میں ''کاتمین'' میں سے ''کاتم شہادت'' سے بڑا ظالم کوئی دوسرا کاتم نہیں ہوسکتا اسی طرح مانعین میں مانع مسجد سے بڑا ظالم کوئی نہیں ہوسکتا ہے اور اسی طرح دوسری آیات کے اندر بھی۔

قاعدہ نمبر (۱۶۰)

نَفْیُ الْحِلِّ یَسْتَلْزِمُ التَّحْرِیْمَ۔

(فتح الباری بشرح صحیح البخاری ج/۱۵ ص/۹۶ دار المعرفۃ لبنان)

حاصل قاعدہ:

حلت کی نفی حرمت کو مستلزم ہوتی ہے۔

تطبیق:

فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ ؕ فَاِنْ

طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يَّتَرَاجَعَآ اِنْ ظَنَّآ اَنْ يُّقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ؕ وَ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝ (سورۃ البقرۃ:۲۳۰)

ترجمہ: ''پھر اگر کوئی (تیسری) طلاق دے دے عورت کو تو پھر وہ اس کے لیے حلال نہ رہے گی اس کے بعد یہاں تک کہ وہ اس کے سوا ایک اور خاوند کے ساتھ (عدت کے بعد) نکاح کرے''۔

یہاں مطلقہ ثلاثہ کی حلت کی نفی کی گئی لہٰذا یہ اپنے شوہر پر حرام ہوگی۔

دیگر امثلہ

(۱) وَ لَا يَحِلُّ لَهُنَّ اَنْ يَّكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِيْٓ اَرْحَامِهِنَّ اِنْ كُنَّ يُؤْمِنَّ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ وَ بُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِيْ ذٰلِكَ اِنْ اَرَادُوْٓا اِصْلَاحًا ؕ وَ لَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۪ وَ لِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ؕ وَ اللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝ (سورۃ البقرۃ:۲۲۸)

ترجمہ: ''اور ان عورتوں کو یہ بات حلال نہیں کہ خدا تعالیٰ نے جو کچھ ان کے رحم میں پیدا کیا ہو (خواہ حمل یا حیض) اس کو پوشیدہ کریں''۔

(۲) وَ لَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْـًٔا اِلَّآ اَنْ يَّخَافَآ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ۙ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ ؕ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا ۚ وَ مَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ (سورۃ البقرۃ:۲۲۹)

ترجمہ: ''اور تمہارے لیے یہ بات حلال نہیں کہ (چھوڑنے کے وقت) کچھ بھی لو (گو) اس میں سے (سہی) جو تم نے ان کو (مہر میں) دیا تھا مگر یہ کہ میاں بیوی دونوں کو احتمال ہو کہ اللہ تعالیٰ کے ضابطوں کو قائم نہ کر سکیں گے''۔

(۳) يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ كَرْهًا ؕ وَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ مَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ۚ وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّيَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا ⑲ (سورۃ النساء:۱۹)

ترجمہ: ''اے ایمان والو! تم کو یہ بات حلال نہیں کہ عورتون کے (مال یا جان کے) جبراً مالک ہو جاؤ''۔

قاعدہ نمبر (۱۶۱)

نَفْيُ الذَّاتِ الْمَوْصُوْفَةِ قَدْ يَكُوْنُ نَفْيًا لِلصِّفَةِ دُوْنَ الذَّاتِ وَقَدْ يَكُوْنُ لِلذَّاتِ كَذٰلِكَ۔

(البرہان فی علوم القرآن ج/۱ص/۳۹۳ دارالمعرفۃ بیروت، الاتقان فی علوم القرآن ج/۳ص/۲۰۸ دارالفکر)

حاصل قاعدہ:

جب کسی ذات موصوفہ سے نفی کی جاتی ہے تو کبھی صرف صفت کی نفی مقصود ہوتی ہے اور کبھی ذات وصف دونوں کی۔

اول کی مثال:

جس میں نفی صرف صفت کی ہو:

وَمَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا لَّا يَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَمَا كَانُوْا خٰلِدِيْنَ ⑧

(سورۃ الانبیاء:۸)

ترجمہ: ''اور ہم نے ان (رسولوں) کے ایسے جسے نہیں بنائے تھے جو کھانا نہ کھاتے ہوں''۔

یہاں پر ذات موصوف جسد ہے اور نفی جسد کی نہیں بلکہ اس کی صفت ''اکل طعام'' کی ہو رہی ہے۔

ثانی کی مثال:

جس میں ذات اور وصف دونوں کی نفی ہو:

لَا یَسْئَلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا۔ (سورۃ البقرۃ: ۲۷۳)

ترجمہ: ''وہ لوگوں سے لپٹ کر مانگتے نہیں پھرتے''۔

یہاں سوال موصوف ہے اور الحاف اس کی صفت ہے اور نفی ذات اور صفت یعنی ''سوال اور الحاف'' دونوں کی کی جا رہی ہے اور آیت کا مطلب یہ ہوا کہ یہ لوگ نہ تو سوال کرتے نہ سوال میں اصرار کرتے ہیں۔

قاعدہ نمبر (۱۶۲)

نَفْیُ الْعَامِ اَحْسَنُ مِنْ نَفْیِ الْخَاصِ وَ اِثْبَاتُ الْخَاصِ اَحْسَنُ مِنْ اِثْبَاتِ الْعَامِ۔

(البرھان فی علوم القرآن ج/۳ ص ۴۰۲ دار المعرفۃ بیروت، الاتقان فی علوم القرآن ج/۲ ص ۲۱۰ دار الفکر)

حاصل قاعدہ:

عام کی نفی خاص کی نفی سے بہتر ہوتی ہے اور خاص کا اثبات عام کے اثبات سے بہتر ہوتا ہے۔

علامہ بدر الدین عینی متوفی ۸۵۵ھ فرماتے ہیں:

''نفی العام مستلزم لنفی الخاص بدون العکس''۔

(عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری ج/۷ ص ۸۸ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ، فیض القدیر شرح الجامع الصغیر ج/۵ ص ۵۲۵ المکتبہ التجادیہ الکبری)

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ فرماتے ہیں:

''فان نفی الخاص لا یستلزم نفی العام''۔

(روح المعانی ج/۶ ص ۱۷ ادار احیاء التراث العربی)

تشریح:

اس کی وجہ یہ ہے کہ عام کی نفی خاص کی نفی سے بہتر ہوتی ہے مگر خاص کی نفی عام کی نفی پر دلالت نہیں کرتی اسی طرح خاص کا ثبوت عام پر دلالت کرتا ہے مگر اس کے برعکس نہیں ہے۔

خاص کے اثبات کی مثال:

''مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ''۔ (سورۃ فتح:۲۹)

اس میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے رسالت کا اثبات کیا گیا ہے جو خاص ہے اور اس کے بالمقابل نبوت ہے اور خاص کے اثبات سے عام کا اثبات لازم آتا ہے اس لیے رسالت کا اثبات نبوت کے اثبات کو مستلزم ہوا البتہ اگر نبوت کا اثبات کیا گیا ہوتا تو اس سے رسالت کا اثبات لازم نہیں آتا کیونکہ عام کا اثبات خاص کو مستلزم نہیں ہوتا۔

عام کی نفی کی مثال:

یَوْمَ لَا تَمْلِکُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَیْئًا ؕ وَ الْاَمْرُ یَوْمَئِذٍ لِّلّٰہِ ﴿۱۹﴾

(سورۃ الانفطار:۱۹)

ترجمہ: ''وہ ایسا دن ہے کہ کسی شخص کا کسی شخص کے نفع کے لیے بس نہ چلے گا''۔

اس میں ''نفس'' عام ہے اور ہر ہر نفس سے ملک و اختیار کی نفی کی جا رہی ہے پس عام کی نفی نفوس خاصہ کی نفی پر دلالت کر رہی ہے کہ قیامت کے دن کسی بڑے سے بڑے دنیوی حکمران کا بھی کوئی اختیار نہ ہوگا۔

اشباہ و نظائر

(ا) وَ لَا یَظْلِمُ رَبُّکَ اَحَدًا۔

(۲) وَ جَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَ الْأَرْضُ۔ (سورۃ آل عمران: ۱۳۳)

ترجمہ: ''اور جنت کے طرف جس کی وسعت ایسی ہے جیسے سب آسمان اور زمین''۔

اس میں عرض خاص ہے اور طول عام ہے کیونکہ عرض کے لیے طول کا ہونا لازم ہے مگر اس کے برعکس نہیں ہے۔

قاعدہ نمبر (۱۶۳)

وَضْعُ الظَّاهِرِ مَوْضِعَ الْمُضْمَرِ وَ عَكْسُهُ إِنَّمَا يَكُوْنُ لِنُكْتَةٍ۔

(ماخوذ من البرهان فی علوم القرآن ج ر ۳ ص ۳۲۹ دار المعرفۃ بیروت، الاتقان فی علوم القرآن ج ر ۳ ص ۱۹۴ دار الفکر)

حاصل قاعدہ:

کسی خاص نکتہ کی وجہ سے اسم ظاہر کی جگہ اسم ضمیر اور اسم ضمیر کی جگہ اسم ظاہر کا استعمال کیا جاتا ہے۔

مثال جزء اول: (یعنی ضمیر کی جگہ اسم ظاہر ذکر کرنا)

''وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۖ وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ ۗ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝

(سورۂ بقرہ: ۲۸۲)

ترجمہ: ''اور خدا سے ڈرو اور اللہ تعالیٰ (کا تم پر احسان ہے کہ) تم کو تعلیم فرماتا ہے اور اللہ تعالیٰ سب چیزوں کے جاننے والے ہیں''۔

قاعدہ یہ ہے کہ جب ایک جگہ ایک اسم کو ذکر کر دیا گیا تو دوبارہ اس کا ذکر بصورت اسم نہیں بلکہ بشکل ضمیر کیا جاتا ہے لہٰذا یہاں ضمیر کے ساتھ ''وهو بكل شيءٍ عليم'' ہونا چاہیے مگر ضمیر کی بجائے لفظ اللہ کا تکرار تعظیم واستلذاذ کی غرض سے کیا گیا۔

دیگر امثلہ

(۱) "اِسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطٰنُ فَاَنْسٰهُمْ ذِكْرَ اللّٰهِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ حِزْبُ الشَّيْطٰنِ ۭ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ الشَّيْطٰنِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝

(سورہ مجادلہ:۱۹)

ترجمہ: "یہ لوگ شیطان کے گروہ ہیں خوب سن لو کہ شیطان کا گروہ ضرور برباد ہونے والا ہے۔"

(۲) مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعِزَّةَ فَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ جَمِيْعًا ۭ اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهٗ ۭ وَالَّذِيْنَ يَمْكُرُوْنَ السَّـيِّاٰتِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۭ وَمَكْرُ اُولٰۗىِٕكَ هُوَ يَبُوْرُ ۝

(سورۂ فاطر:۱۰)

ترجمہ: "جو شخص عزت حاصل کرنا چاہے تو تمام تر عزت خدا ہی کے لیے ہے"۔

مثال جزء ثانی: (یعنی اسم ظاہر کی جگہ ضمیر لانا)

(۱) مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰۗىِٕكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَجِبْرِيْلَ وَمِيْكٰلَ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ۔

(سورۂ بقرہ:۹۷)

(۲) اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ ۝

(سورۂ قدر:۱)

ان دونوں جگہ پر "ہ" ضمیر کی بجائے "اللہ" بشکل اسم ظاہر ہونا چاہیے تھا مگر اللہ کی عظمت وتعظیم پر دلالت کی غرض سے اسم ضمیر کا استعمال کیا گیا۔

قاعدہ نمبر (۱۶۴)

يَحْصُلُ بِمَجْمُوْعِ الْمُتَرَادِفَيْنِ مَعْنًى لَا يُوْجَدُ عِنْدَ انْفِرَادِهِمَا

(الاتقان فی علوم القرآن ج ۳/ ص ۱۹۱ دار الفکر، البرہان فی علوم القرآن ج ۲/ ص ۴۷۷ دار المعرفۃ بیروت، الکلیات لابی البقاء ج ۳/ ص ۳۱۵ موسسۃ الرسالۃ)

حاصل قاعدہ:

ایک ہی جملے میں دو مترادف لفظوں کو جمع کر دینے سے ایسا معنی وجود میں آتا ہے

جو معنی ایک لفظ کو ذکر کرنے سے نہیں حاصل ہوتا۔

امثلہ

(۱) اِنَّمَآ اَشْكُوْا بَثِّيْ وَ حُزْنِيْٓ اِلَى اللّٰهِ۔ (سورۃ یوسف:۸۶)

ترجمہ: ''انہوں نے (یعنی یعقوب علیہ السلام نے) فرمایا کہ میں تو اپنے رنج وغم کی صرف اللہ سے شکایت کرتا ہوں''۔

(۲) فَمَا وَ هَنُوْا لِمَآ اَصَابَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ مَا ضَعُفُوْا وَ مَا اسْتَكَانُوْا۔ (سورۃ آل عمران:۱۴۶)

ترجمہ: ''سو نہ تو ہمت ہاری انہوں نے ان مصائب کی وجہ سے جو ان پر اللہ کی راہ میں واقع ہوئیں اور نہ ان کا زور گھٹا اور نہ وہ دبے''۔

(۳) وَ عَنَتِ الْوُجُوْهُ لِلْحَيِّ الْقَيُّوْمِ ؕ وَ قَدْ خَابَ مَنْ حَمَلَ ظُلْمًا ﴿۱۱۱﴾ (سورۃ طٰہٰ:۱۱۱)

ترجمہ: ''سو اس کو (کامل ثواب ملے گا) نہ کسی زیادتی کا اندیشہ ہوگا اور نہ کسی کمی کا''۔

(۴) لَّا تَخٰفُ دَرَكًا وَّ لَا تَخْشٰى ﴿۷۷﴾ (سورۃ طٰہٰ:۷۷)

ترجم: ''نہ تم کو کسی کے تعاقب کا اندیشہ ہوگا اور نہ تم کو کسی قسم کا خوف ہوگا''۔

قاعدہ نمبر (۱۶۵)

يُسْتَدَلُّ عَلٰى اِفْتِرَاقِ مَعَانِي الْحُرُوْفِ بِافْتِرَاقِ الْاَجْوِبَةِ عَنْهَا۔

(تفسیر طبری ج ر ۴ ص ر ۱۴۴ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت)

حاصل قاعدہ:

مختلف المعانی حروف میں معنی مرادی کی تعیین ان کے جوابات سے حاصل ہو جاتی ہے۔

تشریح:

جن حروف کے متعدد معانی ہیں مگر وہ سب معانی قریب قریب اور بہت معمولی فرق کے حامل ہیں جس سے کبھی کبھی تداخل اور توحد کا وہم ہونے لگتا ہے ایسے موقع پر جوابات سے معنیٰ مقصود کی تعیین ہوجاتی ہے۔ مثلاً لفظ ''انی'' یہ ''کیف، این اور متی'' کے معنی میں استعمال ہوتا ہے اور یہ سب معانی ایک دوسرے سے ملتے جلتے اور قریب ہیں لہٰذا اب اس کے معنیٰ مقصود کا تعین جواب پر موقوف ہوگا۔

''فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنّٰى شِئْتُمْ''۔ (سورۃ بقرۃ: ۲۲۳)

ترجمہ: ''سو اپنے کھیت میں جس طرف سے ہو کر چاہو آؤ''۔

یہاں حرث (قرینہ) کی وجہ سے ''اَنّٰی'' کا ''کیف'' کے معنی میں ہونا متعین ہوگیا۔

قاعدہ نمبر (۱۶۶)

یَقَلَّلُ الْمُقَدَّرُ مَهْمَا اَمْكَنَ لِتَقِلَّ مُخَالَفَةُ الْاَصْلِ۔

(الاتقان فی علوم القرآن ج ۲ ص ۱۶۱ دار الفکر، الاحکام فی اصول الاحکام ج ۲ ص ۲۶۹ دار الکتاب العربی، مغنی اللبیب عن کتب الاعاریب ج ۱ ص ۴۳۴ مؤسسۃ الرسالۃ)

حاصل قاعدہ:

جہاں تک ہو سکے کلام میں مقدرات کم ہونے چاہئیں تا کہ خلاف اصل کا ارتکاب کم ہو۔

تشریح:

چونکہ کلام میں اصل ذکر ہے نہ کہ حذف بلکہ حذف کا عمل بوجہ ضرورت اختیار کیا جاتا ہے۔ لہٰذا والضروری یقدر بقدر الضرورۃ کے تحت کم سے کم محذوف ماننا چاہیے۔

مثال: وَالّٰٓئِیْ یَئِسْنَ مِنَ الْمَحِیْضِ مِنْ نِّسَآئِكُمْ اِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلٰثَةُ اَشْهُرٍ وَّالّٰٓئِیْ لَمْ یَحِضْنَ۔ (سورۃ طلاق: ۴)

بعض نے کہا لم یحضن کے بعد فعدتھن ثلاثۃ اشھر مقدر ہے لیکن اولیٰ یہ ہے کہ کذلک مقدر مانا جائے تا کہ اعجاز قرآن (اختصار) بھی باقی رہے اور معنی بھی حاصل ہو جائے۔

ترجمہ: ''اور (تفصیل یہ کہ) تمہاری (مطلقہ) بیبیوں میں سے جو عورتیں (بوجہ زیادتِ سن کے) حیض آنے سے مایوس ہو چکی ہیں اگر تم کو (ان کی عدت کے یقین میں) شبہ ہو تو ان کی عدت تین مہینے ہے اور اسی طرح جن عورتوں کو (اب تک بوجہ کم عمری کے) حیض نہیں آیا''۔